مذہب عشق کی تحقیق و تدوین

مقالہ برائے

پی۔ایچ۔ڈی (اردو)

مقالہ نگار

اسماء مبین

ایم۔اے،ایم۔فل

نگران

پروفیسر حبیب نثار

شعبہ اردو، اسکول آف ہیومانٹیز

یونیورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد۔۵۰۰۰۴۶

۲۰۱۷ء

فہرست

پیش لفظ			1
حصہ۔الف۔مقدمہ			
(الف)	......	نہال چند لاہوری اور ان کی داستان ''مذہب عشق''	6
(ب)	......	گل بکاولی کا قصہ اور اس کی اصل	10
(ج)	......	مذہب عشق کے مخطوطات	17
(د)	......	مذہب عشق کے اہم مطبوعہ نسخے	48
(ہ)	......	مذہب عشق کا خلاصہ	54
(و)	......	مذہب عشق کی حکایات	77
(ز)	......	مذہب عشق کا تمثیلی پہلو	84
(ح)	......	بنیادی نسخہ	89
(ط)	......	اردو داستانوں میں مذہب عشق	93
(ی)	......	مذہب عشق املا	97
حصہ۔ب			
(الف)	......	متن	100
(ب)	......	فرہنگ	223
(ج)	......	کتابیات	234

پیش لفظ

خدائے بزرگ و برتر کی میں بے حد شکر گذار ہوں جو سارے علوم وفنون کا جاننے والا ہے۔ میرا پی ایچ ڈی کا مقالہ مذہب عشق پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے 2011ء میں داخلہ لیا۔ ڈاکٹر حبیب نثار کی رہبری و رہنمائی سے یہ سلسلہ 2017ء میں اختتام کو پہنچا۔ اس عرصہ میں مسلسل کاوشیں جاری رہیں۔ بے شمار مخطوطات، مطبوعات اور کتب کا مطالعہ ہو گیا جو اس موضوع سے متعلق تھیں۔ مختلف کتب خانوں، لائبریریوں سے استفادہ کیا گیا۔ پاکستانی رشتہ داروں سے بھی ربط پیدا کیا گیا تا کہ لاہور سے مطبوعہ نسخہ حاصل کیا جائے لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔ سالار جنگ لائبریری اور ادارۂ ادبیات اردو سے اس کے سی ڈیز، فوٹو کاپیاں حاصل کی گئیں۔ سالار جنگ لائبریری سے حاصل کردہ مطبوعہ نسخہ کو بنیاد بنایا گیا۔ اس لئے کہ وہ فورٹ ولیم کالج کے شائع شدہ نسخہ کی نقل ہے جس پر فورٹ ولیم کالج کی مہر ثبت ہے۔

جب موضوع کے انتخاب کا مرحلہ تھا اس سلسلہ میں ایک میٹنگ ہوئی۔ ایم فل میں میرے نگران کار ڈاکٹر حبیب نثار تھے جنھوں نے میرے لئے ترتیب متن کے حوالے سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھنے کا مشورہ دیا۔

پروفیسر انورالاین نے کہا کہ مخطوطہ پر کام بے حد مشکل ہوتا ہے اور یہ آپ اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں لیکن اُس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر آپ اچھے سے کریں تو کام آپ کا نام کر دیگا۔ چونکہ رشید حسن خاں جیسی مشہور و معروف شخصیت نے ایسے کام اپنے ہاتھ میں لئے تھے (اس لئے اس کام کے کٹھن ہونے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا)

اس کے جواب میں میں نے کہا تھا اگر سر (ڈاکٹر حبیب نثار) کی رہنمائی و رہبری ہو تو میں یہ کام ضرور پورا کر لوں گی۔ انشاءاللہ۔ اس طرح کمیٹی نے یہ موضوع میرے لئے منظور کیا۔

یہ موضوع واقعی بے حد مشکل تھا ایک قدیم مخطوطہ کی دوبارہ بازیافت، عموماً مقالے شخصیت پر لکھے جاتے ہیں یہ اُن مقالوں کی طرح نہیں تھا۔ پہلے پہل تو مذہب عشق مجھ سے پڑھا بھی نہیں جا رہا تھا پھر کئی عرصہ تک مشق کرنے کے بعد متن کی میں قرأت کر سکی اور پھر نوٹس لئے کارڈز بنائے۔ خدا کا شکر ہے کہ پروفیسر حبیب نثار کی عملی رہنمائی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

بیشتر سمیناروں میں یہ بات سننے میں آئی تھی کہ آج کل کے اسکالر سہل پسند ہو گئے ہیں جو مخطوطات کی

ترتیب کا کام اپنے ذمہ نہیں لینا چاہتے۔ میں نے ایک چیلنج کے طور پر اس کام کو اپنے ذمہ لیا۔

میں نے ایم فل کی پڑھائی کے دوران ترتیب متن کے سلسلہ میں رشید حسن خاں کے طریقہ کار کو پڑھا ہے اوران کی مرتبہ داستانوں، باغ و بہار، گلزارنسیم کو پڑھا ہے اس درمیان مجھے یہ بات پتہ چلی کہ وہ مذہب عشق کو بھی ترتیب دینا چاہتے تھے۔ لہذا میں نے انہی کے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے کارڈس والے سسٹم پر عمل کیا اور مذہب عشق کے (5) پانچ مخطوطات کے کارڈس تیار کئے جو پانچ ہزار کی تعداد میں لکھے گئے ہیں تاکہ مختلف نسخوں کے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ صحیح متن کی بازیافت کی جائے۔

میں نے مخطوطات کی موجودگی کے باوجود ایک فورٹ ولیم کالج کے مطبوعہ نسخہ کو بنیاد بنایا ہے اس لئے یہ نسخہ فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوا ہے اور اُس اولین اشاعت پر مبنی ہے جو پہلی دفعہ فورٹ ولیم کالج سے 1804ء میں شائع ہوا تھا۔

داستان مذہب عشق کو ڈاکٹر گلکرسٹ کی خواہش پر نہال چند لاہوری نے فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی شعبہ کے لئے لکھا۔ مذہب عشق پہلی مرتبہ 1804ء میں فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوئی اس کی مقبولیت کی بنا پر بعدازاں متعدد اشاعتیں عمل میں آئیں۔

نہال چند لاہوری نے مذہب عشق لکھتے ہوئے شیخ عزت اللہ بنگالی کے فارسی قصہ ''گل بکاولی'' کو ماخذ بنایا۔ عزت اللہ بنگالی نے فارسی میں یہ قصہ 1134ھ ہجری میں لکھا۔ مذہب عشق کے دیباچہ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔

نہال چند لاہوری ہندوستان کے شہر شاہ جہاں آباد (دہلی) میں پیدا ہوئے آبا و اجداد کے ساتھ لاہور گئے اور پھر روزگار کی تلاش میں کلکتہ آ گئے۔ لاہور میں زندگی کا بیشتر حصہ گذارنے کی وجہ سے لاہوری کہلائے اور فورٹ ولیم کالج کے لئے ترجمہ کرنے سے منشی کا سابقہ اُن کے نام کا جُز بن گیا۔ اُن کی سنہ پیدائش، سنہ وفات معلوم نہیں اور اُن کا ایک ہی ادبی کارنامہ مذہب عشق ہم تک پہنچا ہے۔

داستان مذہب عشق اردو نثر میں سب سے زیادہ چھپنے والی داستان ہے۔ رشید حسن خاں گلزارنسیم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''اس قصہ نے بہت شہرت پائی اس کا کچھ اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے

> کہ مذہب عشق کے خطی نسخے بھی اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں مطبوعہ نسخے تو اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ اُن کا گوشوارہ بنانا مشکل معلوم ہوتا ہے اس سے اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ قصہ شروع ہی سے مقبول رہا ہے''۔ (ص۱۲)

گل بکاولی کے قصہ کے سلسلے میں عموماً صرف نسیم کی مثنوی گلزار نسیم ہی کا نام لیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ نسیم سے قبل نہال چند لاہوری نے اسے لکھا۔تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ مذہب عشق کی شہرت سے متاثر ہونے کے بعد ہی نسیم نے اپنی مثنوی لکھی۔اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''اس سلسلے میں یہ بات ہماری نظر میں رہنا چاہئے کہ نسیم کی مثنوی کو بے شک قبول عام حاصل ہوا تھا،لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس قصہ کو نسیم کی وجہ سے شہرت ملی۔مذہب عشق بار بار چھپی ہے اوراس سے یہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہیکہ اس قصے میں دلکشی کے اجزا موجود تھے جن کی وجہ سے یہ نثری صورت میں شہرت اور مقبولیت سے محروم نہیں رہا۔(ص۱۲)

اردو نثر اور نثری داستانوں پر لکھی گئیں تواریخ ادب میں مذہب عشق کا سنہ اشاعت 1803ء بتایا جاتا ہے۔مقالہ لکھنے کے دوران یہ حقیقت سامنے آئی کہ مذہب عشق 1804ء میں شائع ہوئی اور مذہب عشق تاریخی نام ہے۔یہ دراصل تاریخ ہے جس سے 1217ھ م 1803ء برآمد ہوتے ہیں۔گل کرسٹ کی ایک رپورٹ مورخہ گسٹ 1803ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب 1803ء میں زیر طبع تھی اور مصنف نے اس کو ایک سال میں پورا کیا اوراس کا پہلا ایڈیشن 1804ء میں شائع ہوا۔

منشی نہال چند لاہوری فورٹ ولیم کالج کے باضابطہ ملازم نہیں تھے۔گلکرسٹ نے ان سے ہندوستانی شعبے کے لئے گل بکاولی کا ترجمہ کروایا تھا کیونکہ نو وارد انگریز طالب علموں کے لئے جن کو اس ملک کی معاشرتی ،تہذیبی اور مذہبی روایتوں سے واقف کرانا ضروری تھا۔چونکہ یہ مختصر داستان ہے اسی لئے گلکرسٹ نے اس داستان کی اشاعت ضروری سمجھی۔چالیس روپیہ ماہوار پر منشی مامور کیا اور کتاب کی تکمیل کے بعد سو روپیہ انعام دیا گیا۔

مخطوطات کی تلاش، ماخذات کی چھان بین کے سلسلے میں مجھے متعدد کتب خانوں کی ''سیر'' کرنی پڑی

بعض لائبریروں سے جلد ہی مواد مل گیا اور بعض لائبریروں سے باوجود کئی مرتبہ چکر لگانے کے مواد حاصل نہ ہوسکا۔ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو، سالار جنگ لائبریری، کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد نظام ٹرسٹ لائبریری، اندرا گاندھی میموریل لائبریری سے میں نے بہت استفادہ کیا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی شعبۂ مخطوطات کے ارباب مجاز نے تعاون کیا چونکہ یہاں کے مخطوطات کافی بوسیدہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے اس کی فوٹو کاپی حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ کرشن پرشاد کی لائبریری میں قصہ گل بکاولی کے چند کاغذات دیکھنے کو ملے۔

تمام کتب خانوں کے ارباب مجاز کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے میرے تحقیق وتدوین کے کام میں مدد کی ہے۔

یہ ایک مثبت پہلو ہے کہ لائبریریوں میں ریسرچ اسکالرس کی بڑی عزت افزائی کی جاتی ہے اور بھرپور تعاون کیا جاتا ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم میں مواد کے حصول کے لئے بار بار جانا پڑا وہاں کے اسٹاف کا ہمیشہ بھرپور تعاون رہا جس کے لئے میں شکر گذار ہوں۔ میرے کرم فرما پروفیسر حبیب نثار کا شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی رہنمائی میں میرا کام تکمیل کو پہنچا۔

اساتذہ ہوں یا رشتہ دار، اور اردو ڈپارٹمنٹ کے ساتھی جن کی نیک خواہشات میرے کام میں مددگار رہیں اور میرے جذبہ کو جگائے رکھا ان تمام کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

میرے شوہر جناب رکن الدین صاحب نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا ہے مقالے کی تکمیل کے سلسلے میں جب بھی بہت پریشان ہوجاتی وہ بہت اچھے سے میری ہمت بندھاتے اور کہتے اب یہ تمہاری نہیں میری خواہش بن گئی ہے کہ تمہارے نام کے آگے ڈاکٹر لکھا دیکھوں ان کی محنتوں کا بدلا تو نہیں دے سکتی لیکن شکر گذار ضرور رہوں گی۔ میری پیاری بیٹی فائزہ مریم نے بھی میری بہت مدد کی ہے۔

ایک افسوس! میرے والد محترم میرے اس کام کی تکمیل کی خواہش لئے اس دنیا سے گذر گئے جس کا زندگی بھر مجھے افسوس رہے گا۔

ڈسمبر 2017ء — اسماء بین

مقدمہ

(الف)

نہال چند لاہوری اور ان کی داستان ''مذہب عشق''

نہال چند کے بزرگ لاہور سے آ کر دلی میں بس گئے تھے نہال چند دلی میں پیدا ہوئے اور شاہجہاں آباد ہی کے ماحول میں پلے بڑھے اور پھر لاہور میں جا بسے لاہوری کہلائے۔ ان کے حالات زندگی اور سال پیدائش و وفات نامعلوم ہیں۔ لاہور سے تلاش روزگار میں کلکتہ گئے اور وہاں ڈیوڈ رابرٹ سن کے توسط سے گلکرسٹ تک پہنچے اور انہی کی فرمائش پر قصہ بکاولی کو اردو نثر میں ڈھالا اور نام ''مذہب عشق'' رکھا۔

خود نہال چند کی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہیکہ وہ دلی میں پیدا ہوئے لیکن اُن کے افراد خاندان کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کس سن میں پیدا ہوئے۔ وہ مذہب عشق کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''مستند نہال چند لاہوری کو (کہ مولد اس نحیف کا شاہ جہاں آباد ہے) آب خور کھینچ کر اشرف البلاد کلکتے کے بیچ (جو اس وقت میں دارالامارہ) ہندوستان کا ہے لا ڈالا۔'' (ص (۷) مذہب عشق)

ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روزگار کی تلاش میں کلکتہ آئے چونکہ کپتان ڈیوڈ رابرٹ سن سے ان کی جان پہچان تھی اس لئے انہی کے ذریعہ جان گلکرسٹ تک ان کی رسائی ہوئی۔ جان گلکرسٹ نے ان کے روزگار کا بندوبست کر دیا اور ان کی گذر بسر بخوبی ہونے لگی۔ جان گلکرسٹ نے نہال چند سے فرمائش کی کہ قصہ تاج الملوک اور بکاولی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کریں۔ بموجب حکم انھوں نے ہندی یعنی (اردو) میں ترجمہ کیا اور نام اس کا ''مذہب عشق'' رکھا۔ نہال چند لاہوری بقلم خود لکھے ہیں:

> ''غرض صاحب بہادر کے تفضلات سے اس ضعیف کی اوقات بخوبی بسر ہونے لگی۔ اور آگے کو بھی اُمید بندھی کہ اگر یہہ دامن دولت ہاتھ میں ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن بیڑا پار ہو جاویگا۔ پھر ایک روز خداوند نعمت نے ارشاد کیا

کہ قصہ تاج الملوک اور بکاولی کا فارسی سے ہندی ریختہ کے محاورے میں ترجمہ کر کر باعث سُرخروی اور یادگاری کا تیری ہو اور موجب خوشنودی کا ہماری چنانچہ اس نحیف نے بموجب ارشاد فیض بنیاد کے اپنے حوصلے کے موافق صاحب فلاطون فطنت ، والاشکوہ، عالی حشمت ، فلک مرتبت مارکوئیس ولزلی نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد میں ہندی میں ترجمہ کیا اور نام اس کا مذہب عشق رکھا۔''

(ص ۸۔ مذہب عشق)

اس خود نوشت تحریر میں نہال چند نے جان گلکرسٹ سے متعلق بے اندازہ القاب وآداب کا استعمال کیا ہے اور ان کی ثنا خوانی نظم کے ذریعہ بھی کی ہے۔ ان کے حق میں دعائیں اور ان کے دشمنوں کے حق میں بددعا دی ہے۔ نہال چند کی تحریر سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اُس وقت کے عہد کی عمدہ زبان کو برتا ہے۔

نہال چند لاہوری نے مذہب عشق کی وجہ تصنیف میں واضح کیا ہے کہ اُن کا ماخذ شیخ عزت اللہ بنگالی کی فارسی تصنیف ''گل بکاولی'' ہے۔ وجہ تصنیف بتلاتے ہوئے نہال چند نے لکھا ہے کہ:

''شیخ عزت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی زبان میں تصنیف کی تھی۔ اس نے اس کا سبب یوں لکھا ہے کہ طالب علمی کے ایام میں اس حقیر کو انشا پردازی کے فن میں رغبت تمام تھی اور مسودے بھی کاغذ پر لکھ چھوڑتا تھا ایک روز رفیق شفیق نذر محمد کہ نو برس تک اس شوریدہ حال کا مرغ دل اس شمعِ جمال پر پروانے کی مانند حیران اور ذرے کی طرح اس آسمان ملاحت کے خورشید پر سرگرداں تھا، چکور کی مانند خراماں خراماں آیا...... پھر میرے زانو کا تکیہ لگا کر کہنے لگا کہ مجھ کو نیند آتی ہے جب تک میں سوؤں تم بیٹھے کوئی کہانی کہو...... تب وہ قصہ کہ جس کی ہر داستان عشق ہی سے بھری ہوئی تھی اس سرمایۂ بہجت وسرور کے آگے کہنے لگا۔ من بعد اس یار ارجمند کی خواہش پسند دیکھنے والوں کی دید کے لائق کروں۔ اس اثناء میں غرہ ذوالحجہ کو کہ سن ایک ہزار ایک سو چونتیس ہجری تھے، اس نوبادۂ باغ دل دیدہ کے تئیں موت کی صرصر نے جڑ سے اُکھاڑ ڈالا...... بحکم ضرورت آدھے کو فارسی کیا اور آدھے کو جوں کا توں رکھا اور پھر

چند دوستوں کے کہنے سے قصے کا وہ حصہ جو نہیں لکھا تھا اسے بھی لکھ ڈالا۔''

(ص:۳ مذہب عشق)

مذہب عشق کی عبارت کو دیکھ کر واضح طور پر نظر آتا ہے کہ نہال چند لاہوری نے عبارت کا لفظی اُردو ترجمہ کیا ہے۔اس قصہ کے تین بنیادی حصے ہیں۔ پہلا قصہ تاج الملوک اور بکاولی کے عشق اوران کی شادی پر ختم ہوتا ہے دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اسی قصہ کو آگے بڑھانے کیلئے نئ کہانی کا اضافہ کیا گیا ہے جو راجہ اندر اوراس کے دربار کے واقعات اور بکاولی کے دوسرے جنم سے متعلق ہیں۔ تیسرا حصہ بہرام اور روح افزاء پری کے معاملات عشق پر مشتمل ہے اوران کی شادی ہونے کا واقعہ ہے۔داستان مذہب عشق میں فوق الفطرت عناصر اور واقعات کا جابجا ذکر ملا ہے۔طلسمات کے ذریعہ جنس کی تبدیلی بتائی ہے۔انسانوں اور پریوں کے درمیان رشتہ ازواج قائم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تاج الملوک پر سراندیپ کی رانی چتراوت کے عاشق ہونے اور تاج الملوک سے ملنے کی داستان آخر میں تاج الملوک کے ساتھ واپسی یہ سارے واقعات کہانی در کہانی کے انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔اس کے علاوہ رسوم ورواج اور شادی میں ہونے والی رسموں کی تفصیل کا بیان ہے۔

قصہ کے درمیان بعض مقامات پر نازیبا گفتگو ملتی ہے۔خواتین کے مکالموں میں دلی کی بامحاورہ زبان کا لطف داستان میں جگہ جگہ پایا جاتا ہے۔اس داستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے نہال چند نے اپنے عہد کی عمدہ زبان کو برتا ہے اور اُن کی تحریر میں اعتماد نظر آتا ہے۔انھوں نے وجہی کی سب رس کی طرح نثر اور نظم کو ملاکر داستان بیان کی ہے۔بحر حال قصہ گل بکاولی کو اردو ادب میں غیر فانی شہرت حاصل ہے۔اس کتاب کو اردو زبان میں قدامت کا امتیاز حاصل ہے۔امیر غریب بچے بوڑھے خواص عام کے لئے اس دستان میں دلچسپی کا سامان موجود ہے۔

مقدمہ

(ب)

''گل بکاولی کا قصہ اور اس کی اصل''

مذہب عشق اور گل بکاولی اسم بہ مسمیٰ ہے۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ مذہب عشق کا مطالعہ کرنے سے پہلے گل بکاولی کی اصل یا حقیقت معلوم کرنا اور اس پر روشنی ڈالنا اشد ضروری معلوم ہوتا ہے۔ گل بکاولی کا قصہ پڑھتے ہوئے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ تخیل کے گل بوٹے ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ بکاولی کا پھول خدا کی قدرت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

گل بکاولی کی حقیقت اور اس کے بارے میں گیان چند جین، معراج دھلپوری، حیات اللہ انصاری، مسعود حسین رضوی ادیب جیسے محققین نے تفصیل سے لکھا ہے۔

مولانا محمد یعقوب کی تصنیف گلدستۂ حیرت ۱۲۹۳ھ جو تواریخ بکاولی کے نام سے جانی جاتی ہے کہ بارے میں پروفیسر مسعود حسین رضوی ادیب لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب کا نام ہے گلدستۂ حیرت معروف بہ تواریخ بکاولی ہے اور اس کے مصنف محمد یعقوب ابن اکبر خاں لکھنوی جنھوں نے قصبہ کاکوری ضلع لکھنو کے رئیس محمد عبدالسمیع ولد شیخ رحیم باسط سے بکاولی کے حالات معلوم کر کے اس کتاب میں لکھ دیئے اور اس کو پہلی مرتبہ خواجہ محمد وزیر نے اپنے مطبع گلزار محمدی لکھنو سے چھاپ کر ۱۲۹۳ھ کی ابتداء میں شائع کیا''

(حیات اللہ انصاری۔ رسالہ آج کل نئی دہلی نومبر ۱۹۸۶ء ص ۱۱)

حیات اللہ انصاری اطلاع دیتے ہیں کہ محکمہ جنگلات کے داروغہ میر قدرت علی نے ۱۸۷۲ء میں امرکنٹک کے جنگل کا نقشہ اُتارا تھا جس میں بکاولی کے باغ، حوض، قلعہ اور دوسری عمارتوں اور باغوں کے جائے وقوع بتائی گئی ہے۔ حیات اللہ انصاری نے اپنے مضمون ''اصلی گل بکاولی'' مطبوعہ رسالہ ''آج کل'' بابتہ نومبر ۱۹۸۶ء میں اس نقشہ کا فوٹو شائع کیا ہے جو ذیل میں بطور عکس دیا جاتا ہے۔

اے نگار چمن تری جوبن حسن و ناز کی قبا گل کی گلشن

[illegible]

١٢٩٢ھ

گلدستۂ حیرت

معروف بہ

تواریخ بکاولی

تصنیف جناب [illegible] حسب فرمائش [illegible] باہتمام [illegible]

در مطبع حسنی [illegible] واقع [illegible] لکھنؤ طبع شد

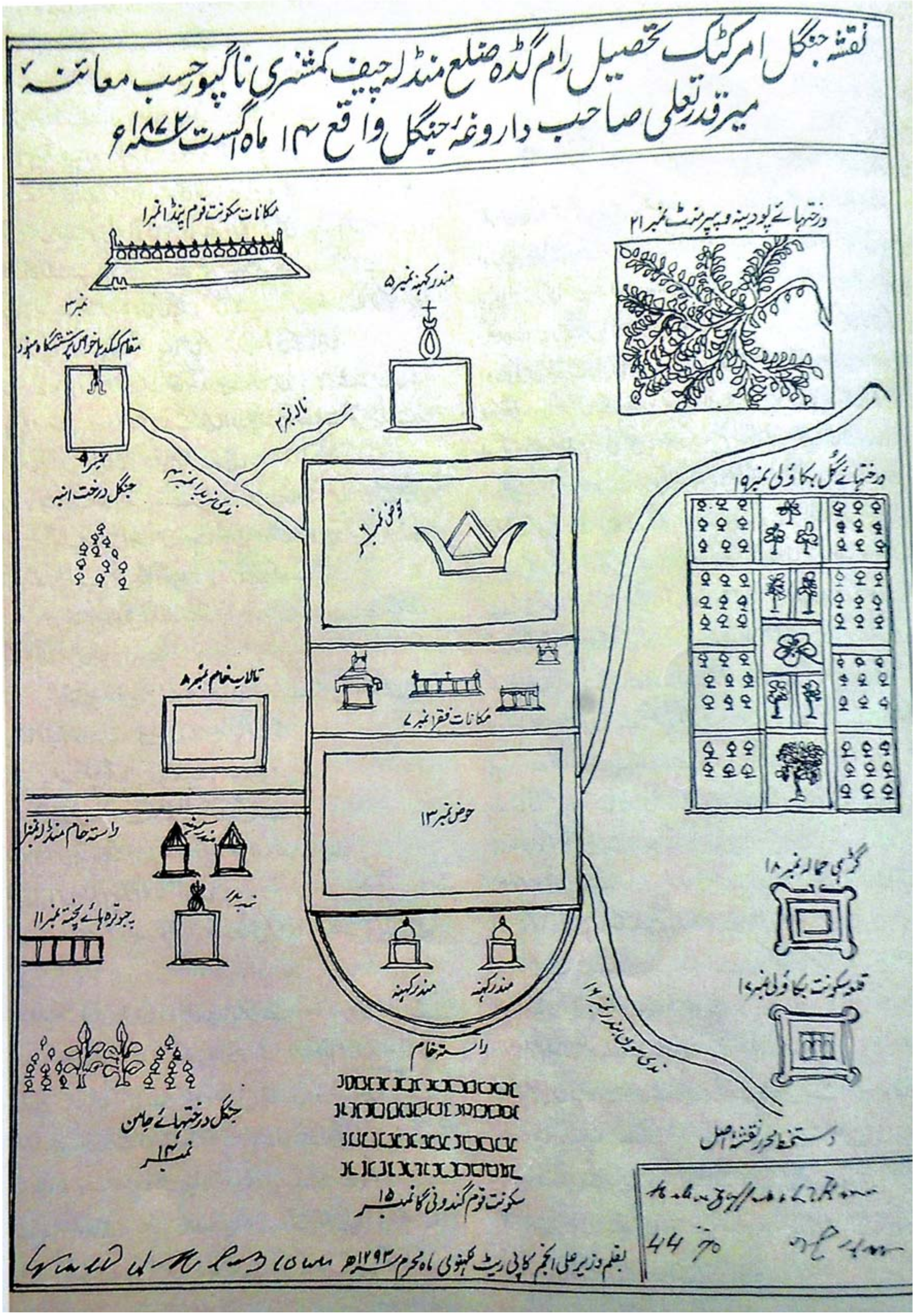

نقشہ: حیات اللہ انصاری۔ رسالہ آج کل نئی دہلی نومبر ۱۹۸۶ء ص (۱۱)

حیات اللہ انصاری نے اس نقشہ پر عمارت، باغ، تالاب پر شمارہ نمبر درج کیا ہے اور اُس کی تفصیل اپنے مضمون میں بیان کی ہے جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ مکانات پختہ ہوتے ہیں اوران مکانات میں قوم پنڈا رہا کرتی ہیں۔

۲۔ یہ نالا نربدا سے نکل کر جانب شمال چلا گیا ہے۔

۳۔ یہ مقام حوض سے قریب نصف میل کے ہے اور نام اس کا کپل دھار و خاص پرستش ہنود کی ہے ۔اور یہ مقام ہرجائے کیفیت اور بہت بلندی پر ہے۔ پانی اس مقام پر قریب دوسو ہاتھ کی بلندی سے گرتا ہے اور چادر پانی کی قریب ستر اسی ہاتھ کے چوڑی ہے۔

۴۔ یہ ندی نربدا سے (۶) سے نکلتی ہے۔اس جگہ تانبے کی ٹوٹی جس طرح چھوٹی لوٹی کی ہوتی ہے، لگادی گئی ہے۔اس سوراخ سے پانی حوض کا نکلتا ہے اور کسی دریا سے نکلی سیدھی سمندر سے جاملی ہے۔

۵۔ یہ مندر خاص بکاولی کی پرستش کا ہے۔اس زمانہ میں اس کو مندر نہیں کہتے تھے کچھ اور نام تھا مگر اب اس کو مندر بکاؤلی کہتے ہیں۔

۶،۷ یہ حوض ایک تھا مگر درمیان میں مٹی کا پشتہ بن گیا ہے عرصہ چار پانچ سو سال سے دو حوض ہو گئے ہیں اور پشتہ پر مکانات فقراء بنا دیئے گئے ہیں یہاں پر فقراء سیاح آ کر قیام کرتے ہیں۔

۸۔ یہ تالاب خام مگر پختہ سے زیادہ مستحکم ہے اور متصل اس کے جنگل انبہ کا کوسوں چلا گیا ہے اور انبہ اس کا بہت شیریں اور رس پتلا اور تخم چھوٹا بوزن ایک چھٹا نک کے ہوتا ہے۔قوم بکاو گوند و جانور وغیرہ کھاتے ہیں۔

۹۔ اس مقام پر جنگل آنبہ کا ہے۔

۱۰۔ یہ راستہ مندر سے امرکنٹک کو گیا ہے کہ جہاں حوض بکاولی ہے۔

۱۱۔ یہ پختہ چبوترہ بنام ہناد بیر بکاولی مشہور ہے۔یعنی ہر ہفتہ میں بکاولی اس مقام پر آ کر معہ اپنی سہیلیوں کے سیر کیا کرتی تھیں۔

۱۲۔ یہ مندر کہنہ گرد حوض کے بنے ہوئے ہیں۔

۱۳۔ یہ حوض نمبر ۶ سے دو ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔

۱۴۔ اس جگہ درخت املی و جامن و کیلا منزلوں تک لگے ہیں۔

۱۵۔ اس مقام پر قوم گونڈ آباد ہیں

۱۶۔ یہ ندی سوہن بھدر حوض نمبر ۱۳ سے نکل کر اشاراہ کلکتہ شہر کتانی میں جا کر مل گئی ہے۔

۱۷۔ یہ قلعہ خاص سکونت بکاؤلی ہے۔حوض سے بفاصلہ بارہ کوس کے واقع ہے۔اور راہ اس کی مکان نالہ کے نیچے ہوکر ہے۔اس مقام میں دلدل کی کچھ انتہا نہیں ہے۔دس بارہ کوس سے یہ قلعہ دکھلائی دیتا ہے اور شب و روز ایک دھواں اُٹھا کرتا ہے اور رات کو بہت روشنی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے کہیں دور آگ لگی ہوئی ہے......(الخ)

۱۸۔ یہ گڑھی حمالہ کی مشہور ہے اور حوض سے چھ کوس پر ہے۔اس جگہ سے سکونت قلعہ بکاولی چھ کوس رہ جاتی ہے ممکن نہیں ہے کہ بجز پرندے کے کوئی انسان وہاں جاسکے۔ہر طرف دلدل کوسوں چلا گیا ہے جس کی انتہا نہیں اور جنگل کیوڑا و کیتکی و سوسن و چنبیلی وغیرہ خوشبودار چیزوں کا لگا ہوا ہے اور جانور درندگزند سانپ، بچھو جونک اس قدر کثرت سے ہیں کہ پرند کی بھی گزر دشوار ہے چوں کہ بہ سبب دلدل کے کوئی جا نہیں سکتا ہے اس سبب سے اس کی انتہا معلوم نہیں ہوسکتی ہے کہ آیا یہ سب درخت کیچڑ پر قائم ہیں اور گڑھی حمالہ بھی دلدل میں ہے یا زمین پر۔اور زمین وہاں کی سخت ہے[۱]۔

''گل بکاولی'' کی اصل پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمان فتح پوری نے اپنی تصنیف اردو کی منظوم داستانوں میں محمد یعقوب کی تصنیف گلدستہ حیرت اور داروغہ میر قدرت علی کے نقشہ کی تفصیل لکھی ہے:

> ''گل بکاولی کی تاریخی حیثیت کے سلسلے میں سب سے زیادہ مفید کتاب گلدستۂ حیرت معروف بہ تواریخ بکاولی ہے اس کے مصنف کا نام محمد یعقوب ابن اکبر خاں لکھنوی ہے جنھوں نے محمد عبدالسمیع رئیس کاکوری سے حالات معلوم کر کے لکھے ہیں:
>
> ''بکاولی کے قلعے اور باغ کے آثار ناگپور کمشنری کے ضلع منڈا کی تحصیل رام گڑھ میں امر کنٹک نام کے جنگل میں موجود ہیں۔۱۸۷۲ء میں محکمہ جنگلات کے

۱۔ حیات اللہ انصاری۔رسالہ آج کل نئی دہلی، نومبر ۱۹۸۶ء ص (۱۵)

داروغہ میر قدرت علی نے اس جنگل کا جو نقشہ کھینچا تھا اس میں بکاولی کے باغ، قلعہ اور دوسری عمارتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کی نقل محمد یعقوب کی کتاب میں شامل ہے۔ اس کا بیان ہے کہ قلعہ بکاولی کے چاروں طرف نہایت گہری دلدل ہے۔ اس کے قرب و جوار میں عجیب قسم کی خوشبودار پھول ہیں جن کا عرق آنکھوں کے درد کو دُور کرتا ہے لیکن دلدل کی وجہ سے یہ پھول مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں اور قلعہ تک رسائی محال ہے''۔[1]

فرمان فتح پوری کا ماخذ مسعود حسن رضوی ادیب کے مضمون کے علاوہ ہے اس کے علاوہ انھوں نے فرہنگ آصفیہ کو بھی اپنا ماخذ بنایا ہے۔

گل بکاولی اصل یا حقیقت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے گیان چند جین لکھتے ہیں کہ یہ قصہ طرف افسانہ نہیں ہے اور نہ تاریخی حقیقت ہے بلکہ افسانہ اور تاریخ اس قصہ میں دھوپ چھاؤں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقتباس دیکھئے:

''یہ قصہ نہ محض افسانہ ہے نہ تاریخی واقعہ بلکہ دونوں کی دھوپ چھاؤں کے درمیان ہے۔ اس کے بارے میں سب سے پہلے محمد یعقوب ابن اکبر خاں لکھنوی نے گلدستہ حیرت معروف بہ تواریخ بکاولی میں درج کی ہیں۔ انھوں نے حالات محمد عبدالسمیع رئیس کاکوری سے سن کر لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۹۳ھ، ۱۸۷۶ء میں لکھنو سے شائع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ سید مسعود حسن رضوی کے پاس ہے اور دوسرا انڈیا آفس میں خان بہادر رحمٰن علی نے ۱۸۸۵ء، ۱۳۰۲ھ میں تواریخ بگھیلکھنڈ ترتیب دی''۔[2]

اس موضوع کی مزید تفصیل کے لئے حسب ذیل مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۔ گل بکاولی از محمد عبداللہ قریشی ''نقوش'' لاہور جون ۵۸ء بعد میں یہی مضمون نقوش کے ادب عالیہ نمبر اپریل ۶۰ء میں شامل ہوا۔

۲۔ قصہ گل بکاولی از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ آجکل اکتوبر ۶۰ء

---

[1] فرمان فتح پوری اردو کی منظوم داستانوں میں

[2] گیان چند جین اردو مثنوی شمالی ہند میں جلد دوم ص ۶۶ تا ۶۷

مقدمہ

(ج)

مذہب عشق کے مخطوطات

برصغیر کے کتب خانوں میں داستان مذہب عشق کے بلاشک وشبہ سینکڑوں مخطوطات مخزون ومحفوظ ہیں چونکہ میں اس داستان کو مرتب کررہی ہوں۔اسی وجہ سے میں نے ان تمام مخطوطات کی تفصیلات حاصل کیں اور ان مخطوطات کے علاوہ مطبوعہ نایاب نسخوں کی تفصیلات بھی اکھٹا کی ہے۔ان مطبوعہ نسخوں میں سے چند میرے پیش نظر بھی ہیں۔

مذہب عشق فورٹ ولیم کالج سے ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں شائع ہوئی۔ برصغیر کے کتب خانوں میں محفوظ تمام مخطوطات اسی مطبوعہ نسخہ کی نقلیں ہیں۔ میں نے مذہب عشق مرتب کرنے کی غرض سے ان لاتعداد مخطوطات ومطبوعات میں سے دونسخوں کو اساسی بنایا ہے پہلا نسخہ وہ ہے جو ۱۲۶۳ھ میں مطبع احمدی کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ یہ اشاعت مذہب عشق کے اس نسخہ کی عکسی اشاعت ہے جو فورٹ ولیم کالج سے ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔اس بنیادی نسخہ کے تقابل کی غرض سے میں نے دوسرا نسخہ وہ منتخب کیا ہے جو مطبع حیدری بمبئی سے ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔ ان کے علاوہ میرے پیش نظر کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو کے دو مخطوطات جن کا نمبر 96 اور 97 ہے اور سالار جنگ کے کتب خانہ کا ایک مخطوطہ نمبر ۲۴ کے ڈیجیٹل کاپی موجود ہیں۔ یہ نسخہ ۱۲۷۵ھ میں نقل ہوا ہے۔

مذہب عشق کے حسب ذیل مخطوطات برصغیر کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانے میں مذہب عشق کے چار مخطوطات محفوظ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مخطوطہ نمبر 96، اوراق 140، بطور فی صفحہ 13، تقطیع 8x5

خط نستعلیق جدول سنہری، عنوان اور اسماء سرخی ہیں

مولف: نہال چند لاہوری۔ سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ م ۱۸۰۳

کاتب : صاحب زادہ میر مظفر علی خاں

تاریخ کتابت: ۱۲۴۷ھ بہ مقام حیدر آباد

تاج الملوک و بکاولی کے قصے کو ۱۲۲۴ھ میں شیخ عزت اللہ بنگالی نے اپنے ایک عزیز دوست نذر محمد کی خاطر فارسی میں قلمبند کیا تھا۔ نہال چند لاہوری نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۲۱۷ھ میں اس کا اردو نثر میں ترجمہ کیا اور تاریخی نام مذہب عشق رکھا (۱)۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ (۲) اور مصنف کا احوال ارباب نثر اردو میں تفصیل سے درج ہے اس کے آخری حصہ میں غالباً کاتب نے اپنی طرف سے تھوڑی عبارت کا اضافہ کیا ہے جس کی تفصیل اس کے دوسرے نسخے کے تذکرے میں آئندہ صفحے پر درج ہے۔

یہ نسخہ حیدر آباد کے شاہی خاندان کے ایک علم دوست نے خاص اہتمام سے خود نقل کیا ہے اس لئے قابل قدر ہے۔

آغاز:

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول

کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

حمد وثنا کی ہمیشہ بہار کا گلستان باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرف بوستان جہاں نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و ظرافت بے اندازہ اس کے روضہ رضوان سے پائی ہے۔

اختتام:

شاید مصنف نے سنا سنایا لکھا ہے۔ واللہ اتنا فرق نہ ہوتا جس کو مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر اور شاہ جہاں نامے کو اس مقام جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔

ترقیمہ:

یہ کتاب گل بکاولی اختتام ہوئی بہ تاریخ چہارم ماہ صفر المظفر بہ روز پنجشنبہ ۱۲۴۷ھ بہ خط عاصی خاک پائے جہاں میر مظفر علی صاحب زادہ فرزند میر فتح اللہ خاں اسفند یار جنگ مرحوم نبیرہ میر محمد شریف خاں بسالت جنگ شجاع الملک بہادر مرحوم تحریر یافت۔

کتاب کے سرورق پر مظفر علی ۱۲۴۳ھ کی مہر ثبت ہے۔ یہ نسخہ مولوی میر محمد تقی (بی اے) کا عطیہ ہے۔ (۱)

(اجلداول ص ۱۱۵ سنہ اشاعت 1984ء)

مخطوطہ نمبر 97، اوراق 109، سطور فی صفحہ 13، تقطیع 1/2 8x5

خط: نستعلیق عنوانات سرخی میں

مولف: نہال چند لاہوری، سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء

کاتب: سید فدوی علی خاں سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ

یہ نسخہ نمبر ۹۴ کا دوسرا مخطوطہ اور اس سے ۲۳ سال قبل نقل کیا گیا ہے اس کے آخری حصے اور نسخہ نمبر ۹۶ کے آخری حصے میں جو فرق ہے وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

نسخہ (۹۶)

سب کے سب شاد ہوئے
اور بخوبی آباد ہوئے غرض
جس طرح دی انہوں کی مراد
ہماری بھی دے یا الٰہی مراد
ناظرین پر روشن ہوکہ تھوڑا
احوال شاہ جہاں کے بادشاہ
ہونے کا آخر کتاب میں تھا
مترجم نے اس کو معہ اس حکایت
کے اور جو اس کے مطابق تھی اس
واسطے ترجمہ نہ کیا کہ خلاف شاہ جہاں
نامے کے اس لیے شاید مصنف نے
سنا سنایا لکھا واللہ اتنا فرق نہ
ہوتا جس کو مفصل اس کا دریافت
کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو

اور شاہ جہاں نامے کے اس مقام
کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے

تمت تمام شد کہ یہ کتاب، گل بکاولی اختتام ہوئی۔

نسخہ (۹۷)

سب کے سب شاد ہوئے اور
بخوبی سب آباد ہوئے
در تاریخ قصہ مذہب عشق یہ
قصہ ہوا جب بخوبی تمام
تو پھر فکر تاریخ تھی صبح و شام
اچانک سنی میں نے آواز غیب
کہ ہے مذہب عشق تاریخ و نام
ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک زباں
کرے عیسوی سال کو بھی عیاں
تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
کرے شرب جام گر اختیار
توراز نہاں اس پہ ہو آشکار

آغاز:

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

گلستاں ہمیشہ بہار حمد وثنا کا باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب ورنگ تازہ اور لطافت بے اندازہ اس کے روضہ ورضوان سے پائی۔

اختتام:

اوپر درج ہوچکا ہے (2)

ترقیمہ:

''نسخہ مذہب عشق معروف بہ گل بکاولی تصنیف سید منیر علی خاں المتخلص افسوس، در دیباچہ نام مصنف نہال چند لاہوری است۔ راقم اس قصے کا سید فدوی علی خاں بخش دیوے خدا اس کے گناہوں کو ہیچ تاریخ غزہ شعبان المعظم سنہ بارا سوا یکاون ہجری نبوی کا یہ قصہ بحر انصرام پایا۔ اگرچہ تحریر سے اس قصے کے چنداں خواہش نہ تھی بلکہ تضیع اوقات کیا اس واسطے کہ اگر کوئی کتاب دین وحکمت کی لکھتا تو برادران دینی کو اس سے فائدہ ہوتا اور آپ جنات میں داخل ہوتا۔ اب نظر برآں کہ کتاب خانے میں عاصی کے کتنے جلد قصہ پائے تعشق انگیز عشاقاں سلف کے فراہم کئے ہوئے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کے موجود ہیں۔ یہ بھی اگر شریک ان میں ہو تو بہتر ہے۔ اس لئے محنت تحریر اپنے پر گوارا کر کر یہ جلدی ترقیم کیا باللہ التوفیق۔''

آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر ''مصدر الطاف وعنایت حسین'' ثبت ہے یہ نسخہ ان ہی کا عطیہ ہے۔(3)

مخطوطہ نمبر 261

اوراق:	92
سطور فی صفحہ:	18
تقطیع:	10 1/2 x 6 1/2
خط:	نستعلیق
مصنف:	نہال چند لاہوری سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ کا
کاتب:	محمد عمر سنہ کتابت ۱۲۵۸ بہ مقام مچھلی بندر

یہ نہال چند لاہوری کے ترجمہ قصہ گل بکاولی کا ایک مکمل نسخہ ہے اور اردو نثر کی یہ کتاب فورٹ ولیم کالج میں لکھوائی گئی تھی اور اس کے دور اور نسخے مکتوبہ (۱۲۵۱، ۱۲۷۴ھ کذا ۱۲۷۴ ہجری) ادارے میں محفوظ ہیں۔ جن کا ذکر اس تذکرے کے صفحات ۱۱۵۔ ۱۱۶ پر درج ہوچکا ہے۔ اس لئے مزید تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ اس

نسخے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف سے چالیس پچاس سال بعد بھی اس کتاب کو انگریزوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

آغاز:

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول

کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

گلستان حمد وثنا کی ہمیشہ بہار کا باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب ورنگ تازہ اور لطافت وطراوت بے اندازہ اس کے روضہ رضواں سے پائی۔

اختتام:

ولاّ اتنا فرق نہ ہوتا جس کو مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو شاہ جہاں نامے کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔

ترقیمہ:

یہ کتاب ترجمہ بکاولی مذہب عشق نام، ہفتے کے روز تین پہر کے وقت انتیسویں جمادی الاول کی ۱۲۵۸ ہجری مطابق گیارہویں جولائی کی ۱۸۴۲ عیسوی میں عاصی کم تر خاک پائے منشیان قدیم وجدید منشی محمد عمر ولد عبدالرحمان دیس ڈیوٹی کے ہاتھ سے شہر مچھلی بندر کے درمیان انگریز پالم کے بیچ تحریر پائی۔

اس نسخے کے ابتدائی اور آخری اوراق پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر منور علی ۱۲۵۸ کندہ ہے اور سرورق پر ایک انگریز ''جورج فلپ مزو'' نے اردو میں سرخ روشنائی میں دستخط کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اس کی ملک تھا اور غالبًا اسی کی تعلیم کی خاطر نقل کیا گیا ہے۔

سرورق پر جو عبارت درج کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۳ مطابق ۱۲۱۸ میں کلکتے کے ہندوستانی چھاپے خانے میں چھاپی گئی تھی۔ (4)

کتب خانہ سالار جنگ میں مذہب عشق کے حسب ذیل دو قلمی نسخے موجود ہیں۔

کتاب نمبر (۲۴)

صفحہ: ۴۷۶

سطر: ۱۱

خط: نستعلیق

کاغذ: دیسی جدول مطلا و مذہب

مترجم: نہال چند لاہوری

تاریخ ترجمہ: ۱۲۱۷

کتابت: ۱۲۷۵ھ

اگرچہ نہال چند کے نام کے ساتھ لاہوری کی نسبت ہوتی ہے مگر ان کا اور ان کے اجداد کا وطن دہلی تھا۔ دہلی کے بعد پھر لاہور چلے گئے۔ اس لئے لاہوری مشہور ہو گئے۔ فورٹ ولیم کالج کے مترجمین میں شامل ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ انہوں نے صرف ایک ہی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جو مذہب عشق یا گل بکاولی ہے۔ ان کے حالات ارباب نثر اردو میں درج ہیں۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش سے کیا گیا ہے کلکتہ میں۔

آغاز:

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کی دل کا وہ مقبول

حمد و ثنا کی ہمیشہ بہار کا گلستان باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ انہوں نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و طراوت بے اندازہ اس کی روضہ رضوان سے پائی۔ گل بکاولی کی داستان بھی ایک مشہور افسانہ ہے۔ اس کے صراحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس میں (۴۱) تصاویر دکن اسکول کی شامل ہیں۔

اختتام:

ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک زباں
کریں عیسوی سال کو بھی بیاں
تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ

کرے مشرب جام کو اختیار
تو راز نہاں اس پہ ہو آشکار

خاتمہ:

تمت تمام شدکار من نظام شد
کتاب مذہب عشق معروف بہ

گل بکاولی بپاس خاطر راجہ صاحب والامناقب راجہ درگا پرساد بہادر بتاریخ پنجم ماہ رجب ۱۲۷۵ھ روز پنجشنبہ بخط بے ربط عاصی منسارام یکی از ملازماں خاص بمقام بلدہ فرخندہ حیدرآباد صورت اختتام پذیرفت(5)

نمبر(۲۳)

صفحہ: ۲۶۷

سطر: ۱۰

خط: نستعلیق

کاغذ: دیسی

کتابت: ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء

آغاز:

کہتے ہیں کہ مشرق کہ شہروں میں سے کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا۔ زین الملک اس کا جیسے ماہ منیر عدل و انصاف اور شجاعت وسخاوت میں بے نظیر اس کے چار بیٹے تھے ہر ایک علم وفضل میں علامہ زماں جواں مردی میں رستم دوراں۔ خدا کی قدرت کاملہ سے ایک اور آفتاب کی طرح جہاں کا روشن کرنے والا اور چودھویں رات کے چاند کی مانند دنیا کے اندھیرے ہارا پیدا ہوا۔

بگل بکاولی ایک مشہور قصہ ہے اس لئے اس داستان کی صراحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اس قصہ کو زمانہ مابعد میں محسن میاں ظریف تخلص اور ییجنل تھیٹریکل کے ڈرامہ نگار نے اسٹیج پراس کو ڈرامہ کی صورت دی تھی۔

اختتام:

الحمدللہ خدا کے فضل سے سب شاد ہوئے اور بخوبی آباد ہوئے

اس طرح انہوں کی مراد پہنچے ہماری بھی دے یاالٰہی مراد۔ (6)

کتب خانہ آصفیہ میں مذہب عشق کے دو مخطوطات محفوظ ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

کتاب نمبر(1013) جدید

سائز:	6x3-4-8
صفحہ:	(172)
خط:	نستعلیق
مصنف ء	نہال چندلاہوری
تاریخ تصنیف:	۱۲۱۷ھ
تاریخ کتابت:	۱۱جمادی الاول ۱۲۴۱ھ

نہال چند کے اجداد دہلی میں رہا کرتے تھے۔مگر پھر لاہور چلے گئے۔

ان کے تفصیلی حالات ہمدست نہیں ہوئے۔فورٹ ولیم کے ترجموں میں یہ بھی شامل تھے۔ان کی کتاب مذہب عشق جو گل بکاولی سے بھی موسوم ہے اردو کے نثری داستانوں میں مشہور ہے۔

آغاز:

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول

کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

حمد وثنا کے ہمیشہ بہار باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ شیخ عزت اللہ بنگالی کے مصنفہ فارسی زبان میں قصہ تاج الملوک بکاولی کو حسب فرمائش جان گلکرسٹ صاحب بہادر بعہد مارکوئس ولزلی گورنر جنرل ہندوستان زبان ریختہ نہال چند لاہوری نے ترجمہ کر کے اس کا نام مذہب عشق رکھا جس سے ۱۲۱۷ھ تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

(کہ ہے مذہب عشق تاریخ نام)

اختتام:

کرے مشرب جام کو اختیار تو راز نہاں اس سے

ترقیمہ:

بتاریخ یازدہم جمادی الاول بروز پنجشنبہ ۱۲۴۱ ہجری از دست عاصی پر معاصی خواجہ معین الدین اختتام وانصرام یافت یہ نسخہ نہایت کرم خوردہ ہے۔

یہ کتاب شائع ہوگئی اور اس کے قلمی نسخے بھی ہم دست ہوئے ہیں چنانچہ کتب خانہ سالار جنگ اور کتب خانہ ادبیات اردو میں اس کے نسخے موجود ہیں(7)

کتب خانہ آصفیہ میں مذہب عشق کا دوسرا مخطوطہ نمبر 318 پر موجود ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کتاب نمبر(3418) جدید

سطر: (10)

سائز: (9x4 1/4انچ)

صفحہ: (312)

خط: نستعلیق ناقص الاول وناقص الآخر

آغاز:

حالات سے حیران۔دل میں سوچا کہ......حوض میں غوطہ مارے۔الخ''

اختتام:

مگر کبھی کبھی بڑھیا نے کہا بیٹا کیا مظائقہ......شاہ زادے نے''(8)

محبوب علی (حیدرآباد دکن) کے نجی کتب خانہ میں مذہب عشق کا ایک مخطوطہ محفوظ ہے۔کتب خانہ کی فہرست میں ''گل بکاولی'' کے نام سے ایک قصے کا اندراج ملتا ہے۔قیاس ہے کہ یہ مذہب عشق کا مخطوطہ ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

صفحات: ۱۷۶

سائز:	7x9 3/4 نستعلیق خام

مکتوبہ:	۱۲۳۹ھ(9)

کتب خانہ نواب فیلسوف جنگ حیدر آباد دکن کے نجی کتب خانہ میں مذہب عشق کا ایک مخطوطہ ملتا ہے جو حسب ذیل ہے:

فہرست نمبر:	۴۶۳۹

مکتوبہ:	۱۲۶۱ھ

فہرست میں نام ''قصہ بکاولی'' اور مصنف کا نام شیخ عزت اللہ بنگالی لکھا ہے۔ زبان اردو بتائی ہے۔ اس لئے یہ ''مذہب عشق'' ہی کا مخطوطہ ہوسکتا ہے (10)

کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں مذہب عشق کا ایک مخطوطہ مخزون ہے جو 1237 ہجری مطابق 1822 میں فورٹ ولیم کالج کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

مذہب عشق (UM47) مصنف نہال چند سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ ۳۔۲۔۱۸ء

صفحات ۳۔۲ سطریں ۱۳، خط نستعلیق سائز 11x8 کتابت ۱۲۳۷ ہجری منشی نہال چند فورٹ ولیم کالج کے مشہور مصنفین میں سے ایک تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے مفصل حالات نہیں ملے۔ اردو نثر کی تاریخوں میں یا مذہب عشق کی تمہید میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اور ان کے آباو اجداد کا وطن شاہ جہاں آباد (دہلی) تھا۔ دہلی کی تباہی کے بعد جہاں دوسرے ادیب اور شاعر ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئے وہاں انہیں بھی دہلی چھوڑ کر لاہور میں توطن اختیار کرنا پڑا اور لاہوری کہلائے۔

منشی نہال چند کے ایک انگریز کپتان ڈیوڈ رابرٹ سے قدیمی تعلقات تھے ان ہی کی وساطت سے وہ جان گل کرائسٹ کی خدمت میں پہنچے اور ان ہی کے کہنے پر منشی نہال چند نے ۳۔۲۔۱۸/۱۲۱۷ھ میں یہ کتاب لکھی اور اس کا نام مذہب عشق رکھا۔

مذہب عشق کی تمہید میں خود مصنف نے یہ تفصیلات بیان کی ہیں۔ مذہب عشق دراصل شیخ عزت اللہ بنگالی کی ایک فارسی تالیف کا اردو ترجمہ ہے۔ شیخ نے اپنے ایک عزیز دوست کے کہنے پر ۱۷۱۲ء/۱۱۴۲ھ میں یہ قصہ تصنیف کیا تھا اور اپنے دوست کے قضاء کر جانے پر یہ بطور یادگار رکھ کر چھوڑا تھا۔ قصہ کا موضوع بکاولی اور

تاج الملوک کی داستان حسن وعشق ہے۔کتاب کے اختتام سے پہلے دوقطعات دیئے ہیں ایک سے سنہ ہجری ۱۲۱۷ نکلتا ہےاور دوسرے سے سنہ عیسوی ۱۸۰۳

ابتداء:

''الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول

کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول''

حمد وثناء کی ہمیشہ بہار گلستان کے باغبان حقیقی کوسزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان نے جہاں آب ورنگ تازہ لطاقت وطراوت بے اندازہ اس کے روضہ رضوٰان سے پائی......''

خاتمہ:

اس واسطے ترجمہ نہ کیا کہ وہ خلاف شاہجہاں نامہ کے نکلا،شاید مصنف نے سنا سنایا لکھا ولاّ اتنا فرق نہ ہوتا جس کو مفصل حال اس کا دریافت کرنا ہووہ اس اصل کتاب کے آخر کواور شاہجہاں نامے کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرنا والسلام''

ترقیمہ:

کاتب الحروف سید غلام محی الدین ولد قاضی سید گل مرحوم ومغفور ساکن قصبہ اوکلیر یہ سرکار بڑوچ مضاف صوبہ احمد آباد۔تحریر فی التاریخ پانزدہم شہر شوال المکرّم سنہ ۱۲۳۷ھ ایک ہزار دوصدسی وہفت۔

کاتب خاک پائے محی الدین

یاد گار سے نوشت ازقلمیں

یہ کتاب سنہ ۱۲۱۸ ہجری مطابق سنہ ۱۸۰۳ عیسوی میں ہندوستانی چھاپہ خانہ کلکتہ سے شائع ہوچکی ہے۔ چنانچہ یہ مخطوطہ اسی مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے۔(11)

کتب خانہ خدابخش میں مذہب عشق کے چھ مخطوطات محفوظ ہیں جس کی تصحیح میر شیر افسوس نے کی تھی۔ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

سلسلہ وار نمبر: ۱۳۰

پروگریس نمبر: ۳۶۵۵۲

تعداداوراق: ۱۰۷

سطور: (۱۵)

خط: لامعلوم

کیفیت: ناقص الاول قصہ گل بکاولی میر شیر علی افسوس۔مشکل الحصول نسخہ ہے۔(12)

سلسلہ وار نمبر: ۱۳۲

پروگریس نمبر: ۶۳۴۱

تعداداوراق: ۱۳۸

سطور: ۱۱

نام مصنف: نہال چند لاہوری خط لامعلوم

کاتب: منشی لال

سنہ کتابت: ۱۲۴۸ف

کیفیت: ناقص الاول قصہ گل بکاولی میر شیر علی افسوس۔مشکل الحصول نسخہ ہے۔(13)

سلسلہ وار نمبر: ۱۳۳

پروگریس نمبر: ۶۳۸۷

تعداداوراق: ۷۱

سطور: مختلف

نام مصنف: نہال چند لاہوری

خط: لامعلوم

نام کاتب: راجہ رام

سنہ کتابت: ۱۲۴۲ف

یہ نسخہ ۷۱ اوراق پر محورہ ہے۔ بقیہ ۲۳ اوراق پر مختلف غیر مربوط مضامین اور اردو فارسی کے اشعار وغیرہ ہیں(14)

سلسلہ وار نمبر: ۱۳۴

پروگریس نمبر: ۶۴۳۳

تعداد اوراق: ۷۶

سطور: ۱۴-۱۳

نام مصنف: رام سہائے

سنہ کتابت: ۱۸۳۴ ع

کیفیت:

یہ نسخہ ۷۶ اوراق پر محورہ ہے بقیہ ۶۹ اوراق پر مثنوی سحر البیان کا ایک ناقص نسخہ مکتوبہ ہے۔ دونوں ایک ساتھ مجلد ہیں۔(15)

سلسلہ وار نمبر: ۱۳۵

پروگریس نمبر: ۳۰۶۷۸

تعداد اوراق: ۶۹

سطور: ۱۹-۱۸

نام مصنف: نہال چند لاہوری

خط: لامعلوم

نام کاتب: جگن لال

سنہ کتابت: ۱۲۳۸ھ

کیفیت: کرم خوردہ(16)

سلسلہ وار نمبر: ۱۳۶ پروگریس نمبر ۳۶۵۴۱

تعداد اوراق: ۱۰۴

نام مصنف ء نہال چند لاہوری خط لامعلوم

کیفیت: بعض اوراق کرم خوردہ ہیں مگر مکمل نسخہ ہے۔(17)

کتب خانہ اہل اسلام مدراس میں ''مذہب عشق'' کے دو نسخے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

فہرست نمبر: ۲۵۴۲ عطیہ سالار الملک بہادر

(مطبوعہ فہرست ص ۲۴)

فہرست نمبر: ۲۵۴۳ (18)

ایشیا ٹک سوسائٹی لائبریری۔کلکتہ میں مذہب عشق کا ایک مخطوطہ موجود ہے تفصیل یہ ہے:۔

فہرست نمبر: ۱۰۶ لائبریری نمبر ۱۱۹ (19)

انجمن ترقی اردو ہند کے کتب خانے میں مذہب عشق کے پانچ نسخے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

1۔فہرست نمبر ۷۳۵ مکتوبہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

2۔فہرست نمبر ۷۳۶ (ایضاً ص ۱۷۸)

3۔فہرست نمبر ۷۳۷ (ایضاً ص ۱۷۸)

4۔فہرست نمبر ۷۳۸ (مکتوبہ ۱۸۴۱ء، (ایضاً ص ۱۷۸)

5۔فہرست نمبر ۷۳۹ (ایضاً ص ۱۷۸)(20)

پاکستان کے کتب خانوں میں مذہب عشق کے مخزونہ مخطوطات:

کتب خانہ: قومی عجائب گھر، کراچی۔نمبر ۲۸/۳۲ ھ سائز: ۱۸x۲۳ س م

اوراق: ۸۲

سطور: ۱۳

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء (رک: اختتام)

کاتب: محمد اطہر علی خاں

تاریخ کتابت: ۷ جمادی الثانی ۱۲۴۶ھ (م: ۲۳ نومبر ۱۸۳۰ء)

خط: نستعلیق، معمولی۔

کیفیت: نسخہ اچھی حالت میں ہے۔ جلد سازی ماضی قریب میں ہوئی ہے ہر ورق پر بٹر پیپر چسپاں کیا گیا ہے۔ کاغذ دبیز، بادامی رنگ کا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

گلستان حمد وثناء کی ہمیشہ بہار باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب و رنگ تازہ اور لطافت وطراوت بے اندازہ اس کے روضۂ رضوان سے پائی۔ پھولوں کی بہار میں اور زیبا عروسوں کے نقش و نگار میں اس کے نور کی تجلی سمائی۔ خانہ خشک مغز کا کیا مقدور اور کتنی طاقت کہ اس کی حمد وثنائی کی تحریر کے عہدہ سے نکلے اور جو حق لکھنے کا ہے لکھ سکے''۔

اختتام:

''یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
تو پھر فکر تاریخ تھی صبح و شام
اچانک سنی میں نے آواز غیب
کہ ہے مذہب عشق تاریخ و نام
ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک زباں
کرے عیسوی سال کو بھی بیاں
تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
کرے مشرب جام گر اختیار
تو راز نہاں (اس پہ) ہو آشکار''

مذہب عشق = ۱۲۱۷+۵۸۶ (مشرب جام = ۱۸۰۳ء)

ترقیمہ: تمت تمام شد بتاریخ ہفتم شہر جمادی الثانی، ۱۲۴۶ ہجری

۳۰۰ قصہ گل بکاولی از خط خام نحیف محمد اطہر علی خاں

صورت تحریر یافت:

نوشتہ   بماند   سیہ   بر سپید

نوپسندہ   راہ   نیست   فرد   امید

تمت تمام شد''

کتب خانہ اردو بورڈ، کراچی۔ نمبر ۲۷۹۳ (داخلہ)

سائز: ۱/۲ ۲۵x۱۶ س م

اوراق: ۹۶

سطور: ۱۵

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء

کاتب: ارشاد علی

خط: نستعلیق، عمدہ

تاریخ کتابت: ۱۶ جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ (م: ۱۷ ستمبر ۱۸۳۷ء)

کیفیت: مخطوطہ ناقص الاول ہے۔ ہر صفحے پر سرخ جدولیں ہیں۔ کاغذ باریک مٹیالا۔ حال ہی میں جلد سازی ہوئی ہے۔ ہر ورق بٹر پیپر کے اندر رکھا گیا ہے۔ (بٹر پیپر کو اوراق پر چسپاں نہیں کیا گیا) ورق ۹۶، ب سادہ ہے۔

آغاز:

لطافت وطراوت بے اندازہ اوس کے روضۂ رضواں سے پائی......''

(آگے مطابق مخطوطہ نمبر ۱۶۷)

اختتام:

قارئین پر روشن ہو کہ تھوڑا سا احوال شاہجہان بادشاہ کا آخر کتاب میں تھا۔ مترجم نے اوس کو معہ اوس حکایت کے جو اس کے مطابق تھی، اس واسطے ترجمہ نہ کیا کہ وہ خلاف شاہجہاں نامہ کے نکلا۔ شاید مصنف نے سنا سنایا لکھا تھا۔ والا اتنا (کذا) فرق نہ ہوتا جس کو مفصل اوس کو دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو اور شاہجہاں نامہ میں کہ جوں کا توں لکھا ہوا ہے اور فی الحقیقت من وعن احوال ہے ملاحظہ کر لے''۔

ترقیمہ: تمت تمام شد، کار من نظام شد، بدستخط بے ربط احقر العباد ازلی، خاکسار ارشاد علی عفی عنہ۔ برائے خاطر داشت لالہ سکھ باشی لعل صاحب زید اللہ قدرۃ وحشمتہ۔ بتاریخ شانز دہم جمادی الثانی ۱۲۵۳ ہجری مطابق مئی اسوج بدی تیج ۳ سمت کے ۱۸۹۔ در بلدہ کمھیر بمکان لالہ رتن لال صاحب صورت اختتام یافت:

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہ گارم

بیت:

الٰہی بیا مرزایں ہر سہ را
نو یسندہ گوینده خوائندہ را
تمت تمام شد''

خصوصیات: کتابت کی اغلاط خاصی ہیں۔ شروع کا صرف ایک ورق کم ہے اور اس پر بھی صرف چند سطریں تھیں۔

کتب خانہ: قومی عجائب گھر، کراچی نمبر: ۱۹۶۱ء۱۴۲۰

سائز:	۱۸x۱۲½ س م
اوراق:	۴۸
سطور:	۹
سال تصنیف:	۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء
زمانہ کتابت:	۱۲۷۱ھ (م: ۵۵-۱۸۵۴ء) سے چند برس قبل (رک: کیفیت)

خط: نستعلیق، معمولی

کیفیت: مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ بحالت۔ موجودہ متن اصل کے پانچویں حصے سے بھی کچھ کم ہے۔ نسخہ خاصی بوسیدہ وخستہ حالت میں ہے۔ کاغذ ولایتی، دبیز، زردی مائل۔ بعض اوراق پر آبی نشان موجود ہے، جس میں تاج کی شبیہ ہے اور لفظ Turk لکھا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔ متعدد اوراق پر Woocks نامی کسی شخص کے انگریزی میں دستخط ہیں، جس سے واضح ہے کہ یہ مخطوطہ اس شخص کے زیر مطالعہ رہا ہے۔ ورق ۴۲، ب کے اوپر کے دائیں ہاتھ کے کونے میں کسی نے سنہ ۱۲۷۱ھ لکھا ہے۔ قیاس ہے کہ مخطوطے کی کتابت اس سے چند برس پیشتر ہوئی ہوگی۔

آغاز: مطابق مخطوطہ نمبر ۱۶۷۔ (بعض الفاظ کیرم خوردگی کی وجہ سے ضائع ہوگئے ہیں۔

اختتام: از بسکہ اس طرح کے کھانے......اس نے کبھی نہ چکھے تھے۔

مارے......اچھل اچھل کر کھاتا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ آ......کی توجہ......تو نے مجھے ایسی مزیدار چیز کھلائی آپ کہ میرے باپ دادا نے بھی کبھی نہ کھائی۔ بلکہ کسی دیو نے آج تک ایسے طعام کی لذت نہیں چکھی تھی لیکن اس روٹی کے ٹکڑے کا احسان...... مانوں گا اور دل سے تیرا ممنون رہوں گا۔ شہزادے نے جو اس کی''۔

کتب خانہ: قومی عجائب گھر، کراچی نمبر: ۶۵۴/۴، ۱۹۵۷

سائز: ۱۹x۲۸½ س م

اوراق: ۴۱

سطور: ۱۷

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء

کاتب: سدانند

تاریخ کتابت: ۱۶ رمضان ۱۲۶۱ھ/۱۳ جنوری، ۱۸۴۶

خط: نستعلیق، معمولی

کیفیت: یہ نسخہ غیر مجلد، کرم خوردہ، دریدہ اور نہایت بوسیدہ حالت میں ہے۔ ناقص الاول ہے اور آخر میں قطعۂ تاریخ کے بعد کی وہ عبارت بھی نہیں ہے جو مخطوطہ نمبر ۱۶۸ کے اختتام کے اقتباس کے طور پر درج کی گئی

ہے۔عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔کہیں کہیں کاتب عنوانات لکھنا بھول بھی گیا ہے۔ایسے عنوانات بعد میں حواشی پر اضافہ کئے گئے ہیں۔اس قسم کے اضافے متن کے کاتب کے قلم سے نہیں ہیں۔

''جو اتنے میں آجائے ان کو ......
تو دل کا نگر ...... زیر و زبر
خط سبز چھرے پہ تھا اس کے یوں
ہو قرآن پر جدول نیل جوں
اگر لعل کی رگ سے ہووے قلم
تو سرخی لبوں کی کروں کچھ رقم''

اختتام: مطابق مخطوطہ نمبر ۱۶۷ با اختلافات۔ذیل:

شعرا۔مصرع۲ تو تھی فکر تاریخ کی صبح و شام
شعر۵۔مصرع۱ سہو کتابت سے شربت، بجائے مشرب
مصرع۲ ''رازے نہاں'' بجائے ''راز نہاں''

ترقیمہ: فقط تمام شد، کار من نظام شد۔تمام گردید قصہ گل بکاولی (در) علا سلطنت ......حضرت ظل سبحانی، خلیفۃ الرحمانی، بہادر شاہ بادشاہ غازی، تحریر بتاریخ ۱۶ رمضان المبارک سنہ ۱۲۶۱ ہجری و مطابق ۱۳ جنوری، سنہ ۱۸۴۶ء و مطابق ......صدی ......سمت ۱۹۰۲ بروز سہ شنبہ بوقت یک پاس شب برآمدہ بر بالا خانہ۔بدستخط خام عاصی پر معاصی نیاز مند سدانند برائے خاطر دوست عزیز از جاناں کدار ناتھ و جگن ناتھ و جوالا ناتھ و برائے خواندن خود بمقام دہلی در ہنگام امید پرورش صورت اختتام یافت۔اگر کسے دعویٰ گرفتن کند در محفل ہم سراں کاذب و باطل گردد۔فقط''۔

کتب خانہ: قومی عجائب گھر، کراچی نمبر: ۱۴۱۹ء۱۹۶۱

اوراق: ۱۰۸
سطور: ۱۱
سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء

زمانہ، کتابت: تیرہویں صدی ہجری کا ربع سوم (قیاساً)

خط: نستعلیق معمولی

مہر: ورق ۶۴، ب اور ۶۵، الف پر ابھرے ہوئے نقوش کی ایک مہر ہے جس میں بیل دار حاشیوں کے درمیان سنہ۱۸۵۴ء انگریزی ہندسوں میں لکھا ہے۔

کیفیت: کاغذ دبیز، مٹیالا۔ ورق ۱۰۷، ب پر ذیل کی دو یادداشتیں درج ہیں۔

۱۔ بعد (رقمی ہندسوں میں: ۹) سکہ حالی مقام سرورنگر

۲۔ بتاریخ ۲۰ شوال سنہ ۳۴ھ کو جناب حسین علی صاحب ملازم کوتوالی ہوئے۔

یہ تحریر زیادہ پرانی نہیں ہے اس لئے یہ سنہ ۱۳۳۴ھ ہی ہوسکتا ہے۔(21)

کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی نمبر ۳/۱۴

سائز نمبر ۲/۱۴x۲۴/۱ ۲/۱۶ س م

اوراق: ۱۰۰

سطور: ۱۵

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء

زمانہ کتابت: تیرہویں صدی ہجری کا ربع آخر (قیاساً)

خط: نستعلیق، معمولی

کیفیت: نسخہ کرم خوردہ ہے۔ پشتے کو چھوڑ کر باقی تینوں طرف سے اوراق دریدہ ہیں۔ کاغذ باریک، مٹیالا۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔ متن کا آغاز ورق ۲، ب سے ہوتا ہے۔ ورق ۱، الف و ب اور ۲، الف پر پہیلیاں ہیں جو ورق ۵، الف کے حواشی تک لکھی گئی ہیں۔ ان پہیلیوں کی تعداد ۶۳ ہے۔ آگے بھی بعض اوراق کے حواشی پر فارسی اشعار یا دواؤں کے نسخے وغیرہ لکھے ہیں۔ متن ورق ۱۰۰، الف پر ختم ہوتا ہے۔ اس صفحے پر کچھ سادہ جگہ رہ گئی تھی، اس پر بھی ایک دوا کا نسخہ درج ہے۔ ورق ۱۰۰، ب پر ایک نامکمل فارسی خط ہے۔

آغاز: مطابق مخطوطہ نمبر ۱۶۷۔ اس اختلاف کے ساتھ کہ ''اس کے نور'' کی بجائے ''اسی کے نور'' لکھا ہے۔

اختتام: فی الفور اس کو متصل اپنی دولت سرا کے نہایت آراستگی کے ساتھ قائم کروا کر روح افزا و بہرام کے حوالے کیا۔ الحمدللہ خدا کے فضل سے سب شاد ہوئے اور بخوبی آباد ہوئے۔ شعر:

غرض جس طرح دی انہوں کی مراد
ہماری بھی دے یاالٰہی مراد'

کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی نمبر: ۱۵/۳۰

سائز:	۲۲۱/۴ x ۱۴۱/۴ س م
اوراق:	۹۲
سطور:	۱۴
سال تصنیف:	۱۲۱۷ھ م ۱۸۰۳ء
کاتب:	موتی لعل ولد رائے نند لعل منشی۔
تاریخ کتابت:	۲ جمادی الاول۔ ۱۲۵۹ھ (م: ۳۱ مئی، ۱۸۴۳ء)
خط:	نستعلیق، معمولی

کیفیت: یہ نسخہ غیر مجلد، کرم خوردہ، آب رسیدہ ہے اور نہایت بوسیدہ وخستہ حالت میں ہے۔ آب رسیدگی کی وجہ سے بعض صفحات پر روشنائی پھیل گئی ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔ کاغذ دبیز، مٹیالا ہے۔ متن ورق ۴، ب سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کے اوراق پر کچھ آیتیں اور فارسی اشعار ہیں۔

متن ورق ۸۸، ب پر ختم ہوتا ہے، اس کے بعد کے اوراق پر دواؤں کے نسخے، دعائیں اور تعویذ وغیرہ درج ہیں۔

آغاز: مطابق مخطوطہ نمبر ۱۶۷ ا بہ اختلافات ذیل:

''لطافت اور طراوت'' بجائے لطافت وطراوت
''رضوا'' (سو کتابت) بجائے ''رضوان''
''اسی کے نور'' بجائے اس کے نور''

اختتام: مطابق مخطوطہ نمبر ۱۶۷ ا بہ اختلافات۔ ذیل:

دوسرے شعر کے بعد یہ عنوان زائد ہے: ''تاریخ سن عیسوین''

تیسرا شعر یوں:

ہوئی پھر یہ خواہش کلک و زبان (کذا)
کریں عیسوی سال کو بھی بیاں

چوتھے شعر کا دوسرا مصرع سہو کتاب سے یوں ہے:

ترقیمہ: ایں کتاب بتاریخ دوم جمادی الاول ۱۲۴۹ ہجری روز پنجشنبہ بخط احقر موتی لعل ولد رائے نندلال منشی اختتام یافت۔ در بلدۂ فرخندہ بنیاد در عہد نواب ناصر الدولہ بہادر ولد سکندر جاہ بہادر نوشتہ بماند''۔

کتب خانہ: انجمن ترقی اردو، کراچی۔ نمبر ۱تا ۱۲/۳

سائز:	۲۰x۱۳ س م
اوراق:	۸۰
سطور:	۱۴
سال تصنیف:	۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء
تاریخ کتابت:	۲۹ ربیع الاول ۱۲۴۶ھ (م: ۷ استمبر، ۱۸۳۰ء)
خط:	نستعلیق، معمولی۔

کیفیت: نسخہ کرم خوردہ ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔ کاغذ دبیز، مٹیالا متن کا آغاز ورق، ب سے ہوتا ہے۔ مہر: ورق ۱، الف پر ایک مہر ثبت تھی جس پر سیاہی پھیر دی گئی ہے۔

آغاز:

ترجمہ گل بکاولی کا مدرسہ کے لئے عہد میں زبدۂ نوئینان عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان مارکویس ولزلی گورنر (کذا) جنرل بہادر دام ظلہ کے حکم سے خداوند نعمت جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام مشمۃ کے ترجمہ کیا ہوا منشی نہال چند کا:

کب ہوسکے مقابل کیا سنہ ہے انوری کا
پایہ بلند ہیگا یہ اپنی شاعری کا

اختتام: مطابق مخطوعہ نمبر ۱۶۸ ا بہ اختلافات ذیل:

شاہ جہاں بادشاہ ہونے'' بجائے'' شاہجہاں کے بادشاہ ہونے''

''مع اوس حکایت کے'' بجائے ''مع حکایت کے''

ترقیمہ: بفضلہٖ وکمال کمرہ ایں کتاب مذہب عشق المعروف بہ گل بکاولی بروز سہ شنبہ بتاریخ بست ونہم ۲۹ مسافر ربیع الاول، سنہ ۱۲۴۶ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

باتمام رسید:

من نوشتم انچہ دیدم درکتاب
عاقبت واللہ اعلم بالصواب
ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زاں کہ من بندۂ گنہ گارم''

کتب خانہ: انجمن ترقی اردو، کراچی۔ نمبر: ۱۳/۳

سائز:	۲۳x۱۴۱/۲ ۱۴ س م
اوراق:	۱۲۴
سطور:	۱۲
سال تصنیف:	۱۲۱۷ھ/۳۔۱۸۰۲ء
کاتب:	میر ولایت علی ولد میر رستم علی۔
خط:	نستعلیق، شکستہ مائل، معمولی۔

کیفیت: غیر مجلّہ، قدرے کرم خوردہ، آب رسیدہ۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔

آغاز: حمد وثنا کی تحریر کے عہدے سے نکلے اور جوحق لکھنے کا ہے لکھے۔ بیت

ہر ایک پتی سے گل کی بو عیاں کی
وہی علت ہے بلبل کی فغاں کی
بندھے منہ غنچہ رہتا ہے چمن میں
اسی کا نام جپتا ہے دہن میں

اختتام: مطابق مخطوطہ ۱۶۸ بہ اختلافات ذیل:

ناظرین پر......شاہجہاں کے بادشاہ ہونے کا آخر جو اسی کے ......ترجمہ (کذا)......والا اتنا فرق نہ ہو جس کو مفصل اسی کا......شاہجہاں نامے کے اس مقام کو، جہاں وہ احوال ہے، ملاحظہ کریں''۔

ترقیمہ: فقط۔ تمت تمام شد، کار من نظام شد۔ بتاریخ بست و یکم ماہ محرم الحرام، ۔سنہ ۱۲۶۲ ہجری بروز سہ شنبہ دو پاس روز برآمدہ بود، بمقام حیدر آباد فرخندہ بنیاد، عاصی گنہ گار راز حد ناہنجار رقیمہ میر ولایت علی ولد میر رستم علی در مکان صاحبزادہ میر بسالت علی صاحب در عہد نواب ناصر الدولہ بہادر نوشتہ:

نوشتہ بماند بخط غریب
کہ نصر من اللہ فتح قریب
تمت شمام شد''

کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی۔ نمبر ۱۶/۳

سائز:	۱/۲ ۱۹x ۱/۲ ۱۵ س م
اوراق:	۹۴
سطور:	۱۳ سال تصنیف ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء
تاریخ کتابت:	۲۲ ذی الحجہ، ۱۲۶۳ھ (م: یکم ڈسمبر، ۱۸۴۷ء)
خط:	نستعلیق، معمولی۔

کیفیت: ورق ا، الف اور ۹۴، ب سادہ ہیں۔ کاغذ دبیز، مٹیالا نسخہ کرم خوردہ ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے ہیں۔

آغاز: آغاز داستان کہتے ہیں کہ پورب کے شہروں میں سے کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا، زین الملوک نام، جمال اس کا جیسا ماہ منیر (کذا) عدل و انصاف اور شجاعت و سخاوت میں بے نظیر۔ اس کے چار بیٹے تھے، ہر ایک علم و فضل میں علامہ زمانہ''

اختتام:

یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
تو پھر فکر تاریخ تھی صبح و شام

اچانک سنی میں نے آواز غیب
کہ (ہے) مذہب عشق تاریخ و نام“

ترقیمہ: تمام شد ایں قصہ بکاولی بتاریخ بست ودویم ذیحجہ

بروز چہارشنبہ بوقت عصر درمیان حجرہ درمکان شاہ صبغۃ اللہ صاحب باتمام یافت ۱۲۶۳ ہجری۔ نقل کتاب محمود علی مرحوم یعنی خرامان جنت شد، عاقبت بخیر باد بحرمت نبی وآل واصحابہ گردانہ۔ بیت:

من نوشتم ہر چہ دیدم در کتاب
عاقبت واللہ اعلم بالصواب“

مذہب عشق نسخہ اول ۱۲/۳

صفحات: ۱۵۹

ناپ: ۸x۵½

سطور: ۱۴

مصنف (مترجم): نہال چند لاہوری دہلی میں پیدا ہوئے جوان ہونے کے بعد آب ودانہ کی کشش انہیں کلکتہ لے گئی۔ وہاں کپتان، اسٹوارٹ صاحب بہادر کی دستگری سے گذر اوقات کا ذریعہ نکلا اور ڈاکٹر گلکرائسٹ کے کہنے سے عزت اللہ بنگالی کی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس وقت ہندوستان میں لارڈ ولزلی گورنر جنرل تھے۔

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ کاتب ندارد سال کتابت ۱۲۴۶ھ خط نستعلیق

آغاز:

الٰہی کرسخن کو میرے وہ پھول کہ ہر ایک کے دل کا وہ مقبول گلستان حمد وثناء کی ہمیشہ بہار باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب ورنگ تازہ اور لطافت وطراوت بے اندازہ اس کے روضہ رضوان سے پائی۔

اختتام:

تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ

کرے شرب و جام گر اختیار
تو راز نہاں اس پہ ہو آشکار

کیفیت:

مذہب عشق تاریخی نام سے ہے جس سے ۱۲۱۷ برآمد ہوتے ہیں اسے عام طور پر قصہ گل بکاولی کہا جاتا ہے۔نہال چند کا ترجمہ ۱۸۰۳ء میں کلکتے کے ہندوستانی چھاپے خانے میں طبع ہوا تھا۔اب مجلس ترقی ادب نے ازسرنوترتیب دے کرشائع کیا ہے۔خاتمہ کے بعد مترجم کا یہ اضافہ قابل توجہ ہے۔

ناظرین پرروشن ہو کہ تھوڑا سا احوال شاہ جہاں کے بادشاہ ہونے کا آخر کتاب میں تھا مترجم نے اس کو مع اس حکایت کے جو اس کے مطابق تھی اس واسطے ترجمہ (نہ) کیا کہ وہ خلاف شاہجہاں نامہ کے نکلا شاید موصوف نے سنایا لکھا تھا ولا اتنا فرق نہ ہوتا جس کے مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو اور شاہجہاں نامے کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔یہ داستان کئی شعراء نے نظم کی ہے جن میں منشی ریحان الدین کو باغ بہار اور پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی کی گلزار نسیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان دونوں کتابوں میں کم و بیش حذف و اضافہ کے ساتھ یہی داستان نظم کی گئی ہے۔

مذہب عشق نسخہ دوم ۲/۱۳

صفحات: ۲۴۷

ناپ: ۶x۹

سطور: ۱۲

مصنف و مترجم: نہال چند لاہوری

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ

مشمولات: بموجب اول

کاتب: میر ولایت علی ولد میر رستم علی سال کتابت ۱۲۷۲ھ

خط: جلی نستعلیق

آغاز: بموجب نسخہ اول۔اختتام بموجب نسجہ اول

کیفیت:

کاتب نے یہ نسخہ نواب ناصرالدولہ (۱۲۲۴۔۱۲۷۲ھ) کے عہد میں صاحبزادہ میر بصارت علی کی حویلی میں نقل کیا۔عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔اس کے علاوہ ہر صفحے میں متعدد مقامات بین السطور میں چھوٹی بڑی لکیریں کھینچی ہوئی ہیں۔شایداس سے عبارت کوخوبصورت بنانا مقصود ہو۔

مذہب مشق (نسخہ سوم) ۳/۱۴

صفحات:	۱۹۸
ناپ:	۱۵x۶½
سطور:	۱۵
مصنف:	نہال چندلاہوری
سال تصنیف:	۱۲۱۷ھ
مشمولات:	بموجب نسخہ اول
کاتب:	ندارد۔
سال کتابت:	ندارد خط دیدہ زیب نستعلیق
آغاز:	بموجب اول

اختتام:

متصل اپنی دولت سرا کے نہایت آراستگی کے ساتھ قائم کروا کر روح افزاء بہرام کے حوالے کیا الحمدللہ خدا کے فضل سے سب کے سب شاد ہوئے اور بخوبی آباد ہوئے۔

غرض جس طرح انہوں کی مراد
ہماری بھی دے یا الٰہی مراد

کیفیت: مخطوطہ ہذا کے عنوانات کوسرخ روشنائی سے نمایاں کیا گیا ہے۔اصل تصنیف سے قبل کاتب نے بہت سی اردو پہیلیاں درج کی ہیں جن کا سلسلہ تین صفحات میں پھیلا ہوا ہے اس کے بعد کچھ معمے اور کچھ نسخے درج کئے گئے ہیں۔

مذہب عشق (نسخہ چہارم) ۳/۱۵

صفحات: ۱۷۶

ناپ: ۸½ x ۶

مصنف: نہال چند لاہوری

سال تصنیف: ۱۲۱۷

مشمولات: بموجب نسخہ اول

کاتب: موتی لعل ولد رائے نندلال منشی

سال کتابت: ۱۲۵۶ھ

خط شکستہ آغاز بموجب نسخہ اول اختتام۔ بموجب نسخہ اول

کیفیت:

مذہب عشق سے قبل سات صفحات میں مختلف تحریریں جن کا خط اس قدر خراب ہے کہ پڑھا نہیں جاتا یہی صورت بعد کے ۸ صفحات کی بھی ہے۔ مخطوطہ کرم خوردہ ہے اور اس کے حروف پھیل گئے ہیں شاید نم زدہ ہے۔ عنوانات سرخ ہیں ان کی روشنائی بھی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

مذہب عشق (نسخہ پنجم) ۳/۱۶

صفحات: ۱۸۶

ناپ: ۸ x ۶¼

مصنف: نہال چند لاہوری

سال تصنیف: ۱۲۱۷ھ

مشمولات: بموجب نسخہ اول

کاتب: ندارد

سال کتابت: ۱۲۶۳ھ

خط: نستعلیق مائل بہ شکست

آغاز:

آغاز، داستان کہتے ہیں کہ پورب کے شہروں میں کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا زین الملوک نام جمال اس کا جیسے ماہ منیر عدل وانصاف اورسخاوت وشجاعت میں بے نظیر۔

اختتام: بموجب نسخہ اول

کیفیت: ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے محمود علی نام کے کسی شخص کے نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ کاغذ موٹا ہے مگر کرم خوردہ ہو چکا ہے(22)

☆☆☆

مقدمہ

(د)

مذہب عشق کے اہم مطبوعہ نسخے

مذہب عشق جان گلکرسٹ کی نگرانی میں فورٹ ولیم کالج کے مطبع سے پہلی مرتبہ 1804ء میں شائع ہوئی۔ یہ داستان شائع ہوتے ہی مشہور ہوگئی اور اردو داں قارئین کی خواہش اور مانگ پر ہندوستان کے تمام معروف شہروں سے جہاں اردو خاص و عام میں مقبول اور پسندیدہ تھی اس داستان کو شائع کیا گیا۔ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی نے اپنی مرتبہ داستان مذہب عشق میں اس کی چند مختلف اشاعتوں کا ذکر و تذکرہ کیا ہے۔ جناب مشفق خواجہ نے اپنی مرتبہ تصنیف ''جائزۂ مخطوطات'' جلد اول میں ان تمام مطبوعہ اشاعتوں کو نقل کیا ہے۔ راقمۃ الحروف کے پیش نظر دو ایسے مطبوعہ نسخے ہیں جو اپنی قدامت کے لئے اہم ہیں۔ کتب خانہ سالار جنگ کے شعبہ مطبوعات میں مطبع حیدری بمبئی کا نسخہ اس لئے اہم ہے کہ جتنے مطبوعہ نسخے اب تک سامنے آئے ہیں یہ مطبوعہ نسخہ سب سے قدیم ہے کہ 1222 ہجری م 1807ء میں ابراہیم سکندر کی نگرانی میں شائع ہوا ہے۔ دوسرا مطبوعہ نسخہ مطبع احمدی کلکتہ سے طبع ہوا ہے۔ اس کا سنہ 1263 ہجری ہے اور یہ فورٹ ولیم کالج سے شائع ہونے والے مطبوعہ نسخے 1804 پر مبنی ہے۔ انہی دو مطبوعہ نسخوں کو میں نے تدوین کے لئے بنیاد بنایا ہے۔ مذہب عشق کی مختلف اشاعتیں جو کلکتہ، دہلی، لکھنؤ، بمبئی، کانپور سے عمل میں آئی ہیں۔ ان کی تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ جن مطبوعہ نسخوں پر سنہ اشاعت موجود ہے ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے:

کلکتہ

فورٹ ولیم کالج سے مذہب عشق کے شائع ہونے کے بعد دوسری اشاعت شیر علی افسوس کی نظر ثانی کے بعد کلکتے سے شائع ہو۔

مذہب عشق کی تیسری اشاعت کے لئے روبک نے نظر ثانی کی اور یہ کلکتے ہی سے 1815ء میں شائع ہوئی۔ چوتھی مرتبہ جناب فیض اور جناب محمد رمضان نے ایک نسخہ تیار کیا جو ان مرتبین کے نام سے کلکتہ سے

1827ء میں شائع ہوا۔ کلکتے ہی سے چھٹی مرتبہ مذہب عشق کی اشاعت 1832ء میں عمل میں آئی۔ مذہب عشق کی ایک اوراشاعت مطبع دارالاسلام کلکتہ سے 1846ء میں عمل میں آ:ی۔

دہلی

دہلی سے مطبع محسنی سے نستعلیق ٹائپ میں مذہب عشق 1846ء میں شائع ہوئی۔ دہلی ہی سے 1852ء میں ایک اوراشاعت عمل میں آئی مذہب عشق (ناگری رسم الخط میں) پہلی مرتبہ دہلی سے 1872ء میں شائع کیا گیا۔ دہلی سے 1873ء میں مطبع محسنی سے ایک مصور نسخہ شائع کیا گیا۔ دہلی سے ایک اور طباعت 1876ء میں عمل میں آئی۔ دہلی ہی سے ایک اوراشاعت 1879ء میں ہوئی اور ایک مصور نسخہ کی طباعت 1881 میں عمل میں آئی۔ اسی مطبع سے دوبارہ 1887ء میں اشاعت ہوئی۔

لکھنؤ

لکھنؤ سے پہلی مرتبہ مذہب عشق کی اشاعت 1848ء میں ہوئی۔ مطبع مسیحائی لکھنؤ سے ایک نسخہ 1853ء میں شائع ہوا۔ لکھنؤ ہی سے ایک اوراشاعت 1875ء میں عمل میں آئی۔ لکھنؤ سے اسی سنہ میں ایک اوراشاعت 1875ء میں ہوئی۔

بمبئی

مطبع حیدری بمبئی سے 1222 ہجری م 1807ء میں پہلی مرتبہ مذہب عشق شائع ہوئی۔ مطبع احمدی بمبئی سے 1843ء میں دوسری اشاعت عمل میں آئی۔ بمبئی سے نعمت اللہ نے سحر البیان کے ساتھ مذہب عشق کو 1844ء میں شائع کیا۔ بمبئی سے ایک اور مرتبہ اشاعت 1850ء میں ہوئی۔

کانپور

کانپور سے مذہب عشق 1851ء میں شائع ہوئی۔ کانپور سے دوسری اشاعت 1859ء میں عمل میں آئی۔ کانپور ہی سے مذہب عشق پھر سے 1869ء میں شائع ہوئی۔ کانپور سے ایک اوراشاعت 1875ء میں ہوئی۔ کانپور ہی سے 1876ء میں اشاعت عمل میں آئی۔ کانپور سے ایک مصور نسخہ 1877ء میں طبع ہوا۔ کانپور سے ایک اور نسخہ 1889ء میں شائع ہوا۔

ان شہروں کے علاوہ دوسرے شہروں کے مطابع سے بھی مذہب عشق کی طباعت و اشاعت عمل میں آئی ہے۔

بنارس سے ایک اشاعت 1887ء میں ہوئی۔ مدراس سے ایک اشاعت 1879ء میں عمل میں آئی۔ الہ آباد سے 1927ء میں طباعت ہوئی۔ مطبع نول کشور نے متعدد مرتبہ مذہب عشق شائع کی چنانچہ اس کی اڑتیسویں (38) اشاعت 1954ء میں عمل میں آئی۔

ہندی ترجمہ:

ہندی ترجمہ بیج سنگھ ورما نے ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔(23)

انگریزی تراجم :

مذہب عشق کا انگریزی ترجمہ لیفٹیننٹ آر بی انڈرس نے کیا تھا جو دہلی سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سے پہلے بھی اس کا انگریزی ترجمہ سی۔ پی مینول کر چکے تھے۔ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی کی جلد دوم حصہ...... دہم کے صفحات ۱۹۳ اور ۳۸۳ پر اس کی تلخیص رومن ہندوستانی میں ۱۸۳۵ء میں پیرس سے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا۔(24)

راقمۃ الحروف کو اپنی تحقیق کے سلسلہ میں مذہب عشق کے جن مخطوطات اور مطبوعہ نسخوں کا علم ہوا ان تمام کی تفصیل یہاں درج کی گئی کہ اردو کے عام طالب علم اور اسکالرز اس سے مستقبل میں فائدہ اٹھائیں۔ یقیناً مندرجہ بالا فہرست مکمل نہیں ہے بہت ممکن ہے اردو کا کوئی اسکالر مزید نسخوں کو تلاش کرے اور مکمل فہرست شائع کرے۔

☆☆☆

حوالے

1. نہال چند لاہوری مذہب عشق مخطوطہ نمبر 96 کتب خانہ مخزونہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد سنہ اشاعت 1984ء ص 115۔

2. ایضاً ص 117۔

3. ایضاً ص 251۔

4. ایضاً جلد سوم سنہ اشاعت 1984ء ص 252،253

5. مذہب عشق مخطوطہ نمبر 24 مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم سنہ اشاعت 1961ء ص 124۔

6. ایضاً ۔ ص 725۔

7. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، مخطوط نمبر 1013، فہرست مخطوطات جلد اول سنہ اشاعت 1961ء ص 148

8. ایضاً۔

9. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ محبوب علی حیدرآباد دکن ص 177۔

10. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ نواب فیلسوف جنگ حیدرآباد فن ادب، مخطوطہ نمبر 4639، ص 12۔

11. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی مخطوط نمبر UM47 مشمولہ کتب خانہ جامع مسجد کے

مخطوطات مرتبہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی

12. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ خدا بخش پٹنہ مخطوطہ نمبر 130 مشمولہ فہرست مخطوطات اردو مرتبہ عابد امام زیدی جلد اول سنہ اشاعت 1962ء ص 15۔

13 تا 17۔ ایضاً

18. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ اہل اسلام مدراس مخطوطہ نمبر 20542

مشمولہ فہرست مخطوطات کتب خانہ اہل اسلام مرتبہ افضل بن اقبال ص 24۔

19. مذہب عشق مخزونہ ایشاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ مخطوطہ نمبر 106 مشمولہ فہرست مخطوطات ایشاٹک لائبریری ص 4

20. مذہب عشق مخزونہ کتب خانہ انجمن ترقی اُردو ہند مخطوطہ نمبر 735 تا 739 مطبوعہ رسالہ اُردو ادب علیگڈھ، بابت جولائی تا سپٹمبر 1954ء ص 178

21. پاکستانی مخزونہ ''مذہب عشق'' کے تمام مخطوطات کی تفصیل جائزہ مخطوطات اردو مرتبہ مشفق خواجہ سے ماخوذ ہیں۔ ص 1010 تا 1046۔

22. مذہب عشق کے وہ مخطوطات جو انجمن ترقی اُردو پاکستان میں محفوظ ہیں۔ اس کی تفصیل مخطوطات انجمن جلد اوّل تا چہارم مرتبہ افسر صدیقی سے ماخوذ ہیں۔

23. بحوالۂ جائزہ مخطوطات اردو مرتبہ مشفق خواجہ جلد اول ص

24. ایضاً۔

مقدمہ

(۵)

مذہب عشق کا خلاصہ

زین الملوک پورب کا عظیم بادشاہ تھا۔ وہ نہایت خوبصورت اور عدل وانصاف، شجاعت، سخات میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ سب کے سب عالم فاضل۔ اللہ نے بادشاہ کو ایک اور بیٹا عطا کیا۔ آفتاب کی طرح جہاں کو روشن کرنے والا اور چودھویں رات کے چاند کی طرح دنیا کے اندھیرے کا دور کرنے والا۔

بادشاہ نے اس کی پیدائش پر بہت بڑا جشن منایا اور نجومیوں سے اس کا نام جنم لگن (جنم پتری) نکلوایا۔ انہی کے مشورہ پر اس کا نام تاج الملوک رکھا گیا۔ نجومیوں نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ جب بادشاہ کی اس پر نظر پڑے گی فوراًا بادشاہ کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہے گی۔ بادشاہ نے اس بچہ کو اپنے محل سے دور اس کی ماں کے ساتھ اپنی گذرگاہ سے دور محل میں رکھا۔ چند سال بعد یہ لڑکا بڑا ہونہار نکلا اور علم و ہنر سے سیر ہوا۔ ایک دن یہ لڑکا شکار کے لئے جنگل میں گیا اور ایک شکار کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا۔ اتفاقاً بادشاہ بھی اسی دن ایک ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے اسی طرف آن نکلا۔ جونہی بادشاہ کی نظر شہزادے پر پڑی اسکی آنکھوں سے بصارت جاتی رہی۔ ارکان دولت نے بادشاہ سے سبب معلوم کیا تو اس نے کہا ہوتا تو یوں ہے کہ بیٹے کو دیکھ کر باپ کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں لیکن یہاں معاملہ اُلٹا ظاہر ہوا۔ اور حکم دیا کہ شہزادہ کو ملک بدر کیا جائے اور اس کی ماں کو جاروب کشی پر مقرر کیا جائے۔

دوسرے قصہ میں بادشاہ کے دارالسلطنت پہنچنے اور حکیموں سے علاج کروانے کی کہانی قلمبند کی گئی ہے۔ چنانچہ سب طبیبوں نے ایک زبان ہوکر کہا کہ صرف گل بکاولی اس کا علاج ہے اور کسی دوا سے ممکن نہیں ہے۔ اگر گل بکاولی کہیں سے مل جائے تو بادشاہ کیا اندھا بھی دیکھنے کے قابل ہوگا۔ بادشاہ نے اپنے ملک میں یہ تشہیر کیا کہ جو کوئی بکاولی لائے گا یا اس کی اطلاع دے گا اسے انعام واکرام سے سرفراز کیا جائیگا۔ گل بکاولی کے انتظار میں بادشاہ نے دن رات رو رو کر اپنی آنکھیں سفید کر ڈالیں لیکن بکاولی کی کوئی خبر نہ ملی۔ یہ صورتحال دیکھ کر ایک

دن اس کے چاروں بیٹے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کی بینائی کے لئے گل بکاولی ڈھونڈ لانے کا عہد کیا۔ بادشاہ کے نہ چاہنے کے باوجود چاروں بیٹے گل بکاولی کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

تاج الملوک شہر کے باہر انھیں دیکھتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ شہزادے ہیں اور باپ کی بینائی کے لئے گل بکاولی کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ شہزادہ سوچتا ہے کہ مجھے بھی گل بکاولی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اپنی قسمت آزمانی چاہئے اور اسی جستجو کے سبب باپ کے ملک سے باہر بھی نکل جاؤں گا۔

تاج الملوک سعید نامی سردار سے ملتا ہے اور اس کی نظر جو شہزادہ پر پڑتی ہے تو دیکھا کہ اس کے گالوں کی چمک خورشید کی روشنی کے ساتھ برابری کر رہی ہے اور چاندسی پیشانی زلف شبرنگ کے پہلو میں ماہِ تمام کی طرح جلوہ گری کر رہی ہے۔ سعید کے دریافت کرنے پر شہزادہ کہتا ہے کہ اکیلا ہوں کوئی یار غمخوار نہیں بیچارہ ہوں یہ سن کر سعید اسے اپنے یہاں رکھ لیتا ہے۔

چاروں شہزادے ایک مدت کے بعد شہر فردوس پہنچتے ہیں جہاں کا بادشاہ رضواں شاہ ہے۔ وہاں وہ اپنے خیمے ایستادہ کر کے شام کے وقت دریا کے کنارے سیر کے لئے نکلتے ہیں۔ وہاں انھیں ایک محل نظر آتا ہے جو بیحد شاندار ہے۔ شہزادے وہاں کے باشندوں سے دریافت کرتے ہیں اور دلبر لکھا بیسوا کے مکان پہنچتے ہیں۔

بیسوا اپنے زمانے کی انتہائی خوبصورت ہوشیار و مکار عورت ہے۔ شہزادے مکان پر موجود نقارہ بجاتے ہیں۔ بیسوا ملاقات کے لئے ایک لاکھ روپیہ لیتی ہے۔ بیسوا بن ٹھن کر ایک شہزادی کی طرح ان سے ملتی ہے۔ ان کا استقبال کرتی ہے۔ محفل مئے ونشاط سجاتی ہے۔ آدھی رات کے بعد مکارہ بساط جماتی ہے بلی کے سر پر چراغ رکھتی ہے اور ایک لاکھ روپئے کی بازی کھیلتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادوں نے اسی رات ہی پچاس لاکھ روپئے ہارے۔ جیسے ہی سورج نمودار ہوا اس مکارہ نے بازی لپیٹ دی۔ ہر رات شہزادے بازی کھیلتے ہیں اپنی مکاری اور چالبازی سے دلبر بیسوا ہر بازی جیت جاتی ہے۔ حتیٰ کہ چاروں شہزادے خود کو بھی بازی میں ہار جاتے ہیں اور دلبر بیسوا اُن کو قید کر دیتی ہے۔

تیسری داستان شہزادہ تاج الملوک سے متعلق ہے جب وہ اپنے آقا سے اجازت لے کر روزانہ تختہ نرد کھیلنے والوں کے پاس پہنچتا اور تھوڑے ہی دن میں اس کا ماہر ہو جاتا ہے اور بیسوا کے گھر کی مدارالمہارم بڑھیا کی

مدد سے دلبر بیسوا کی عیاری کے بارے میں جان جاتا ہے۔

وہ کہتی ہے میرا ابھی دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں تجھے اپنے پوتے کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہوں۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں اس نے بڑھیا سے لکھا بیسوا کا راز معلوم کرلیا کہ وہ بلّی اور چوہے کی مدد سے بازی جیت جاتی ہے۔ تاج الملوک یہ باتیں سن کر بازار گیا اور ایک نیولے کا بچہ خرید کر اُسے آستین میں چھپنے اور چٹکی کی آواز پر کود کر آستین سے باہر آنے کی تربیت دی۔ پھر ایک دن اچانک لکھا بیسوا کے یہاں پہنچ گیا۔ اس نے شہزادے کو بہ اعزاز ایک جڑاؤ کرسی پر بٹھایا۔ جب آدھی رات گذر گئی تو شہزادہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تجھکو تختہ نرد کھیلنے کا بڑا شوق ہے۔ آؤ ایک بازی کھیلیں پہلے تو لکھا بیسوا نے انکار کیا اور آخر میں مجبور ہو کر تختہ نرد منگوا بدستور قدیم بلی کے سر پر چراغ رکھا اور لاکھ روپئے کی بازی بد کر پانسا پھینک دیا۔ پہلی بازی تو شہزادے نے جان بوجھ کر ہار دی۔ پھر دوسرے بازی کھیلتے کھیلتے جو ایک داؤ اسکی خاطر خواہ نہ پڑا اسی وقت بلی نے سر ہلایا۔ چوہا جو اسی بات کا منتظر چراغ کے سائے میں بیٹھا تھا اس نے چاہا کہ پانسے کو اُلٹ دے۔ تاج الملوک نے چٹکی بجائی آواز سنتے ہی نیولا آستین سے نکلا۔ چوہا تو اس کی صورت دیکھتے ہی کافور ہو گیا اور بلی پر بھی ایسی دہشت غالب ہوئی کہ چراغ سر سے پھینک کر وہ بھی ہوا ہو گئی۔ اس پر شہزادے نے نہایت برہم ہو کر کہا کہ اے عیارنی تو نے بھی خوب بھگل نکالا ہے۔ تیرے گھر تو لعل شب چراغ ہیں تو پھر تو ایک شمعدان کیوں نہیں رکھتی۔ اس بات سے وہ نہایت شرمندہ ہوئی اور اس کا تمام بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اسی وقت فتیلۂ سوز منگوا کر رکھا اور دونوں پھر اسی کام میں مشغول ہو گئے۔ شہزادے نے اس رات سات کروڑ روپئے جیتے اس میں صبح صادق ہو گئی۔

تاج الملوک نے کہا اب حضرت جہاں پناہ کے ناشتے کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ اگر میں اس وقت حاضر نہ ہوں تو قباحت ہوگی۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور روپئے شام کے وعدہ پر اُسی کے پاس چھوڑ کر امیر کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ شام کے انتظار میں تاج الملوک نے تمام دن جوں توں کاٹا۔ سورج کے ڈوبتے ہی اپنے آپ کو سجا کر ایک صبا رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر اس کے گھر پہنچا۔ یہ خبر سن کر لکھا بیسوا نے چارو نا چار استقبال کیا۔ اس رات شہزادے نے کروڑ روپئے کی بازی جیت لی۔ اب بازی کھیلنے کے لئے لکھا بیسوا ششدر و پریشان ہو کر شش و پنج کرنے لگی۔ آخر گھر کے سامان کی نوبت پہنچی۔ وہ بھی شاہزادہ نے جیت لی۔ اب بیسوا کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا۔ شہزادہ نے کہا کہ اب ایک کام کرلو کہ پورب پچھّم کے شہزادے جو تو نے مکر و فریب

سے قید کر رکھے ہیں ان پر ایک بازی کھیل اگر تو جیتے تو ٹھیک ہے ورنہ جو میں چاہوں کروں۔ وہ یہ بازی بھی ہار جاتی ہے۔ پھر لکھا بیسوا آخری بار کوشش کرتی ہے پھر بھی ہار جاتی ہے۔ تب وہ سرو قد اُٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ اے جواں بخت خدا کی مدد اور قسمت کی یاوری سے تو نے مجھے اپنی لونڈی کیا۔ کئی بادشاہوں نے اپنا نصیب آزمایا لیکن ہار گئے۔ یہ اب تیرا گھر ہے مجھ کو اپنے نکاح میں لے اور باقی عمر دولت اور حشمت کے ساتھ گذار اور مجھے اپنی خدمت میں رکھ۔ لیکن وہ معذرت چاہتا ہے۔ گل بکاولی کی ضرورت، اہمیت بتا کر کہتا ہے کہ ہو سکے تو میرا انتظار کر اور پچھلی زندگی سے توبہ کر لے۔

اس قصہ میں ایک حکایت شہزادہ اور برہمن کی بھی شامل کی ہے جس سے داستان میں دلچسپی بڑھ گئی ہے۔

مذہب عشق کے قصہ تاج الملوک کے بکاولی کے تلاش میں نکلنے اور ایک دیو کے ہاتھوں پکڑے جانے کا راز بیان ہوا ہے۔ تاج الملوک اس دیو کو انسانوں کے کھانے کھلا کر خوش کرتا ہے اور اس سے بکاولی کے باغ تک پہنچانے کا وعدہ لیتا ہے۔ دیو اپنی قسم کی پابندی میں تاج الملوک کو اپنے ایک بھائی کی مدد سے بکاولی تک پہنچا تا ہے۔ دیو تاج الملوک سے کہتا ہے کہ اس کی چہار دیواری کو آفتاب جہاں بھی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ ہزاروں دیو اس کی حفاظت کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ کسی ذی روح کو یہ طاقت نہیں کہ ان کی اجازت کے بغیر وہاں تک پہنچے۔ اور ان کے علاوہ ان گنت پریاں پاسبانی کیلئے وہاں پر مقرر ہیں کہ کوئی چرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا۔ اس کی زمین کے اندر سانپ بچھو بے انتہا موجود ہیں اور آٹھ پہر حفاظت کرتے ہیں۔ اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ ہزاروں چوہوں سے دن رات خبر داری کرتا ہے کہ سرنگ کی راہ سے بھی کسی کی وہاں تک رسائی نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ چیونٹی بھی کسی حیلہ سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اے شہزادے تو اپنے آپ کو ہرگز اس ہلاکت میں نہ ڈال۔

شہزادے نے کہا فی الحقیقت یہی وہ بات ہے۔ اگر میں اپنے مقصد کا سچا ہوں تو خدا میری بھی مدد کریگا۔ یہی میری آرزو ہے۔ یہ بات سنتے ہی دیو نے ایک سرد سانس لی اور دو ہتھڑ اپنے سر پر مار کر بے ہوش ہو گیا۔ پھر ہوش میں جو آیا ہائے ہائے کرنے لگا۔ پھر دیو نے بھی وہی باتیں دہرائیں جو لکھا بیسوا نے کہی تھیں۔ اگر میں تیری بات نہ مانوں تو مجھے قسم کی وجہ سے جان کا خطرہ ہے۔ دیو کی خواہش پر تاج الملوک نے پھر وہی

کھانا پکایا۔ دیو نے کھانا تیار دیکھ کر ایک چنگھاڑ ماڑی۔ فوراً شمال کی طرف سے ایک اور دیو پہاڑ سا آ پہنچا۔ جب دوسرے دیو کی نظر تاج الملوک پر پڑی تو تاج الملوک نے اُسے جھک کر سلام کیا۔ اس دیو نے حیران ہو کر پوچھا کہ آدمی اور دیو ایک ساتھ کس طرح رہ سکتے ہیں۔ اس کا سبب بیان کرو، دیو نے کہا بھائی اس آدم زادے نے مجھے نہایت ممنون کیا ہے۔ اور مجھ کو اس سے کسی طرح کی بدی کرنی منظور نہیں۔ اب تاج الملوک نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا کھانا مہمان کے آگے چن دیا۔ وہ بھی مزیدار لقمے منہ میں ڈالتے ہی نہایت خوش ہوا اور مارے خوشی کے ناچنے لگا۔ دیو نے کھا پی کر کہا کہ بھائی تم نے آج تک اس آدمی کا کچھ کام کیا ہے یا نہیں۔ صاحب خانہ نے کہا میں نے حضرت سلیمانؑ کی سوگند کھائی ہے۔ اگر تو توجہ کرے اور اس کی مراد پوری کر دے تو میری جان بخشی ہوگی۔ دیو نے اپنی بہن حمالہ جو اٹھارہ ہزار دیوؤں کی سردار تھی اور بکاولی کے ملک کی خاص چوکیدار تھی کو ایک خط لکھا۔

اس نے خط شاہزادے کے حوالے کیا اور اسے ایک قاصد کے ذریعہ روانہ کر دیا۔ حمالہ نے اپنے بھائی کو اس خط کا جواب لکھا کہ اے بھائی ایک بادشاہ کی بیٹی جو نہایت خوبصورت اور لاثانی ہے میرے ہاتھ لگی ہے اس کو بجائے بیٹی کے میں نے پالا ہے اور محمودہ نام رکھا۔ اب وہ چودہ برس کی انتہائی حسین لڑکی ہے۔ تو نے شہزادہ کو بھیج کر میرا کام آسان کر دیا۔ حمالہ نے محمودہ کو تاج الملوک کے ساتھ بیاہ دیا۔ شہزادہ اپنی مہم کی فکر میں محمودہ کی جانب توجہ نہیں کرتا ہے۔ محمودہ نے اپنی والدہ سے مدد مانگی۔ حمالہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ بکاولی کے محل شہزادہ کو پہنچا دیگی۔ حمالہ چوہوں کے بادشاہ کو حکم دیتی ہے کہ اسی وقت یہاں سے بکاولی کے باغ تک سرنگ کھود کر شاہزادہ کو (جو میری حیات کا سرمایہ ہے) اپنی گردن پر سوار کر کے اُس باغ میں لے جا۔ خبردار ذرا بھی شہزادہ کو تکلیف نہ پہنچے۔

مذہب عشق کے پانچویں قصہ میں تاج الملوک کے بکاولی کے باغ تک رسائی حاصل کرنے، بکاولی کے دیدار سے حیران ہونے اندر جانا چاہتا ہے۔ چوہا ڈرتا ہے کہ اس کو صرف باغ تک لیجانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاج الملوک چوہوں کے سردار کو دھمکی دیتا ہے کہ اگر وہ باغ میں جانے نہ دیگا تو خود کو ہلاک کر ڈالے گا۔ چوہا ڈر جاتا ہے تاج الملوک نے اندر قدم رکھ کر دیکھا کہ سونے کی زمین پر زرخالص کی چار دیواری میں لعل بدخشاں اور عقیق یمنی نیچے سے اوپر تک جڑے ہیں اور زمرد اور فیروزے کی نہریں گلاب سے معمور ہیں۔ ایسے گلاب کہ

اگر اس کے گلزار کی شبنم کا ایک قطرہ سمندر میں پہنچے تو مچھلیوں میں گلاب کی خوشبو آنے لگے۔ طرفہ تر یہ کہ لعل کے درختوں میں موتیوں کے گچھے ایسے درخشاں تھے جیسے خورشید کے شجر میں ستاروں کے خوشے آویزاں۔

شہزادہ یہ سب دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے کہ ایک دالان صرف یاقوت کا اور اس کے سامنے ایک حوض مرصع پاکیزہ گلاب سے بھرا ہوا اور ان کے درمیان پھول نہایت لطیف و نازک خوشبودار کھلا ہوا نظر آتا ہے وہ فوری سمجھ جاتا ہے کہ یہی بکاولی ہے۔ فوراً کپڑے اُتار کر حوض سے گل مقصود لے کر کنارے پر آتا ہے پھر محل کی سیر کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ وہاں ایک خوش قطع شہ نشین نظر آتا ہے۔ پردے کار چوبی سب کے سب چھوٹے ہوئے تھے۔ شہزادہ اس کے اندر دیکھتا ہے وہاں ایک جڑاؤ پلنگ پر ایک پری نازنین دبلی پتلی بے حجاب سوتی نظر آئی۔ ناز سے ماتھے پر ہاتھ رکھے ہوئے جوانی کی نیند میں بے خبر سوئی ہے۔

تاج الملوک اُس کے حسن و جوانی کے رنگ و روپ کو دیکھتے ہی بے خود ہو کر گر پڑتا ہے جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو سنبھال کر جوں توں اُس کے سرہانے تک پہنچتا ہے اور اپنے آنے کی نشانی چھوڑتا ہے۔ اُس نے پری کے ہاتھ سے انگوٹھی آہستگی و نرمی سے اُتار کر اپنی انگوٹھی اُسے پہنا دیتا ہے۔ حالت خواب میں ہی اُسے وداع کر کے سرنگ کی راہ سے چوہے پر سوار ہو کر اپنے مکان پہنچتا ہے۔ اور اُسی رات رنگ محل جا کر محمودہ سے ہم کلام و ہمکنار رہا بلکہ چند روز عیش و عشرت میں گذارے۔

ایک رات تاج الملوک نے عالم تنہائی میں محمودہ سے کہا کہ اگرچہ یہاں پر ہر طرح کا آرام ہے لیکن اپنے ہم جنسوں سے دور ہوں۔ کچھ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ میں اپنوں سے مل سکوں۔ دوسرے دن حمالہ نے کئی خوان میوے کے اور بھاری خلعتیں دونوں کے لئے پہنا کر اپنے داہنے اور بائیں زانو پر بٹھایا اور کہا کہ جو تمنا تمہارے دل میں ہے سو کہو۔ محمودہ نے بڑے ادب سے اُٹھ کر معروضہ پیش کیا کہ اب رُخصتی کی اجازت دی جائے۔ میں جہاں بھی جاؤں گی آپ کی پرستار رہوں گی۔ حمالہ نے یہ سن کر ٹھنڈی آہ بھری اور بڑی مشکلوں سے اجازت دی۔ اس نے ایک دیو کو بلا کر کہا کہ بہت احتیاط کے ساتھ ان دونوں کو پہنچا دے۔ حمالہ نے اپنے سر سے دو بال اُکھیڑ کر ایک تاج الملوک اور دوسرا محمودہ کو دیا۔ کہا کہ جب بھی میری مدد کی ضرورت پڑے تو یہ بال آگ پر رکھنا۔ میں (۱۵) ہزار دیو سمیت وہاں پہنچ جاؤں گی۔ دیو کی مدد سے شہزادہ اور محمودہ شہر فردوس کے درمیان لکھا بیسوا کے باغ میں پہنچ گئے۔

جوں ہی شہزادے کی آواز لکھا بیسوا کے کان میں پڑی وہ دوڑ کر آئی اور سجدۂ شکر بجالائی۔ پھر شہزادہ نے تمام حال کہہ سنایا۔ وہ اُٹھ کر محمودہ سے ملی اور خاطر تواضع کی۔ شہزادہ نے چند روز کے بعد اپنے ملک کی روانگی کی تیاری کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنے ملک جا کر والد کی آنکھوں کو روشن کرے۔ بھائیوں کو بظاہر سفارش کے باوجود ان کے چوتڑوں پر مہر کا داغ لگا کر ہی چھوڑا گیا۔ ان کو راہ کا سفر خرچ بھی دیا گیا۔ شہزادہ تاج الملوک نے محمودہ اور لکھا بیسوا کو تری کی راہ سے رخصت کیا اور کہا کہ میں بھی عنقریب خشکی کی راہ سے پہنچتا ہوں۔

تاج الملوک اپنے بھائیوں کا ارادہ معلوم کرنے کیلئے فقیروں کے بھیس میں اُن کے پیچھے چلا آیا۔ ان کی لن ترانیاں اور دغل فصل کی باتیں سنتا رہا آخرش اس سے رہا نہ گیا اور گل بکاولی ان دغابازوں کے سامنے رکھ دیا۔ بھائیوں نے ایک اندھے پر آزما کر دیکھا کہ وہ بینا ہو گیا۔ ان بھائیوں نے پھول گل بکاولی زبردستی تاج الملوک سے چھین لیا۔ یہ کام کر کے وہ اپنے ملک کی سرحد پہنچے۔ بادشاہ کامیاب واپس ہونے کا سن کر باغ باغ ہو گیا اور ان کا استقبال کیا۔ شہزادوں نے گل بکاولی اس کی نذر کیا۔ جیسے ہی بادشاہ نے پھول کو آنکھوں پر ملا اس کی نظریں روشن ہو گئیں۔ بیٹوں کے دیدار نے دیدۂ باطن کو سکون پہنچایا۔ بادشاہ نے اس خوشی میں جشن منایا اور حکم دیا کہ ہر ایک فقیر اور امیر ایک سال تک عیش وعشرت کی زندگی گذارے۔

جب بکاولی نے اپنی جادو بھری آنکھیں کھولیں اور آہستہ آہستہ جھجکتی جھومتی بکاولی کے حوض کی طرف چلی۔ گلاب اپنے گل رخسارہ پر ڈالنے لگی اور چہرہ کا غبار صاف کرنے لگی۔ اچانک گل بکاولی کی جگہ پر نظر پڑی جہاں پر گل نہ تھا۔ اتنے میں انگوٹھی پر آنکھ جا پڑی۔ حیرانی سے آگے بڑھی اور اپنے آپ میں کہنے لگی یا الٰہی یہ کیا خواب دیکھتی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام کسی انسان کا ہے۔ ورنہ کوئی نہیں جو (۱۸) ہزار دیوؤں کی نظروں سے بچ کر سلامت پہنچے۔ اپنے حال پر حیران ہو کر چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ، چور تو اپنا نام اور کام بتلا۔ چور سیم وزر کو اہمیت نہیں دیتا۔ سینے میں تو نے سرنگ لگائی اور میرا دل چُرا کر لے گیا۔ اگرچہ تو نے کوئی خلاف اخلاق بات نہیں کی میرا نقد دل تو لے چکا اور یہاں صرف ڈھانچہ رہ گیا۔ اپنے مقام کو واپس پہنچ کر ہر پری کو اس کی بے خبری کی سزا دینے لگی۔ پھر پریوں سے جھنجھلا کر کہنے لگی اگر تم اپنی زندگی چاہتی ہو تو چور کو لا کر حاضر کرو۔ چار سو پریاں بھی پتہ نہ لا سکیں تو خود ہی چور کی تلاش میں نکل پڑی۔ اسی طرح پھرتے پھرتے وہ پورب دیس میں جا نکلی۔ جب اس نے لوگوں کے عیش وعشرت کا سبب معلوم کیا تو لوگوں نے کہا یہاں کا بادشاہ

قضائے الٰہی سے اندھا ہوگیا تھا۔اس کے بیٹوں نے بہت مشکلیں اُٹھا کر گل بکاؤلی لائے۔اس سے بادشاہ کی آنکھیں روشن ہوئیں۔بکاولی نے یہ خوشخبری سن کر کہا کہ الحمدللہ میری محنت ٹھکانے لگی۔بکاولی نے اپنی تھکن مٹائی اور ایک حسین نوجوان بن کر مردانی کپڑے پہن لئے اور بادشاہی محلوں کی تلاشی لینی شروع کی۔اس کے حسن کا چرچہ بادشاہ تک پہنچا اس نے اس کو اپنے خواصوں میں بہ عزت سرفراز کیا۔ایک مرتبہ بادشاہ کے چاروں بیٹے بادشاہ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے۔اس نے انہیں نہایت محبت سے سرفراز کیا۔لیکن بکاولی نے قیافہ سے اندازہ لگایا کہ ان میں سے کسی نے بھی بکاولی حاصل نہیں کیا۔بکاولی نے دل میں سوچا کہ بادشاہ کا ایک اور فرزند ہوگا اور کچھ صبر کیا جائے۔

تاج الملوک اپنی حماقت پر پچھتاتا رہا۔جب بھائیوں نے گل بکاولی چھین لیا تو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔چند روز بعد اپنے باپ کی سرحد میں داخل ہوا اور ایک جنگل میں جا کر چقماق سے آگ جھاڑ کر حمالہ کے دیئے ہوئے بال کو اس پر رکھ دیا۔بال چوتھائی بھی نہ جلا ہوگا کہ حمالہ (۱۸) ہزار دیوؤں سمیت آ پہنچی۔اس نے تاج الملوک کی حیثیت پر افسوس ظاہر کیا۔اس نے جب اصرار کیا تو تاج الملوک نے بتایا کہ مجھے بکاولی کا قصر اور باغ چاہیئے۔اس کے لاعلم ہونے پر تاج الملوک نے کہا جس طرح میں کہوں اسی طرح بنواؤ۔حمالہ نے کئی سو دیوؤں کو لعل بدخشانی اور عقیق یمنی لانے کیلئے اور ہزاروں روپے سونے اور جواہرات لانے کے لئے ہر چار طرف بھیجا۔دیوؤں نے تین دن کے عرصہ میں مطلوبہ اشیاء لا دیں۔پھر شہزادہ جس طرح بتانے لگا وہ اسی طرح بنانے لگے۔تھوڑے ہی دنوں میں ویسا ہی محل اور اسی طرح کا باغ جواہر نگار نہروں اور درختوں سمیت بنا ڈالا۔بالکل ہو بہو گل بکاولی کے محل کی نقل بنا کر رکھ دی۔عمارت بن گئی اور تاج الملوک کو پسند آ گئی۔پھر شہزادہ محمودہ اور لکھا بیسوا کو ان عمارتوں میں لایا اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگا۔

ایک دن تاج الملوک کا غلام جس کا نام ساعد تھا بیابان میں پھر رہا تھا کہ اس کی نظر کئی لکڑہاروں پر پڑی۔انھوں نے کہا کہ ہم ہمیشہ ہی اس جنگل سے لکڑی کاٹ لے جاتے اور اپنے بال بچوں کو پالتے ہیں۔اس نے پیش کش کی کہ وہ لکڑیاں تاج الملوک کے چولھے کے لئے دیدیں۔وہ روشنی دیکھ کر ڈر گئے۔ساعد نے بتایا کہ یہ روشنی آگ کے شعلوں کی نہیں بلکہ جواہرات کی چمک ہے۔وہ جب آگے بڑھے تو ساری زمین سونے کی نظر آئی۔تاج الملوک نے انھیں کافی انعام واکرام دے کر روانہ کیا۔بے شمار لوگ وہاں آ کر بس گئے۔

وزیر کے پوچھنے پر کوتوال نے کہا کہ میں نے یونہی سنا ہے کہ کسی نے درندوں کے جنگل میں ایک محل بنایا ہے کہ ایسا روئے مین پر اور دوسرا نہیں ہے۔اس نے شہزادے کے عدل وانصاف اور سخاوت کا قصّہ وزیر کو سنایا ۔وزیر کو یقین نہ آیا۔وہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھنا چاہتا تھا

کوتوال نے ایک قصہ سنایا کہ کسی وقت ایک بادشاہ تھا۔اس کے محل میں سولڑکیاں صاحب جمال تھیں۔ پر کسی کو اولاد نہ ہوتی تھی۔خدا کی قدرت سے ایک حسین خاتون حاملہ ہوئی لیکن اس کولڑکی پیدا ہوئی۔اس کو تین مرتبہ بھی لڑکیاں پیدا ہوئیں۔چوتھی بارلڑکی ہونے پر بادشاہ نے قسم کھائی کہ اب کے بھی لڑکی پیدا ہوئی تو اس لڑکی سمیت جان سے مارڈالوں گا۔چوتھی مرتبہ بھی لڑکی پیدا ہوئی لیکن نہایت خوبصورت۔اس کی ماں نے جان کے خوف سے لڑکا مشہور کر دیا۔اس عورت نے نجومیوں کو بھی تاکید کی کہ بادشاہ کو سمجھا دو کہ دس برس تک اس لڑکے کا منہ دیکھنا آپ کے لئے اچھا نہیں ہے۔جب لڑکی ہوشیار ہوئی تب ماں نے کہا کہ اے بیٹی تو بادشاہ کے حضور مردانی وضع قطع سے آیا جایا کر کہ میری اور تیری زندگی باقی رہے۔

جب شادی کے دن نزدیک پہنچے تو بادشاہ نے اس کو شاہانہ لباس پہنایا اور سونے کے ہودے میں بٹھا کر دلہن کے ملک کو روانہ ہوا۔لڑکی اپنی حالت پر کبھی ہنستی اور کبھی روتی تھی۔راستے میں ایک ویران جنگل بیابان آیا۔وہاں ایک دیو ملا اس نے لڑکی کی حالت زار جان کر کہا کہ میں اپنی مردانہ علامت تجھے لگادوں گا اور تیری علامت میں اختیار کروں گا۔

جب کچھ دن کے بعد شہزادی واپس ہورہی تھی دیو نے اس سے بیان کیا کہ اچانک ایک دیو آیا اور وہ رہ نہ سکی اس سے مل بیٹھی۔اگر میں دوبارہ مرد بن بیٹھی تو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیگا لہذا میں نے وہ چیز تجھ کو بخش دی۔وزیر نے کہا محال چیزوں کا آدمی سے......ہونا عقل میں نہیں آتا۔

کوتوال نے اس کو ایک حکایت چڑے اور فقیر کی بھی سنائی۔دونوں دانہ چگ رہے تھے۔ایک جبہ پوش فقیر دور سے آتا دکھائی دیا۔اس کی حکایت سے یہ سبق ملا کہ کسی پر ظاہری بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

کوتوال نے کہا کہ خدا کو سب طرح کی طاقت اور قدرت ہے۔لیکن انسانوں کو چاہئے کہ بلاتحقیق بادشاہوں سے کچھ نہ کہے۔پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہئے۔

کوتوال نے وزیر سے رخصت لی اور ملک نگاریں کی راہ لی۔تاج الملوک نے کوتوال کے آنے کی خبر سنی

تو کہا کہ حوضوں کو بھر دو۔فوراً فوارے چھوڑ دو اور کوتوال کو یاقوت کے دالان میں بٹھاؤ۔کچھ دیر بعد تاج الملوک نے بھی تخت شوکت کو زینت بخشی۔

کوتوال اُٹھ کر آداب بجالایا اور کہا کہ گستاخی معاف۔آپ کی خواہش بادشاہ بننے کی تو نہیں ہے۔ کیونکہ دو تلواریں ایک میان میں نہیں رہ سکتیں۔

تاج الملوک نے کہا کہ میں تو حق تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہتا ہوں۔خواہش مطلقاً بادشاہی کی نہیں ہے۔وزیر نے بادشاہ سے جا کر جو کچھ سنا تھا عرض کیا۔بکاولی کہ زین الملک کی خدمت میں حاضر تھی دل میں کہنے لگی الحمدللہ کہ راز سے پردہ اُٹھ رہا ہے اور ناامیدی ختم ہوتی نظر آ رہی ہے۔بادشاہ نے کہا وزیر سے کہ سوائے تیرے کسی اور کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس سے راہ و رسم بڑھائی جائے۔لیکن وہ کام کر کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

جب تاج الملوک کو بادشاہ کے آنے کی خبر پہنچی تو اس نے خاص انتظامات کئے۔انہی دنوں تاج الملوک نے حمالہ سے بھی مدد لی اور کہا کہ بادشاہ جب یہاں تشریف لائے تو اس سرزمین سے اس کے شہر تک فرش باناتی مخمل سرخ و سبز بچھوا دو۔اور ایسے خیمے تیار کرواؤ کہ شاہ کے ہر چھوٹے بڑے امیر کو آرام و سہولت رہے۔بادشاہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان کا بہترین استقبال کیا گیا۔تاج الملوک نے بادشاہ کو زمرد کے مکان میں اعزاز و اکرام سے لا بٹھایا۔اس کے بعد بے حد مزیدار کھانا ہوا۔راگ و رنگ کی محفل گرم ہوئی۔

اس محفل کے بعد بادشاہ اور تاج الملوک دیگر باتوں میں مشغول ہو گئے۔تاج الملوک نے پوچھا کہ آپ کے فرزند کتنے ہیں۔بادشاہ نے چار بیٹوں کے بارے میں کہا کہ ان کے سواء اب کوئی نہیں۔لیکن ایک فرزند اور بھی تھا۔اس کے دیدار نحس کی بدولت یہ بلائے ناگہانی (اندھاپن) مجھ پر نازل ہوئی۔بادشاہ نے ایک امیر جو تاج الملوک کا اتالیق تھا کی طرف اشارہ کر کے ظاہر کیا کہ دیکھو اس مجلس میں اس کی شکل کے مشابہہ کوئی ہے۔اس جہاندیدہ امیر نے کہا کہ تاج الملوک میں اکثر اس کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔اور بول چال کی وضع بھی بہت ملتی ہے۔

اس کلام کے بعد تاج الملوک اُٹھ کر باپ کے قدموں پر گر پڑا اور شکر ادا کیا کہ جس طرح کی خواہش تھی دیدار کیا اور قدمبوسی کی۔

بادشاہ نے کہا کہ یہ حشمت واقبال اللہ نے جو تمکو بخشا ہے ہمکو تمہارے روز پیدائش کے زائچے سے حاصل ہوا تھا۔ بادشاہ نے شہزادہ سے پوچھا کہ تمہاری شادی بھی ہوئی یا نہیں۔شہزادہ نے کہا کہ اس کی دو منکوحہ ہیں۔شہزادہ نے اسی وقت محل میں جا کر دلبر اور محمودہ کو شاہ کی خدمت میں لے آیا۔ دونوں اس گھر کے قریب جہاں بادشاہ بیٹھے تھے آ کر ٹھٹک پڑیں۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ چاروں شہزادے دلبر کے آزاد کردہ غلام تھے۔اس راز کے فاش ہونے پر چاروں شرمندہ ہوکر وہاں سے اُٹھ گئے۔تب دونوں نے آ کر بادشاہ کی قدمبوسی کی۔ پھر زین الملوک نے تمام سرگزشت سنی اور دلبر و محمودہ کا حال دریافت کیا۔شہزادے نے بھی شدائد و محنت بیابان کی اور بھائیوں کے داغ کھانے کا حال بیان کیا۔

گل مذکورہ چھین لینا بھائیوں کا اور پھر باغ و حویلی کی تعمیر کی تفصیلات بیان کیں۔ بادشاہ نے شکر ادا کیا اور کہا کہ تم نے تو میری آنکھیں گل بکاولی سے روشن کیں اور اپنے دیدار سے میرے دل کو سرور بخشا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کی ماں کو بھی مژدہ سناؤں۔ یہ کہہ کر بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور محل جا کر تاج الملوک کی ماں سے معافی چاہی۔اس کو سرفراز کیا اور بیٹے کا مژدہ سنایا۔

صفحہ۹۹۔ بارہویں کہانی میں زین الملوک تاج الملوک سے مل کر واپس اپنے دارالسلطنت آتا ہے۔ بکاولی اُس کے ہمراہ ہے، زین الملوک سے رخصت ہوکر اپنے باغ میں آتی ہے اور ''ایک اشتیاق نامہ'' لکھ کر اپنی ہمراز سمن روپری کے ذریعہ تاج الملوک کی انگوٹھی کے ساتھ شہزادے کو بھیجتی ہے۔شہزادہ انگوٹھی کو دیکھتے ہی پہچان جاتا ہے اور خط پڑھ کر خوش ہوتا ہے کہ آخر بکاولی کے عشق کی آگ اور بھڑکی ''سیماب کے مانند بیتاب ہوا'' پھر ''قلم فراق رقم پکڑ'' نامے کا جواب لکھا اور سمن روپری کو خط کے ساتھ اور ''زبانی بھی پیغام اشتیاق تمام نسبت سے'' دے کر روانہ کرتا ہے۔

تیرہویں حکایت میں بکاولی، سمن رو کے ذریعہ حمالہ کو بلاتی ہے۔حمالہ بکاولی کے چہرے کو دیکھ کر فکر کا اظہار کرتی ہے کہ کیا ہوا ''اے یاسمن چمن نشاط وا ے نسترن گلبن انبساط، تیرا غنچۂ دل ایسا کیوں تنگ آیا جو تو نے اپنا یہ رنگ بنایا'' بکاولی حمالہ کی یہ گفتگو سن کر ڈانٹتی ہے کہ سب کچھ جان کر انجان بنتی ہے جبکہ ''یہ تیری ہی آگ لگائی اور بلا لائی ہوئی ہے'' اور ''اگر اپنا بھلا چاہتی ہے تو جلد جا اور اُسے مجھ تلک لا'' حمالہ بکاولی کو دلاسہ دے کر شرقستان کی طرف جاتی ہے اور تاج الملوک سے کہتی ہے ''اُٹھ رے او پتنگے اُڑ چل تجھے تیری شمع نے یاد کیا

ہے۔'' یہ سنتے ہی شہزادہ اُس کے پاؤں پر گر جاتا ہے۔حمالہ اُسے سمجھا کر بکاولی کے ملک کا رستہ لیتی ہے۔

اِدھر بکاولی کی ماں جمیلہ خاتون کو اطلاع ملتی ہے کہ بکاولی ''بروگن سی بن گئی ہے، شاید کسی آدم زاد پر وہ دیوانی ہوئی ہے'' تحقیق کے لئے بکاولی کے پاس آتی ہے اور چہرے کو دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ عشق کا مرض لاحق ہے۔خوب کوستی ہے طعنے دیتی ہے۔ بکاولی ان تمام باتوں سے صاف انکار کرتی ہے اور کہتی ہے ''میں نے تو عشق کا نام آج تک نہیں سُنا اور آدمی کو خواب میں بھی نہیں دیکھا، سچ بتاؤ کس نے یہ توطیا باندھا اور تم سے کون کہہ گیا۔غرض ماں کو یقین دلایا کہ وہ معصوم ہے۔اتنے میں حمالہ شہزادہ کو لے کر آتی ہے۔ بکاولی اشارہ سے کہتی ہے کہ کہیں محفوظ مکان میں چھپادو، رات دیر گئے تک بکاولی اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے جب ماں کو نیند کے آغوش میں بے خبر دیکھتی ہے تو دبے پاؤں شہزادہ کے یہاں آتی ہے وہ اسے دیکھتے ہی غش کھا جاتا ہے۔ بکاولی ''اُس کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھ'' لیتی ہے، کچھ دیر بعد شہزادہ ہوش میں آتا ہے اور ''سر کو اپنے اُس زہرہ جبین کے زانو پر دیکھا بخت کے کوکب کو اوج پر پایا خوش وخرم اُٹھ بیٹھا'' دونوں میں راز و نیاز ہوئے اور ''جام وصال دونوں نے پیا اور آتش فراق کو ٹھنڈا کیا۔''

آدھی رات کے وقت جمیلہ خاتون کی نیند ٹوٹتی ہے دیکھتی ہے چاندنی کی بہار ہے اور باغ نورِ باغ دکھائی دیتا ہے ''بے اختیار اُٹھ کھڑی ہوئی اور سیر کرنے لگی، ناگاہ اُس جگہ جہاں وے دونوں خوابیدہ بخت لیٹے ہوئے بے خبر سوتے تھے جا نکلی'' اُس کی آتشِ غیرت بھڑکی اور تاج الملوک کو ''سنگ فلاخن کے طلسم میں پھینکا'' اور ''بکاولی کے گل رخسار کو طمانچوں سے گُل ارغوان بنادیا'' اور اپنے ساتھ گلستان ارم لے جاتی ہے۔ بکاولی کے باپ فیروز شاہ سے تمام ماجرا سناتی ہے۔ وہ کئی ''پریانِ خوش بیان اور چرب زبان'' مقرر کرتا ہے کہ بکاولی کو نصیحت کریں اور ''انسان کا نقش اُلفت اس کے لوح دل سے دھویا کریں۔'' لیکن ان پریوں کی باتوں سے ''بکاولی کے عشق کی دبی دبائی آگ سلک اُٹھتی اور شعلۂ اشتیاق دونا بھڑک جاتا تھا۔'' دِن تو کسی طرح کٹ جاتا لیکن رات میں تاج الملوک کی یاد ستایا کرتی تو ہجر وفراق کے حامل اشعار پڑھا کرتی، پریوں نے محسوس کیا کہ اس کے ''مزاج میں دن بدن سودا کو بڑھتے پایا، جانا کہ عشق نے اس کے دل میں گھر بنایا ہے......'' ناچار فیروز شاہ سے ساری کیفیت کہتے ہیں کہ ''وہ کسی طرح نہیں سمجھتی اور پتھر کو جونک نہیں لگتی'' فیروز شاہ ان باتوں سے سمجھ جاتا ہے کہ ''بیٹی ہاتھ سے جا چکی'' تب طلسمات میں قید کیا اور اُس سیم تن کے پانوں میں لوہے کی زنجیر کو

بھر دیا......''

چودھواں قصہ میں تاج الملوک کے حالات بیان ہوئے ہیں کہ جمیلہ خاتون نے جب شہزادے کو ہوا میں پھینکا تو وہ ایک دریائے عظیم میں جا گرا بعد چند روز وہ پانی کے تھپیڑے کھاتے ہوئے خشکی پر پہنچا۔ کچھ دور اُسے ایک جزیرہ نظر آتا ہے۔ شہزادہ وہاں جاتا ہے۔ وہاں اُسے ایک عجیب باغ دکھائی دیتا ہے۔ جہاں درختوں پر لعل کے بجائے ''آدمیوں کے کلّے'' نظر آتے ہیں۔ شہزاد قریب جاتے ہی وہ ''کھل کھلا کر ہنس پڑے پھر سب کے سب زمین پر گرے، بعد ایکساعت کے اور کلّے اُن شاخوں میں پیدا ہوئے''۔ شہزادہ ڈر کر وہاں سے بھاگ جاتا ہے وہاں سے ایک دوسرے باغ میں پہنچتا ہے جہاں انار کے درخت ہیں لیکن ''ہر یک انار گھڑے کے مانند'' ہے۔ تاج الملوک ایک انار توڑ کر چیرتا ہے انار میں سے ''چھوٹے چھوٹے پرندے خوش رنگ'' نکلتے ہیں اور چڑیوں کے جھنڈ کی طرح اُڑ جاتے ہیں۔ شہزادہ یہ ''صنعت خالق'' دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ چند روز وہ یہ عجائبات دیکھتا ہے پھر سوکھی لکڑیوں سے ایک پشتارہ بنا کر دریا میں ڈالتا ہے۔ کچھ دن بعد ایک ہول ناک بیابان میں جا اُترتا ہے۔ شام کے وقت درندوں کے ڈر سے پیڑ پر جا بیٹھتا ہے۔ ایک پہر کے بعد ایک دکھن کی جانب سے بھیانک آواز آتی ہے دیکھتا ہے کہ پہاڑ سا ایک اژدھا اسی درخت کے نیچے موجود ہے۔ اُسے دیکھتے ہی ''اس کے تو حواس اُڑ گئے، درخت کی ڈالی سے لپٹ کر دم بخود ہو رہا'' اژدھا کچھ ساعت بعد ایک کالے کو اُگلتا ہے اور کالا ایک من اُگلتا ہے جو آفتاب سا چمکتا ہے اس کی چمک سے جنگل پہاڑ روشن ہو جاتے ہیں اور ''وحوش و طیور اُس کے آگے آ کر ناچتے'' ہیں اور آخر مدہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اژدھا اُن کو کھا جاتا ہے۔ کالا پھر من کو نگل جاتا ہے اور کالے کو اژدھا اور پھر وہ وہاں سے چلا جاتا ہے۔ شہزادہ یہ سب دیکھ کر پہلے تو حیران رہ جاتا ہے پھر اُس من کو حاصل کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ دوسرے دن اژدھا پھر آتا ہے۔ کالے کو اُگلتا ہے اور کالا من کو اُگلتا ہے۔ شہزادہ من پر سمندر کے کیچڑ سے بنایا گیا ''لونڈا'' من پر ڈالتا ہے جس سے ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ اژدھا اور کالا سر ''پٹک پٹک'' کر مر جاتے ہیں۔ صبح شہزادہ کیچڑ کے لونڈا سے وہ ''مہرہ نورانی'' نکال لیتا ہے اور کمر میں باندھ کر آبادی کی تلاش میں آگے جاتا ہے۔ دن کو آبادی تلاش کرتا اور رات کو کسی درخت پر پناہ لیتا ہے۔ ایک رات ایک ایسے درخت پر جا بیٹھتا ہے جہاں ''بولتی مینا کا گھونسلا بھی تھا۔'' وہ ہر روز اپنے بچوں کو نقلیں اور کہانیاں سناتی ہے۔ اُس رات بچوں نے اس بیاباں کی کہانی سنانے کی فرمایش کی۔ مینا بچوں کو بتاتی

ہے کہ اس بیاباں میں بے شمار خزانے ہیں اور دکھن کی طرف ایک حوض کے کنارے ایک درخت ایسا ہے کہ اگر ''کوئی اس کے پوست کی ٹوپی پہنے تو کسی کو نظر نہ آوے اور وہ سب کو دیکھے'' درخت کے قریب ایک حوض ہے جہاں ایک سانپ رہتا ہے اگر کوئی مرد اُس حوض میں چلا جائے تو وہ کوّا بن جائے۔ پھر اُڑ کر درخت کی پچھّم ڈالی پر چلا جائے وہاں لال اور سبز پھل لگے ہیں اگر کوا لال پھل کھالے تو اصل صورت پر آجائے۔ اس درخت کی لکڑی اگر ہزار من لوہے کے قفل کو ذرا چھوا دے تو فوراً کھل جائے، درخت کا سبز پھل کمر میں باندھے تو ہوا پر اُڑتا پھرے اس کے پتّوں کی یہ خاصیت ہے کہ زخم پر رکھتے ہی فوراً بھر آوے۔

تاج الملوک ان تمام باتوں پر عمل کرتا ہے پھل کھا کر اپنی صورت میں آتا ہے اور لکڑی سے ران چیر کر ''کالے کامن'' اُس رکھتا ہے اور درخت کے پتے زخم پر رکھتا ہے فوراً زخم بھر جاتا ہے وہاں سے آبادی کی تلاش میں روانہ ہوتا ہے۔

پندرھویں داستان میں تاج الملوک آبادی کو تلاش کرتا ہوا سنگ مرمر کے حوض پر پہنچتا ہے اور ''سہانی جگہ اور ٹھنڈی چھانوں'' دیکھ کر شاہزادہ ایک آن کی آن سو گیا'' جب آنکھ کھلی تو پانی کی صفائی بھلی معلوم ہوئی۔ ٹوپی اور عصا ایک درخت کے نیچے رکھ کر پانی میں غوطہ مارتا ہے اور جب پانی سے سر باہر نکالتا ہے تو خود کو کسی اور جگہ پاتا ہے اور اسی کے ساتھ وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کی جنس تبدیل ہوگئی ''گل سے رخسارے کہ خط سبز دار تھے یاسمین کے مانند سمنا (کندا) ہوگئے اور صندل سی چھاتی پر انارسی کُچنن نمود ہو آئیں۔'' اس آفت سے گھبرا کر جب کچھ تدبیر نہ سوجھی ایک جگہ بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد ایک خوبرو نوجوان وہاں آنکلتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہے۔ اس ویرانے میں آنے کا سبب پوچھتا ہے اور پناہ دینے کی غرض سے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ نوجوان تو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوگیا تھا اُس سے شادی کر لیتا ہے۔ شہزادہ اپنی اس حالت پر کبھی ہنستا ہے اور کبھی روتا ہے آخر کار اُسے لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

چالیسویں روز گھر سے قریب ایک حوض میں غوطہ لگاتی ہے جب سر باہر نکالتی ہے تو پھر سے اُس کی جنس تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ ایک حبشی جوان کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ شہزادہ خُدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ پھر سے مرد ہوگیا۔ شہزادہ اسی فکر میں تھا کہ ایک خوفناک بُھتنی نمودار ہوتی ہے اور اُسے اپنا شوہر قرار دے کر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ گھر میں بچے اُسے سے لپٹ جاتے ہیں شہزادہ اس تبدیلی پر حیران رہ جاتا ہے کچھ دیر بعد وہ بُھتنی

اُسے کلہاڑی لاکر دیتی ہے کہ جنگل جا کر لکڑیاں کاٹ لا۔شہزادہ اسے غنیمت سمجھتا ہے۔جنگل میں ایک حوض نظر آتا ہے وہ سوچتا ہے کہ دو دفعہ غوط لگایا دو شکلیں بنی تیسری بار بھی غوطہ مار کر دیکھ لیا جائے جیسے ہی وہ غوطہ مار کر سر اوپر نکالتا ہے''اُسی صورت اصلی میں پہلے حوض کے کنارے پر پایا، لاٹھی اور ٹوپی کو جہاں کی تہاں رکھے ہوئے دیکھا''،سجدہ شکر الٰہی بجالایا اور دل میں اقرار کیا کہ اب کسی حوض میں ہرگز غسل نہ کیجیئےبلکہ ہاتھ بھی نہ ڈالئے۔

سولھویں داستان تاج الملوک سبز میوے کی قوت سے ہوا کے دوش پر اُڑتا پھرتا ہے کہ اُسے ایک ایسا پہاڑ نظر آیا جہاں سے کوہ قاف بھی پشتہ نظر آتا ہے یہاں ایک سنگین حویلی نہایت بلند نظر آئی۔شہزادہ حویلی میں چلا جاتا ہے لیکن اُسے کوئی بھی نظر نہیں آتا ہے ایسے میں اُسے ایک دردناک آواز سنائی دیتی ہے جب وہ آواز کی سمت جاتا ہے تو اُسے ایک حسین عورت پلنگ پر لیٹی ہچکیاں لے لے روتی نظر آتی ہے۔تاج الملوک اُس سے رونے کا سبب دریافت کرتا ہے۔حسین عورت اُس سے کہتی ہے کہ یہاں سے چلا جا کیوں متلاشی عزرائیل کا ہوتا ہے۔شہزادہ کہتا ہے کہ اگر تجھے میرا سر چاہیے تو حاضر ہے لیکن کسی اور سے ڈرانا مقصود ہے تو میں نہیں ڈرتا ۔حسین عورت اُسے اپنی بپتا سناتی ہے کہ وہ فردوس کے مظفر شاہ کی بیٹی روح افزاء ہے اور ایک روز وہ اپنے چچا کی بیٹی بکاولی سے ملنے جارہی تھی کہ اُسے ایک دیو سیاہ رونے پکڑا اور یہاں قید کر دیا اور اب نزدیکی چاہتا ہے۔انکار پر ہر ہر روز''نئی نئی وضع سے ستاتا ہے۔''شہزادہ روح افزاء سے پوچھتا ہے کہ تیرے''چچا کی بیٹی کو کیا مرض ہے''وہ بتاتی ہے کہ وہ کسی آدم زاد سے عشق کرتی ہے اسی لئے چچا نے اُسے قید کر رکھا ہے'' یہ سن کر شہزادہ کی حالت تغیر ہوگئی آنکھیں بھر آئیں، آہیں لب پر آئیں دل و دماغ میں خلل پڑا چہرہ متبدل ہوگیا''۔روح افزاء دریافت کرتی ہے کہ''موجب آہ سرد کا کیا ہے''شہزادہ بتاتا ہے کہ وہی وہ آدم زاد ہے جو بکاولی کو چاہتا ہے۔ روح افزاء شہزادہ کی محبت پر تحسین کرتی ہے اور شہزادہ کے ساتھ عصا کے سہارے فردوس کی جانب روانہ ہوتے ہیں''چنداں دور نہ گئے تھے کہ ناگاہ ایک آواز مہیب پیچھے سے آئی۔''تاج الملوک کلاہ بغل سے نکال روح افزا کے سر پر رکھتا ہے اور آپ دیو کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔شہزادہ دیو سے کہتا ہے''خبردار آگے قدم نہ بڑھائیو نہیں تو ایک ہی ہاتھ ایسا ماروں گا کہ مردار ہو جائیگا'' دیو کہتا ہے۔''عجب تماشے کی بات ہے کہ چیونٹی ہاتھی سے مقابلہ کیا چاہتی ہے اور چڑیا سیمرغ سے لڑا چاہتی ہے، مجھے ننگ آتا ہے کہ مکھی کے خون سے کیا ہاتھ بھروں اور جس ہاتھ کے طمانچے کا زور کوہ قاف کے منہہ کو پھرا دے ایک مشت خاک پر اُسے کیا ماروں۔''شہزادہ، دیو کو لعن طعن کرتا

ہے جس پر دیو سیاہ رو ''غصہ سے'' دیگ کے مانند آتش غضب سے جوش میں آتا ہے ''اور ایک بڑا سا پتھر شہزادے پر دے مارتا ہے شہزادہ سبز میوے سے اُسے پاش پاش کر دیتا ہے اور پھر سیاہ دیو کی گردن پر سراج القرطب مارتا ہے جس سے ''تمام بدن اُس کا کانپ اُٹھتا ہے'' دیو ''حریف کونہایت شہ زور پایا تب ایسا شور مچایا کہ چاروں طرف سے ہزاروں دیو گاوسر اور فیل تن آن پہنچے اور شاہ زادے کو گھیر لیا، تاج الملوک نے بھی اُس میدان میں جیسی چاہئے ویسی ہی جوان مردی کی داد دی اور دیوؤں کی لڑائی بات کی بات میں مار لی۔''

شہزادہ دیوؤں سے لڑتے لڑتے ''بہت ماندہ'' ہو گیا تھا۔ فتح کے بعد غش کھا کر گر پڑتا ہے۔ روح افزاء اُسے ہوش میں لاتی ہے اور دونوں جزیرۂ فردوس کی راہ پکڑتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر روح افزا، شہزادہ کو ایک باغ میں چھوڑ ''ماں باپ'' کی ملاقات کے لئے جاتی ہے ماںباپ اُسے زندہ دیکھ کر ''ماتھا اور آنکھیں چومیں پھر سرگزشت پوچھی'' تب روح افزا اذیت دیو ستم گار کی اور مروت و جوان مردی شاہ زادہ عالی تبار کی سناتی ہے۔ مظفر شاہ سنتے ہی شہزادے کو بلا کر اُس کا شکریہ ادا کرتا ہے اور ''کتنی پریاں اور پریزاد اُس کی خدمت کے لئے متعین کر کے اپنے دولت خانے چلا جاتا ہے۔''

سترھویں کہانی میں مظفر شاہ اپنے چھوٹے بھائی فیروز شاہ کو خط کے ذریعہ اطلاع دیتا ہے کہ روح افزا گھر آ گئی ہے۔ اس اطلاع پر جمیلہ خاتون اپنی بیٹی بکاولی کے ساتھ روح افزاء کو دیکھنے آتی ہے۔ روح افزاء، بکاولی کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور اشاروں کنایوں میں تاج الملوک کی خبر دیتی ہے۔ بکاولی ان اشاروں کا کچھ اور ہی مطلب لیتی ہے اور اپنی معصومیت کی قسمیں کھاتی ہے۔ جمیلہ خاتون جب گلستان ارم کے لئے تیار ہوتی ہے تو روح افزاء کچھ دن کے لئے بکاولی کو اپنے یہاں جزیرہ فردوس میں روک لیتی ہے اور ''بکاولی کو اکیلا لے بیٹھی باتیں عشق آمیز کرنے لگی طول بہت دیا آخر تاج الملوک کے بھی سوز و گداز سے کچھ کنایہ کیا، تب تو بکاولی ہم چشمی کے باعث سے کھسیانی ہو گئی اور مارے شرم کے پانی پانی'' پھر غصے سے مُنہہ پُھلا کر بولی واہ واہ مجھے یہ ہنسی خوشی نہیں آتی اور ایسی چھیڑ چھاڑ نہیں بھاتی۔'' اور حضرت سلیمان کی قسم کھا کر کہتی ہے کہ ابھی اپنے گھر چلی جاونگی ''روح افزاء اُسے دلاسہ دیتی ہے سمجھاتی ہے اور باتوں باتوں میں اُس جگہ لے آتی ہے جہاں تاج الملوک آہ و زاری کر رہا ہے۔ بکاولی آواز سن کر پریشان ہو جاتی ہے پھر روح افزاء اچانک اُسے تاج الملوک کے سامنے لے آتی ہے دونوں فراق کے مارے بغل گیر ہوتے ہیں اور ''روح افزاء یہ دیکھ قہقہہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی ای

بھینا تو تو اب تک دنیا کی لذت سے واقف نہیں بیگانے مرد کا منہہ بھی آج تک نہیں دیکھا پھر اس نامحرم مرد وے کے گلے لگ کر زار زار کیوں روتی ہے۔''بکاولی کہتی ہے''اب تو میرا راز بالکل تجھ پر ظاہر ہوا اور پردہ کھل گیا میرے حق میں جو تو چاہے کر مختار ہے۔''بکاولی کی روانگی کا دن آ پہنچا۔''اور وہ گلستان ارم جانے لگی۔روح افزا اُس کو تسلی دیتی ہے کہ صبر سے کام لے''خاطر جمع رکھ ماباپ کی فرمان برداری کر اور جناب الٰہی میں الحاج وزاری پھر دیکھو تو پردۂ غیب سے ظہور میں کیا آتا ہے۔''بکاولی گلستان ارم چلی جاتی ہے۔

جب بکاولی روح افزاء سے رخصت ہو کر اپنے گھر گئی۔تب روح افزاء نے شہزادہ اور بکاولی کے عشق کی تمام کیفیت اپنی ماں سے ظاہر کی۔حسن آراء سوچ کر بولی کہ اگر چہ ناطہ رشتہ آدمی اور پری کے درمیان ہونا محال ہے مگر مجھکو بھی لازم ہے کہ شہزادہ کو بھی غم والم سے چھڑاؤں یہ کہہ کر اسی وقت ایک مصور کو بلا کر شہزادے کی تصویر ہو بہو بنوا کر گلستان ارم لے گئی۔چند روز وہیں رہی۔ایک دن جمیلہ خاتون سے باتیں کرتے کرتے مطلب کی بات زبان پر لائی۔کہ کب تک تو بکاولی کو کنوارہ رکھے گی۔یہ سن کر جمیلہ خاتون نے کہا کہ اس نے آدم زاد سے دل لگایا ہے۔میں اس معاملہ میں لاچار ہوں۔اگر چہ لطیف کا کثیف سے ناطہ جوڑنا مشکل ہے لیکن تو حضرت انسان کو نہیں جانتی۔اللہ تعالیٰ خود انسان کی بزرگی بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ''پیدا کیا ہم نے ان کو بہترین صورت پر۔اس نے انسانوں کو ساری مخلوقات سے اشرف واعلیٰ بنایا ہے۔پس انسان مجمع جمیع اسماء وصفات ایزدی ہے۔''

جمیلہ خاتون نے کہا کہ اس کو کہاں سے ڈھونڈھوں اور کس تدبیر سے لاؤں۔

حسن آراء نے کہا تم شادی کی تیاری کرو میں اس شخص کو دلہا بنا کر لے آتی ہوں۔پھر جزیرہ فردوس میں آ پہنچی اور شہزادہ کو وصل دائمی کا بھروسہ دیا۔

جمیلہ خاتون نے جو گفتگو دونوں بہنوں کے درمیان ہوئی تھی فیروز شاہ سے جا کر اظہار کی اور تصویر دکھائی۔بادشاہ نے وہ تصویر سمن پری کے ہاتھ بکاولی کے پاس بھجوادی۔شہزادی بھی اس حسن اتفاق سے بہت خوش ہوئی۔فیروز شاہ نے شادی کا حکم دیا۔شہزادہ نے جڑاؤ جوڑا پہنا اور بارات بڑی شان سے جزیرۂ ارم کو روانہ ہوئی۔وہاں بکاولی کو عورتیں آراستہ کرنے لگیں۔عقد ہوا تو اضع کی گئی پھر دلہن کو خلوت خانے میں پہنچا دیا گیا۔شہزادے اور بکاولی نے خلوت کے خوب مزے لئے۔آخر روح افزاء اپنے ماں باپ سمیت رخصت ہو کر

گھر گئی اور تاج الملوک نے وہیں بود و باش اختیار کی۔

ایک روز تاج الملوک اور بکاولی نے آپسی مشورہ کر کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے روانگی کی اجازت مانگی۔ انھوں نے کہا بہت بہتر۔ شہزادہ بڑی شان وشوکت سے بکاولی سمیت اپنے ملک پہنچا۔ شہزادہ کا آنا ان (بیویوں) کے لئے بیمار کے واسطے مسیحا کا آنا ثابت ہوا۔ بکاولی نے سب کو یقین دلایا کہ تم لوگ کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو میں تمہارے عیش میں مطلق خلل انداز نہ ہونگی۔ چنانچہ وہ سب شیر وشکر کی طرح آپس میں مل جل کر رہنے لگیں۔

امرنگر نام کے شہر میں راجہ اندر کا راج تھا۔ ایک رات راجا نے کہا فیروز شاہ کی بیٹی ایک مدت سے ہماری محفل میں نہیں آئی۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ ایک پری نے عرض کیا کہ وہ انسان کے دام عشق میں گرفتار ہوئی ہے۔ شراب وصل اس کے ساتھ پیتی ہے۔ یہ ماجرا سن کر راجا کا شعلۂ غضب اور بھی بھڑ کا پریوں سے کہا کہ اس کو اسی وقت حاضر کرو۔ راجا نے حکم دیا کہ اس کو آگ میں ڈالدیا جائے تا کہ اس کے جسم سے انسانوں کی بو باس چلی جائے۔ جب اس کو آگ میں ڈالدیا گیا گو وہ جل کر راکھ ہوگئی۔ اس کے بعد پانی پر کچھ منتر پڑھ کر پھونکا تو فوراً جی اُٹھی۔ اس نے تماشائیوں کو اس طرح مخمور کر دیا کہ مجلس کا ناچ کر حق ادا کر دیا۔ تب بکاولی آداب بجالا کر راجہ سے رخصت ہوئی۔ گلاب کے حوض میں نہا دھو کر شہزادہ کے بغل میں سو رہی۔ روز جا کرنا چا کرتی۔ ایک رات شہزادہ کی نیند ہوشیار ہوئی۔ بکاولی کو نہ پایا۔ ہر طرف اس کو ڈھونڈا لیکن کوئی پتہ نہ چلا۔ جب وہ سو گیا تو بکاولی بھی اس کے ساتھ آ کر سو رہی۔ شہزادہ نے حقیقت جاننے کی ٹھانی۔ شہزادہ خاموشی سے جا کر تخت کا پایہ پکڑ کر بیٹھ رہا۔ لٹکا لٹکا راجہ اندر کے دروازہ پر جا اُترا۔ وہ یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر نہایت حیران رہ گیا۔ بکاولی کا پکھاوجی بہت ضعیف تھا اور ناتوانی کی وجہ سے اچھی طرح بجا نہ سکتا تھا۔ شہزادہ بے چین ہوگیا۔ اور سازندے سے اجازت لے کر گتیں بجانے لگا۔ شہزادہ نے ساری کہانی سنا دی اور تکیہ کے نیچے۔ نولکھا ہار بھی نکال کر بتایا۔ شہزادی نے کہا تو اپنا دشمن آپ بنا میں نے تیرے لئے کیا کیا تکلیفیں نہ اُٹھائیں۔ آگ میں جلنا بھی گوارا کیا۔ اب کیا ہوسکتا ہے تجھے ساتھ لیجانا ہی پڑیگا۔ شہزادہ نے اتنا اچھا بجایا کہ ساری سبھا دیوانی ہوگئی۔ جب راجہ اندر نے کہا کہ کیا مانگتا ہے۔ اس نے پکھاوجی کا ساتھ مانگا۔ راجہ یہ بات سُن کر بہت برہم ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے اسے تجھ کو ہی بخشا لیکن بکاولی کا نیچے کا دھڑ پتھر کا رہے گا۔ یہ سنتے ہی بکاولی اسی ہیئت کی ہوگئی اور پریوں نے

اُٹھا کر شہزادہ کو نیچے ڈال دیا۔

بکاولی تو راجہ اندر کے سراپ سے پتھر کی ہو کر وہاں سے غائب ہوگئی اور تاج الملوک کو پریوں نے اُٹھا کر جنگل میں ڈال دیا۔ تین دن تو وہ بے ہوش رہا چوتھے دن جو آنکھ کھلی تو بجائے بکاولی کے پہلو میں خار پایا۔ خوب شور و فریاد کرنے لگا۔ وہ نہا کر (ایک سنگ مرمر کے تالاب میں) ایک سایہ دار پیڑ کے تلے اپنی محبوبہ کے تصور میں سو گیا۔ وہاں کئی پریاں آ پہنچیں۔ شہزادہ نے باچشم خونبار بکاولی کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ وہ منگلد یپ کے ایک بت خانہ میں ہے۔ تمام دن اس مندر کا دروازہ بند رہتا ہے اور رات میں کھلتا ہے۔ شہزادہ پتھروں سے سر پھوڑنے لگا۔ ان پریوں کو رحم آ گیا اور انھوں نے مشورہ کر کے اِسے لے اڑیں اور بات کی بات میں وہاں پہنچا دیا۔ ایک برہمن پجاری سے پتہ پوچھا اس نے بتایا کہ دکن کی طرف دریا کنارے ایک نیا مندر آباد ہوا ہے وہ وہیں جا کر بیٹھ گیا جب رات میں اس کے کواڑ کُھل گئے تو وہ اندر گیا۔ رات ساری دونوں نے بات کرتے گذاری اور صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے شہزادہ باہر آ گیا۔ بکاولی نے اپنے کان سے ایک موتی نکال کر دیا۔ تاج الملوک نے اس موتی کو بیچ کر ایک حویلی خریدی۔ اس میں کئی خدمت گار ملازم رکھے۔ بعض پڑوسیوں نے شہزادہ کو شہر کی سیر کروائی۔ تاج الملوک نے دیکھا کہ ان میں بعض شہزادے اور بعض امیر زادے چتر اوت (جو بادشاہ زادی تھی) کے عشق میں مبتلا نظر آئے۔ چتر اوت کے ساتھ دو حسینائیں اور بھی تھیں ایک نرملا اور دوسری چپلا۔ شہزادہ کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر چتر اوت شہزادہ کے عشق میں گرفتار ہوگئی اور دن رات اس کے تصور میں گُھلی جا رہی تھی۔ یہ راز اس کے ماں باپ کو بھی پتہ چل گیا۔ انھوں نے اپنی ساری کوششیں کر لیں لیکن شہزادہ نے ان کی بات نہ مانی۔ شہزادے کو ضرورت پڑی اور اس نے اپنی ران چیر کر سانپ کا من نکالا اور فروخت کرنے بازار پہنچا۔ جوہریوں نے کہا کہ ہم نے ساری عمر اس طرح کا جوہر نہیں دیکھا صرف بادشاہ ہی اس کی قیمت دے سکتا ہے۔ وزیر نے چوری کے الزام میں شہزادہ کو گرفتار کر لیا تا کہ اسی بہانے چتر اوت کا راشتہ اس سے کر دے۔

اس طرح چتر اوت سے شہزادے کی شادی تو ہوگئی لیکن اس کے باوجود اس کے غنچۂ اُمید کو شگفتگی نہ بخشی۔ بادشاہ نے اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی اور رات کو بکاولی کے مندر جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے مشورہ کر کے بکاولی کا مندر ڈھا دیا اور پانی میں اس کو بہا دیا۔ شہزادہ مندر کو نہ پا کر ڈاڑھیں مار مار کر روتا رہا۔ چند روز بے قراری کی

شدت میں کاٹے۔ پھر صبر کرنے لگا اور چتر اوت کی جادو بھری باتوں پر دھیان دیا اور اس کے غنچۂ اُمید کو شگفتگی بخشی اور وصال سے اس کو سرفراز کیا۔

جس جگہ بکاولی کا مندر تھا ایک کسان نے اس کو جُوتا تو وہاں سرسوں پیدا ہوئی۔ اس کا تیل کھانے سے وہ حاملہ ہوئی حالانکہ بانجھ تھی۔ اس کو ایک خوبصورت لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ دراصل بکاولی تھی جب وہ دس سال کی ہوئی تو شہزادہ نے پیام بھیجا۔ کسان یہ سن کر تھر تھر کانپنے لگا۔ مگر شہزادے نے ڈھارس بندھائی اور شہزادی بکاولی نے بھی ان سے کہا کہ وہ شادی کر دیں۔ جب شادی ہوگئی تو اس نے کسان کو اشرفیوں کے گڑے ہوئے خزانے کا پتہ بتایا اور رخصت ہوگئی۔ بے شمار پریاں بکاولی کے لئے آئیں اور وہیں پر اُتریں جہاں شہزادہ چتر اوت اور چپلا و نرملا کو لئے بیٹھا تھا۔ بکاولی یکا یک اندر جا گھسی اور چتر اوت کا ہاتھ پکڑ کر بہنوں کی طرح پیار سے گلے لگ گئی۔ بادشاہ بے حد پریشان ہوا اُٹھا پھر چتر اوت کا ہاتھ پکڑ کر بکاولی کے ہاتھ میں دیا اور کہا یہ میری اکلوتی بیٹی ہے اب تیرے حوالے کرتا ہوں، یہ کہہ کر رخصت کیا۔ تاج الملوک، بکاولی اور چتر اوت تخت پر بیٹھ گئیں۔ پریوں نے تخت تاج الملوک کے محل کی ڈیوڑھی پر رکھ دیا۔ بکاولی اور چتر اوت جونہی اندر گئی وہیں زین الملوک کے وزیر کا بیٹا بہرام جو باغ اور قصر کا ذمہ دار تھا اندر داخل ہوا۔ دلبر اور محمودہ شہزادہ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئیں۔ پھر بکاولی اور چتر اوت سے بھی ہنسی خوشی ملیں۔

شہزادے نے اپنی بحفاظت واپسی کے بارے میں فیروز شاہ، مظفر شاہ اور زین الملوک کو لکھ بھیجا۔ تینوں نے پذیرائی کی اور ملنے کے لئے اپنی شان وشوکت سے آئے۔ غرض ملک نگاریں اور اس کے گردونواح میں انسانوں اور پریزاد کی ایسی کثرت ہوئی کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ بکاولی نے سب کا بہت خیال کیا۔ تین دن بعد سب لوگ خوشی خوشی رخصت ہوگئے۔ عقیق کا دالان بکاولی کے لئے مخصوص کیا گیا۔ بکاولی رات گئے تک شہزادے سے محوِ گفتگو رہتی اس کے بعد اپنی خوابگاہ میں آ کر سو جاتی۔

ایک دن بہرام نے دیکھا کہ روح افزاء کی چوٹی کھڑکی سے باہر لٹک رہی ہے۔ وہ اس میں موجود گوہر شب چراغ دیکھ کر عاشق ہوگیا۔ اس نے دوسروں سے دریافت کیا کہ فلاں کمرہ میں کون رہتا ہے۔ سب نے جواب دیا کہ اس میں روح افزاء رہتی ہے۔ دوسرے دن وہ کمند مار کر اس کمرہ میں جا گُھسا اور روح افزاء جو چت سو رہی تھی، بدمستوں کی طرح بے خود ہوگیا۔ روح افزاء نے اس جرات کی اسے خوب سزا دی اور نامراد

واپس کر دیا۔لیکن اسکی محبت دل میں بیٹھ گئی۔

لیکن روح افزاء بکاولی سے اجازت مانگے بغیر دوسرے دن چلی گئی۔ بہرام کا عشق کے مارے برا حال تھا۔ادھر روح افزاء بھی اس کے عشق میں گرفتار ہو چکی تھی۔ ہمیشہ اُس کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی۔

بہرام روح افزاء کے فراق سے یہاں تک لٹ گیا کہ دبلا پے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔لیکن اس بات کی سوائے سُمن رو کے کسی کو پتہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ بہرام کو نصیحت کیا کرتی تھی کہ اپنے دل سے یہ اندیشۂ فاصد نکال دے۔

سمن رو نے دیکھا کہ روح افزاء کے عشق میں بہرام اتنا آگے بڑھ گیا ہے کہ کوئی اس کا علاج نہیں۔اس نے بہرام کو جزیرۂ فردوس میں پہنچانے کی ذمہ داری لی۔اور آگے کا حال قسمت پر چھوڑ دیا۔تب سمن رو نے بہرام کو زنانے کپڑے اور گہنے پہنائے۔اسکو لے کر اپنی منہ بولی بہن بنفشہ کے گھر پہنچی۔ وہ پوچھنے لگی کہ یہ نوجوان لڑکی تمہارے ساتھ کون ہے۔اس نے اپنی دینی بہن بتایا۔ایک روز بنفشہ کہیں گئی ہوئی تھی، بہرام نے جو گھر خالی پایا آئینہ نکال کر اُس کی پشت پر کچھ لکھا اور جہاں کا تہاں رکھ دیا۔

ان اشعار میں یہ لکھا تھا کہ جو بھی آئینہ میں نظر آتا ہے وہ تیرے رُخ روشن کا پرتو ہے۔

شہزادی نے آئینہ مانگا بہرام نے جلدی سے اُٹھا کر پشت کی طرف سے اسے دکھا دیا۔ وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔اس نے بنفشہ سے درخواست کی کہ وہ دونوں کو اکیلا چھوڑ دے جب تنہائی ملی تو روح افزاء نے پوچھا کس واسطے آئے ہو۔اس نے جواب دیا پروانے کے آنے کا سبب شمع پر بخوبی روشن ہے۔اس نے بہرام کو خوب ڈرایا۔ وہ مارے ڈر کے تھر تھر کانپنے لگا۔ بے حواس ہو گیا۔تب پریزاد سہم گئی۔ مبادا کہ ڈر کے مارے مر نہ جائے۔اس نے اس کا سر زانو پر رکھ کر اپنے رُخ گلفام کی خوشبو یہاں تک سنگھائی کہ اس کو ہوش آ گیا۔ مارے خوشی کے بہرام ہر نئی اور پرانی بات بھول گیا اور اس کے ہونٹوں سے ہونٹ ملا دیئے۔ وہ بھی اپنے تئیں رُک نہ سکی۔ بہرام نے جی بھر کر اس سے لطف اُٹھایا۔ پھر تو روح افزاء کا ایسا جی لگا کہ اس کو قمری بنا کر ایک سونے کے پنجرے میں اپنے سامنے رکھا۔ رات کو پنجرے سے نکال کر......اُٹھاتی۔ کچھ مدت اسی طرح گذر گئی اس کی ماں کو جب خبر ملی تو وہ صبح صبح آدھمکی اس کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔اس نے روح افزاء کی خواصوں کو خوب ڈرایا دھمکایا ایک خواص نے ڈر کے مارے بتلا دیا کہ وہ دن رات قمری سے مشغول رہتی ہے

۔اس نے پنجرہ کو اُتار لیا۔فوراً ہی وہ پنجرے کو لے کر اُڑی اور مظفر شاہ کے آگے رکھ دیا۔اس نے ٹٹول کر گلے سے تعویز نکالی جونہیں اسے کھولا بہرام آدمی ہوگیا۔اس نے بہرام کو خوب بُرا بھلا کہا اور حکم دیا کہ اس کو آگ میں لیجا کر ڈالدو۔

اتفاقاً تاج الملوک اور شہزادی بکاولی گلستانِ ارم کی سیر کو آئے تھے۔جزیرۂ فردوس کے قریب پہنچے۔جی میں آیا روح افزاء سے بھی مل لیں۔انھوں نے دیکھا کہ لکڑیوں کا انبار لگا تھا اور بہرام اس میں بیٹھا تھا۔لوگ چہار طرف سے آگ بھی دے چکے تھے۔بکاولی کی نظر پڑی۔فی الفور پکار اُٹھی کہ بہرام کو باہر نکالو۔

اس نے روح افزاء کی والدہ سے کہا کہ اس کی تقصیر معاف کردیں اور بہرام کی روح افزاء سے شادی کردیں۔اگر آپ انسانوں کو حقیر جانتے ہیں تو پھر مجھ کو تاج الملوک سے کیوں بیاہا تھا۔مظفر شاہ یہ باتیں سن کر سر نیچا کر لیا اور کہا بہت بہتر تم اس کی مختار ہو۔اس کو مائیوں بٹھا کر تاج الملوک کے ساتھ بہرام کو لے کر جزیرۂ ارم میں آ پہنچی۔بہرام بھی تمام شاہی لباس پہن کر گیا اور روح افزاء کو بیاہ لایا سب کے سب شاد ہوئے اور بخوبی آباد ہوئے۔

☆☆☆

مقدمہ

(و)

مذہب عشق کی حکایات

مذہب عشق میں نہال چند لاہوری نے چار حکایتیں بھی شامل کی ہیں۔ یہ حکایات تمثیلی پہلو کی حامل ہیں اور داستان کے کرداروں اور قارئین کی نصیحت کے لیے بیان کی گئیں ہیں۔ مذہب میں نہال چند نے حکایت بیان کرنے کے بعد ان کے تمثیلی پہلو پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ذیل میں مذہب عشق کی حکایات درج کی جاتی ہیں۔

حکایت برہمن اور شیر کی

کسی جنگل میں ایک روز کسی برہمن کا گزر ہوا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر موٹی رسی سے جکڑا ہوا پنجرے میں بند پڑا ہے۔ وہ اس کو دیکھ کر نہایت غریبی سے گڑگڑانے لگا کہ اے دیوتا اگر تو میرے اس حال زار پر رحم کر کے اس قید سے مجھے نجات بخشے تو اس جان بخشی کے عوض ایک نہ ایک دن میں بھی تیرے کام آؤں گا۔ برہمن سادہ لوح کا دل شیر کے بہلانے پر بھر آیا پر عقل کے اندھے کو یہ نہ سوجھی کہ یہ دشمن ہے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا جانا چاہیے۔ بلا تامل قفس کا دروازہ کھول کر اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے۔ بند سے خلاص ہوتے ہی اس خون خوار نے اس کوتہ اندیش کو گردن سے پکڑ کے اپنی پیٹھ پر ڈال کر وہاں سے چل نکلا

نیکی کرنی بدون سے ہے ایسی
جیسے نیکوں سے کی بدی تو نے

برہمن نے کہا اے شیر میں نے نیکی کی تھی تیرے ساتھ بھلائی کی امید پر برخلاف اس کے تو نے ارادہ بدی کا کیا۔ خیر میں نیکی سے گزرا بدی بھی نہ کر۔ شیر بولا کہ ہمارے مذہب میں نیکی کی جزا بدی ہے۔ اگر میرے کہنے کا اعتبار نہ ہو تو چل کسی دوسرے سے پچھوادوں جو وہ کہے سو کریں۔ اس بات پر وہ گو بر گنیش راضی ہوا۔ اس جنگل میں ایک بڑا پرانا بڑ کا درخت تھا شیر اور برہمن اس کے نیچے گئے۔ شیر نے اپنی درخواست اسے ظاہر کی۔

اس نے جواب میں اس کے یوں کہا کہ سچ کہتا ہے کہ اس وقت میں نیکی کا بدلا سوائے بدی کے اور کچھ نہیں۔ اے برہمن تو میرا حال سن کہ میں بر سر راہ ایک پاؤں سے کھڑا ہو کر سب چھوٹے بڑے مسافروں پر سایہ یکساں کرتا ہوں لیکن جو مسافر کہ گرمی کا مارا ہوا میری چھاؤں میں ستاتا ہے پھر جاتے وقت میری ڈالی توڑ کر اپنے منہ پر سایہ کرنے کو لے جاتا ہے اور کوئی میری شاخ کی لاٹھی بناتا ہے۔ پس بھلائی کا عوض برا ہی ہے یا نہیں۔ شیر نے کہا کہو دیوتا اب تم کیا کہتے ہو۔ کہا کسی اور سے بھی پوچھنا چاہیے۔ شیر نے چند قدم آگے جا کر رستہ سے اس بات کو پوچھا۔ اس نے بھی کہا کہ شیر سچا ہے۔ سنو متر جی جو مسافر مجھے بھول کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے جب کہ میں اس سے ملتا ہوں تب وہ بہ آرام اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے آخر اس کے بدلے میری چھاتی پر پیشاب کرتا ہے بلکہ جاضرور بھی پھرتا ہے۔ برہمن بولا مدھست مانو یعنی تیسرے سے اور بھی اس بات کو دریافت کرلو۔ پھر جو تیری رضا ہو سو ہی بہتر۔ شیر آگے بڑھا سامنے سے ایک گیدڑ ٹیلے پر بیٹھا دکھائی دیا اور اس نے بھی دیکھا کہ شیر آدمی کو جیتا جاگتا لیے آتا ہے۔ اس علت سے اس نے جانا کہ کچھ دال میں کالا ہے اور ارادہ بھاگنے کا کیا۔ شیر نے للکارا کہ اے گیدڑ تو کچھ اندیشہ نہ کر ہم ایک بات پوچھنے تیرے پاس آتے ہیں۔ تب وہ بولا کہ حضرت جو کچھ ارشاد کرنا ہو سو وہیں تشریف رکھ کے کریں کیوں کہ خود بدولت کے رعب سے اس عاجز کے ہوش وحواس کا طائر اڑا جاتا ہے۔ شیر نے کہا کہ اس برہمن نے مجھ سے نیکی کی ہے اور میں ارادہ بدی کا رکھتا ہوں کہہ تو اس میں کیا کہتا ہے۔ گیدڑ نے عرض کی کہ یہ بات اس خاکسار کے خیال میں نہیں گزرتی جو آپ ارشاد کرتے ہیں۔ آدمی کی کیا مجال جو قوی ہیکل جانوروں کے شہنشاہ سے (جس کے روبرو انسان پستہ سا ہے) کچھ نیکی کر سکے۔ ہرگز اس بات کا مجھ کو اعتبار نہیں آتا جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں۔ شیر نے کہا آ ہم دکھاویں۔ پھر شیر برہمن کو لیے آگے آگے اور گیدڑ آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ایک آن میں پنجرے کے پاس تینوں آپہنچے۔ برہمن نے کہا اے گیدڑ یہ شیر اسی کٹھ گھرے میں تھا جو میں نے خلاص کیا۔ کہہ اب اس میں تیرا کیا فتوی ہے۔ گیدڑ بولا کہ اتنا بڑا شیر اس چھوٹے سے پنجرے میں کیوں کر تھا۔ اب میرے روبرو پھر اس میں جاوے اور جس طرح کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے اس صورت سے باندھ کے پھر تو کھولے تو میں جانوں۔ شیر اندر گیا اور برہمن اس کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ گیدڑ نے کہا کہ اگر آگے سے ان بندھنوں کے باندھنے میں کچھ بھی فرق کرے گا تو میں ہرگز اس بات کا جواب نہ دے سکوں گا۔ اس نے گیدڑ کے کہنے سے شیر کو خوب مضبوط باندھا اور

قفس کا دروازہ بند کر کے کہا اے گیدڑ دیکھ اسی طرح یہ گرفتار تھا جو میں نے کھولا۔ گیدڑ بولا پتھر پڑیں تیری عقل پر اے نادان ایسے دشمن قوی سے نیکی کرنی اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارنی ہے۔ تجھے کیا ضرورت ہے کہ بیری کو قید سے چھڑاوے جا اپنی راہ لے کہ دشمن تیرا مغلوب ہوا۔ سچ ہے جو کوئی بے صبری و فریاد اپنے نفس کی (جومثل شیر ایذا دہندہ کی جسم کے پنجرے میں بند ہے) سنے اور اس کے حال پر رحم کر کے صبر و توکل کی رسی اس کے ہاتھ پاؤں سے بے مہابا کھول دے بہر صورت اپنے تئیں اس کا لقمہ بناوے مگر خضر رہنما کی دست گیری سے بچے تو بچے۔

حکایت شہزادی اور دیو کی

اگلے وقت میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کی محل سرا میں سو رنڈیاں صاحب جمال بے مثال تھیں پر کسی کے اولاد نہ ہوئی تھی۔ خدا کی قدرت کاملہ سے ایک کو جوان میں حسن کے بیچ سرس تھی حمل رہا۔ بعد 9 مہینے کے اس کے لڑکی پیدا ہوئی اسی طرح تین بار جنی پر لڑکا پیدا نہ ہوا۔ بعد چوتھی بار امید سے ہوئی تو بادشاہ نے قسم کھائی کہ اگر اب کے بیٹی جنی تو اس کو اس سمیت جان سے مار ڈالوں گا۔ تقدیر کی نیرنگی سے اس مرتبہ بھی لڑکی ہی پیدا ہوئی لیکن نہایت خوب صورت پری طلعت۔ اس کی ماں نے جان کے خوف سے لڑکا مشہور کیا۔ نجومیوں کو بھی تاکید کی کہ بادشاہ کو سمجھا دو کہ دس برس تک اس لڑکے کا منہ دیکھنا آپ کو اچھا نہیں۔ چنانچہ نجومیوں نے بادشاہ کی خدمت میں وونہیں عرض کیا۔ حضرت نے بھی مانا اور ویسا ہی کیا۔ القصہ جب لڑکی ہوشیار ہوئی اور اس کے دیدار کی مناہی کے دن تھوڑے رہے تب ماں نے وجہ بیٹا کہوانے کی اس کو سمجھا دی اور کہا اے بیٹی تو بادشاہ کے حضور مردانی وضع سے آیا جایا کر کہ میری تیری زندگی رہے اور جان بچے چنانچہ لڑکی ایام معہود بادشاہ کی خدمت میں کدھی کدھی آنے جانے لگی لیکن مجرا کر کے جلدی سے پھر آتی دیر تلک نہ رہتی۔ آخر اس دختر سپر نما کی نسبت دوسرے بادشاہ کی بیٹی سے کی۔ جب شادی کے دن نزدیک آ پہنچے بادشاہ نے اس کو لباس شاہانہ پہنایا اور سونے کے ہودے میں اپنے آگے بیٹھا کر تجمل بادشاہی سے دلہن کے ملک کو روانہ ہوا لڑکی اس حالت پر کبھی ہنستی اور کبھی روتی۔ ایک رات کسی جنگل ویران میں اتفاق رہنے کا ہوا۔ لڑکی مارے شرم کے آخر کار زندگانی وبال جان ہوگئی چپکے ہی اٹھ کر اس بیابان میں چلی گئی۔ اس ارادے سے کہ کوئی درندہ کھا جاوے جاتے جاتے ایک درخت کے نیچے کہ وہ دیو کے رہنے کا مکان تھا پہنچی۔ وہ اس کے حسن پر دیوانہ ہو گیا اور آدمی کی صورت بن کر لڑکی کے آگے آ کر اس کا احوال پوچھنے لگا۔ اس نے اپنی ساری حقیقت جوں کی توں بیان کی۔ یہ بات سن کر دیو کا دل بھر آیا بولا

کہ تو امانت میں خیانت نہ کرے اور اس پر قول دے تو میں اپنا آلۂ تناسل کسی حکمت سے تیرے لگا دوں اور تیری علامت آپ اختیار کروں۔ لڑکی موافق دیو کے کہنے کے عمل میں لائی۔ اس نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔ تب وہاں سے خرم وخنداں وہ اپنے ڈیرے آئی بعد کئی روز کے برات اپنی منزل مقصود کو پہنچی اور شادی سے فراغت کر کے بادشاہ اپنے ملک پھر آیا۔ شاہزادہ نقلی چند مدت وہیں رہا جب اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تب قصد وطن کا کیا اور منزلیں طے کرنے لگا۔ جب اسی جنگل میں پہنچا اسی درخت کے تلے کیا دیکھتا ہے کہ دیو بڑھیا کے بھیس میں رونی شکل بنائے بیٹھا ہے۔ شاہزادے نے کہا اے دیو میں نے تیری مہربانی سے اپنے دل کی مراد بھر پائی۔ اب اپنی چیز لے اور میری مجھے دے۔ دیو نے کہا میں اب اس کام کی لیاقت نہیں رکھتا۔ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔ تب اس نے پوچھا کہ اس کی کیا ہے مفصل بیان کرو۔ دیو بولا کہ میں اسی صورت سے تیرا منتظر یہاں بیٹھا تھا۔ ناگاہ ایک پہاڑ سا دیو آیا۔ اس کے دیکھنے سے مجھ پر شہوت غالب ہوئی اور مارے مستی کے میں نہ رہ سکا۔ اس نے بھی دوڑ کر مجھے چھاتی سے لگالیا آخر مل بیٹھا۔ میں اگر علامت مردی کی لگاؤں تو جتنے وقت جی سے ہاتھ اٹھاؤں سوائے اس کے یہہ عقدہ بھی مجھ پر کھلا کہ مردوں سے رنڈیاں شہوت میں زیادہ ہیں۔ اب جا اپنی راہ پکڑ میں نے اپنی چیز تجھ ہی کو بخشی۔

بولتی ہوئی مینا

وہ اپنے بچوں کو اکثر نقلیس کہانیاں سنایا کرتی تھیں اور ہر ایک فن کی کہنیں بتایا کرتی اس لیے کہ کان پڑی بات ایک نہ ایک دن کام آرہتی ہے۔ اس رات بچوں نے کہا۔ اما کوئی بات اس بیابان کی تو کہو۔ مینا بولی کہ اس جنگل میں گنج بے شمار جابجا گڑا ہے اور اس کے سوا یہاں سے دکھن کی طرف ایک حوض کے کنارے ایک بڑا درخت ہے کہ سراج القطرب اس کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی اس کے پوسٹ کی ٹوپی پہنے تو وہ کسی کو نظر نہ آوے اور وہ سب کو دیکھے لیکن اس تک کوئی پہنچ نہیں سکتا کیوں کہ اس کا ایک بڑا سانپ نگہبان ہے۔ اس پر تلوار اور تیر کچھ کارگر نہیں ہوتا۔ بچوں نے پوچھا کہ کس طرح کوئی وہاں پہنچے۔ مینا نے کہا ایسا کوئی جوان مرد ہو کہ ہڑ بڑا نہ جاوے اور ہمت باندھے ہوئے اس حوض کے کنارے تک اپنے تئیں پہنچاوے جب وہ سانپ لپک کر اس پر آوے تب وہ حوض میں کود پڑے وو ہیں اس کی صورت کوّے کی سی ہو جائے گی۔ اس کا اندیشہ نہ کرے اور اڑ کر اس درخت کی پچھم طرف کی ڈالی پر جا بیٹھے۔ اس میں کتنے لال سبز پھل لگے ہیں اگر ایک لال پھل توڑ کر

کھا جاوے تو پھر اپنی صورت اصلی پر آ جاوے اور سبز پھل کی یہ خاصیت ہے کہ جو اس کو سر پر رکھے تو کوئی حربہ بدن پر اثر نہ کرے۔ اگر کمر میں باندھے تو ہوا پر اڑتا پھرے اور اس کے پتوں کا خواص یہ ہے کہ جس زخم پر انہیں رکھے فوراً بھر آوے۔ اگر اس کی لکڑی ہزار من لوہے کے قفل کو ذرا چھواوے تو فی الحال وہ کھل جاوے۔

حکایت چڑے اور فقیر کی

حضرت سلیمان کے عہد میں چڑیا کا جوڑا ایک روز راہ میں بیٹھا دانہ چگتا تھا کہ ایک فقیر جبہ پوش کو دور سے آتے دیکھا۔ مادہ نے نر سے کہا خبردار دشمن آتا ہے ایسا نہ ہو کہ بلا کے پنجے میں ہمکو گرفتار کر لے نر بولا کہ اس خدا دوست سے کچھ اندیشہ نہیں ہے جو خدا کی راہ پر چلتے ہیں وے کسی کی ایذا روا نہیں رکھتے۔ انہیں باتوں میں تھے کہ فقیر آ پہنچا اور بغل سے ایک کھٹکا نکال ایسا پھینک مارا کہ نر کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ بہر حال اس ظالم کے ہاتھ سے بھاگ کر گرتا پڑتا سلیمان بادشاہ کے پاس گیا۔ پہلے تو جا کر دعا دی۔ یہ عرض کی کہ فلاں درویش نے بے تقصیر میرا بازو توڑ ڈالا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اس کو حاضر کرو۔ چنانچہ حضور میں اسے لے آئے تب بادشاہ نے غصے سے فرمایا کہ تو نے اس کو کیوں مارا۔ اس نے عرض کی کہ اگر میں نے اس کو مارا تو کیا ظلم کیا کیوں کہ یہ انسان کا خوراک ہے۔ یہ سن کر چڑا بولا کہ اگرچہ کہ میں بے چارہ چھوٹا سا پرندا ہوں پر اس قدر مجھ میں شعور ہے کہ اپنے دوست سے شیر و شکر کی طرح مل جاتا ہوں اور دشمن سے کڑی کمان کے تیر کی طرح بھاگتا ہوں۔ تیری پیوندی گدڑی دیکھ کر میں نے جانا تھا کہ تو خدا کی راہ پر چلتا ہے کسی کے حق میں بدی نہ کرے گا۔ لیکن اب مجھ پر کھلا کہ تیرا شیطان ہی رہنما ہے اور گدڑی میں فقط مکر و دغا ہی بھرا ہے۔ اب اس کو اتار رکھ کہ اور کوئی میری طرح سے فریب نہ کھاوے اور تیرے مکر کے جال میں نہ آ جاوے۔ چڑے کی باتیں حضرت کو نہایت پسند آئیں۔ فقیر کو لعنت ملامت کر کے نکال دیا بعد چند روز کے وہی چڑا کہیں چگتا تھا۔ کسو درویش نے کسی طرح اس کو پکڑ کے پنجرے میں بند کیا۔ چڑا سمجھا کہ اب کے تو جان پر آ بنی سوچ کر یوں کہنے لگا۔ اے مرد خدا میرے بیچنے سے تجھ کو چنداں نفع نہ ہوگا اور کھانے سے بھی سیری معلوم رکھنا بھی علی اہذا القیاس بے فائدہ ہے۔ پس چند سخن کہ ہر ایک درّ بے بہا ہے اگر مجھ کو چھوڑ دے تو کہوں۔ یہ سن کے فقیر بہت خوش ہوا پنجرے سے اس کو نکال پاتوں پکڑ ہاتھ پر بیٹھایا اور کہا لو کہو۔

چڑا بولا ایک عالم کہتا ہے کہ خدا چاہے تو بہتر اونٹ کی قطار سوئی کے ناکے میں سے نکلجاوے سچ ہے

خدا کی قدرت سے تو کچھ دور نہیں بلکہ نزدیک ہے پر آدمی کی سعی سے ہرگز اعتبار نہ کیا جانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ جو کام اپنے اختیار میں نہ رہے اس کے واسطے غمگین نہ ہوئیے۔ اب چھوڑ دے تو اور کہوں۔ آزاد نے اسے وونہیں آزاد کیا۔ چڑا اڑ کر ایک درخت کی ڈالی پر جا بیٹھا اور بولا۔ اے فقیر تو بڑا احمق ہے کیا تیری عقل ماری گئی جو ایسا شکار اپنے ہاتھ سے کھویا میرے پیٹ میں ایک ان مول لعل ہے اگر تو مجھے ما کر کھاتا تو وہ بھی تیرے ہاتھ آتا۔ درویش یہ سن کر ہاتھ ملنے لگا اور یوں کہنے لگا۔ اے پرند بھلا میں اس نفع سے درگزرا لیکن تو اور باتیں تو کہہ۔ چڑا بولا کہ تیرا دل مانند چکنے گھڑے کے ہے میری باتیں اس پر اثر نہ کریں گی ناحق کہہ کر کیا ضائع کروں۔ مثل مشہور ہے اندھے کے آگے روئیے اپنی آنکھیں کھوئیے۔ اے نادان ابھی تو میں نے تجھ سے کہا تھا کہ جو چیز اپنے قبضے سے نکل جاوے اس کے واسطے نہ پچتاوے۔ اسی دم تو بھول گیا اور یہ نہ سمجھا کہ میں نے لعل کیوں کر نگلا ہوگا۔ یہ کہہ کر چڑا تو اڑ گیا اور فقیر نے مایوس ہو گھر کا رستا پکڑا۔

☆☆☆

مقدمہ

(ز)

مذہب عشق کا تمثیلی پہلو

مذہب عشق ایک داستان ہے اور عزت اللہ بنگالی کی فارسی تصنیف ''گل بکاولی'' سے ماخوذ ہے۔ نہال چندلاہوری نے داستان کے مختلف قصوں میں (ابواب میں) جابجا تمثیلی مضامین بیان کیے ہیں یہ مضامین کہیں قصہ کا حصہ بن کر آئے ہیں تو کسی مقام پر بیان کردہ قصہ کی تشریح وتعبیر کی حیثیت سے داستان میں شامل ہیں جس سے مذہب عشق کی کہانی دو سطح پر آگے بڑھتی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو جلد سوم میں مذہب عشق پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس قصے کو اردو میں ڈھالتے ہوئے نہال چند کے سامنے گل کرسٹ کی ہدایت بھی تھی کہ زبان کالج کی ضرورت کے مطابق سادہ اور محاورۂ ریختہ کے مطابق ہو اور ساتھ ہی ان کے سامنے فارسی کی وہ رنگین عبارت تھی جس کا وہ اردو ترجمہ کر رہے تھے۔ یہ دونوں اثرات واضح طور پر ''مذہب عشق'' کے اسلوبِ بیان میں نظر آتے ہیں۔'' [1]

> نہال چند لاہوری نے اپنے متراجم داستان کا نام ''مذہب عشق'' رکھا ہے جبکہ اس کے ماخذ کا نام ''گل بکاولی'' ہے جمیل جالبی نے یہ سوال بالکل صحیح اُٹھایا ہے کہ نہال چند نے گل بکاولی کا نام مذہب عشق کیوں رکھا؟[2]

دراصل بات یہ ہے کہ عزت اللہ بنگالی گل بکاولی کے قصہ کو عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف موڑنے کی کوشش کی ہے۔ فارسی تصنیف کے اس مزاج کو جوں کا توں رکھا اور قصہ کی چند تشریحات کو خود اپنی طرف سے

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد سوم، ص۔۴۹۵

[2] ایضاً

بھی شامل کر دیا۔ ذیل میں مذہب عشق کے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جو تمثیلی انداز میں عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف قصہ کو موڑنے کی کوشش نظر آتی ہے:

''اے بیسوا یہ ذکر اس واسطے میں نے کیا جو تو جانے کہ طاقت جسمانی قوت روحانی پر زیادتی نہیں رکھتی۔''

یا

اے عزیز! روشنی چشم ظاہر بیں کی سات پردوں میں ہے اور تجلی باری تعالیٰ کی کہ نورِ دیدۂ اولیاء ہے، ستر ہزار پردے میں ہے۔ اگر یہ ارادہ ہو کہ وہ پردے درمیان سے اُٹھیں تو پہلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اُٹھا کر اس کو بس میں کر کہ وہ لعین اپنی کج روی چھوڑ کر محمودہ کے اہل باطن کے اشغال سے ایک شغل محمودہ بھی ہے کہ بھووں کی طرف دیکھتے ہیں اور وہاں کچھ تصور کرتے ہیں یہاں تک کہ نور دیدہ اُلٹ جاتا ہے اور نور الٰہی اور اسرار معرفت نظر پڑتے ہیں۔ مقام میں پہنچائے لیکن یہ بات یاد رکھ، اگر دیو سے اُلٹا کیجیے تو سیدھا پڑے۔''[1]

مزید دیکھیے کہ تاج الملوک بکاولی پر عاشق ہوتا ہے لیکن اس امر سے بکاولی ناواقف ہے جب خود بکاولی تاج الملوک پر عاشق ہو جاتی ہے تو نہال چند لکھتا ہے:

''سبحان اللہ کیا اُلٹی بات ہے کہ معشوق طالب عاشق کا ہو اور عاشق اس کا مطلوب لیکن نظر تحقیق سے جو غور کرے تو سیدھی لگے۔

عشق اول درد دل معشوق پیدا می شود
گر نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شو''

مذہب عشق کے بائیسویں باب سے اقتباس دیکھیے:

''اے عزیز! حق تعالیٰ نے عالم ارواح کو بدن سے نسبت دی ہے پس جو

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد سوم، ص۔۴۹۲

حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت میں روح سے ہے غرض جو فساد کہ اس عالم کون و فساد میں ہو تو اس کی طرف سے جان لیکن شر نہ سمجھ کہ در پردہ خیر ہے کیوں کہ شر کی وہاں گنجائش نہیں''۔

''اے عزیز! اگر تو اپنے نور عقل کو حکمتوں سے زیادہ نہ چمکائے گا تو تجلی یار سے فائدہ نہ پائے گا۔ اگر تو یہ ہستی موہوم نہ چھوڑے تو حیات ابدی کب تیرے ہاتھ آئے۔ جو راہ عشق میں آپ سے نہ گزرا وہ منزل مقصود میں کب پہنچا''

ذیل کے جملہ وحدت الوجود کی جانب قاری کو متوجہ کرتے ہیں:

''واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسائل ہے۔ بہتر ہے اس بحر عمیق میں گر کے مذہب جبری کے بھنور میں جا پڑے اور اکثر مسلک دہری کے گرداب میں ڈوبے ہادی یہاں فضل الٰہی اور کرم رسالت پناہی کے سوا کوئی نہیں۔''[1]

مذہب عشق کے تمثیلی پہلو کا تجزیہ کرنے کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''اس قسم کی عبارات، مذہب عشق'' میں بار بار آتی ہیں اور نہال چند لاہوری کے قلم کو اردو زبان میں دیکھ کر واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ عبارتیں عزت اللہ بنگالی کی فارسی تصنیف کا لفظی اردو ترجمہ ہے۔ اس زاویہ نظر سے مذہب عشق کا مطالعہ کیا جائے تو ''سب رس'' کی طرح ایک نئی دنیا سامنے آتی ہے اور سارے طلسمات وصل و ہجر کے سارے قصے، ساری فوق الفطرت باتیں اس کے سب اشخاص و کردار، تمثیلی اشارات بن کر معانی کے تہ در تہ پہلوؤں کو اُجاگر کرنے لگتے ہیں۔

اگر اس قصے کو معنی کی دو سطح کے تعلق سے دیکھا جائے تو اس کے مافوق الفطرت عناصر بھی بامعنی ہو جاتے ہیں۔ تاج الملوک دلبر بیسوا سے اپنے بھائیوں کو چھڑواتا ہے اور گل بکاولی اس سے چھن کر لے جاتے ہیں اور تاج الملوک حمالہ کا دیا ہوا بال نہیں جلاتا۔ اس کے بعد وہ اس بال کا استعمال کرتا ہے اور دیوا سے گل بکاولی

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد سوم، ص: ۴۶۹

کے شہر پہنچا دیتے ہیں۔ جب کہ واقعیت کے زاویہ نظر سے اس بال کو اسی وقت استعمال کرنا چاہئے تھا جب اس کے بھائی اس سے گل بکاولی چھینتے ہیں۔تمثیل اور قصے کو آگے بڑھانے کے لئے یہ فی الواقع ضروری تھا کہ وہ اس موقع پر حمالہ کے دیئے ہوئے بال کو استعمال نہ کرے۔ ویسے بھی داستانوں میں واقعیت تلاش کرنا بے معنی بات ہے۔مگراس کے باوجود کہیں کہیں قصے میں واقعیت بھی آ گئی ہے۔مثلاً تاج الملوک دلبر بیسوا پر حاوی آنے کے لئے اس کی ملازمہ سے ملاقات کرتا ہےاور دونوں کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں وہ سراسر واقعاتی ہیں۔اسی طرح پیرزال اور تاج الملوک کے درمیان مکالمہ بھی واقعاتی ہے۔مکالموں میں نہال چند واقعاتی زبان استعمال کرتے ہیں اور خاص طور پر عورتوں کی باتوں کو خوبی سے رقم کرتے ہیں۔'' [1]

☆☆☆

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد سوم، ص:۴۶۹

مقدمہ

(ح)

بنیادی نسخہ

حیدرآباد میں مذہب عشق کے (چھ) مخطوطات ملتے ہیں۔ دو کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو میں، دو سالار جنگ میوزیم میں اور دو کتب خانہ آصفیہ میں ہیں ان کے علاوہ ایک مخطوطہ کتب خانہ عثمانیہ میں بھی محفوظ ہے۔(یہ مخطوطہ آب زدہ ہونے کی وجہ سے تمام اوراق ایک دوسرے سے چپک گئے ہیں)۔

مندرجہ ذیل میں مخطوطات کی کیفیت ملاحظہ کیجئے جس کے کارڈس تقابلی مطالعہ کے لئے تیار کئے گئے۔

۱۔ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو : مذہب عشق

کتاب نمبر (۹۷) سن ۱۲۵۱ھ نسخہ۔مکمل

مترجم: نہال چند لاہوری۔سنہ ۱۲۱۷ھ

کاتب: سید فدوی علیخان بخش دلوی۔

تعداد اوراق ۱۱۱ سطر (۱۳) خط۔نستعلیق کاغذ۔دیسی

غرہ شعبان معظم سنہ باراسوایکاون ہجری بخیر انصرام پایا

۲۔ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو مذہب عشق......

کتاب نمبر (۹۶) سن ۱۲۷۴ھ (سطر ۱۳)

کاتب: صاحب زادہ میر مظفر علی خاں خلف میر فتح اللہ خاں اسفندیار جنگ مرحوم نبسۂ میر محمد شریف خاں بسالت جنگ شجاع الملک مغفور نے اپنے قلم سے نقل کیا۔(ابتداء میں)

۳۔ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم:

کتاب نمبر (۲۴) مذہب عشق (گل بکاولی)

نمبر ۲۵۰ سائیز (۵x۸) صفحہ (۴۷۶) سطر (۱۱)

خط نستعلیق کاغذ دیسی۔جدول مطلا ومہذب

مترجم: نہال چندلاہوری۔سنہ ۱۲۱۷ھ

کاتب منصارام یکی سنہ کتابت ۱۲۷۶ھ

(کتاب کے صفحہ نمبر ۴۶۵ پر کہانی ختم ہوجاتی ہے)

۴۔ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم:

نمبر کتاب (۲۳) مذہب عشق گل بکاولی تاج الملک

نمبر (۲۹۰) سائز (۶x۹) صفحہ (۲۷۶) سطر (۱۰)

خط نستعلیق کاغذ دیسی

مترجم نہال چندلاہوری سنہ ۱۲۱۷ھ

کتابت ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء

اس قصہ کو زمانہ مابعد میں محسن میاں ظرف تخلص اوریجنل تھیٹریکل کے ڈرامہ نگار نے اسٹیج کیلئے اس کو ڈرامہ کی صورت دی۔

راقم الحروف کو سالار جنگ میوزیم کے مطبوعات کی لائبریری میں مذہب عشق کے ایسے دونسخہ دستیاب ہوئے جو متذکرہ بالا مخطوطات سے اہم ہیں ایک نسخہ جو بمبئی کے مطبع حیدری سے ۱۲۲۲ھ میں طبع ہوا ہے۔یہ نسخہ اس لئے بہت اہم ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی اشاعت کے صرف پانچ سال بعد اس کی اشاعت عمل میں آتی ہے اور یقیناً یہ نسخہ فورٹ ولیم کالج کے نسخہ ہی کی نقل ہوگا۔

کتب خانہ سالار جنگ کا دوسرا نسخہ وہ جس کی طباعت ۱۲۶۳ ہجری میں فورٹ ولیم کالج کے مطبع میں ہوئی ہے چونکہ یہ نسخہ ۱۲۱۷ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہونے والے ''مذہب عشق'' کی نقل ہے اس لئے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔اس نسخہ کے سرورق سے پہلے موجودہ سادہ ورق پر انگریزی میں۔فورٹ ولیم کالج کی مُہر موجود ہے۔ تصحیح شدہ میر شبیر علی افسوس لکھا ہے۔اصل نسخہ کی نقل ہونے کی وجہ سے راقمۃ الحروف نے اس مطبوعہ نسخہ کو بنیادی نسخہ کی حیثیت دینے کے بعد ۱۲۲۲ ہجری کے نسخہ کو اختلاف نسخ کے لئے اساسی نسخہ بنایا ہے۔

کتاب کے آخر میں دو (۲) قطعے شامل ہیں۔ایک تاریخ ''سال ہجری'' کے لئے اور دوسرا ''تاریخ سنہ

عیسوی'' کے لئے اور دو قطعے سے پہلے ایک شعر داستان کے مکمل ہونے پر ہے:

☆ بیت ☆

غرض جس طرح دی انھون کی مراد
ہماری بھی دے یا الٰہی مراد

☆ تاریخ سال ہجری ☆

یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
تو پھر فکر تاریخ تھی صبح و شام
اچانک سُنی میں نے آواز غیب
کہ ہے مذہب عشق تاریخ و نام

☆ تاریخ عیسوی ☆

ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک و زبان
کر سن عیسوی سال کو بھی بیان
تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
کرے مشرب و جام گر اختیار
تو راز نہان اُس پر ہو آ شکار [1]

☆☆☆

---

[1] مترجم نہال چند لاہوری مطبوعہ مذہب عشق مطبع احمدی کلکتہ ص ۲۱۰

مقدمہ

(ط)

اردو داستانوں میں مذہب عشق

فورٹ ولیم کالج میں اپنے تقرر کے بعد گلکرسٹ نے ہندوستان کے نامور ادیبوں اور مترجمین سے داستانیں کروائیں یا لکھوائیں جن میں باغ و بہار، آرائش محفل، امیر حمزہ، بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی وغیرہ اردو کی اہم داستانیں ہیں جن میں ایک داستان مذہب عشق بھی ہے جو شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ مندرجہ بالا تمام داستانوں میں ذہنی آسودگی کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ مذہب عشق کا زبان و بیان اور اسلوب باغ و بہار کی طرح نہیں ہے لیکن قصہ کی دلکشی آخر تک قاری کو اپنی گرفت میں رکھتی ہے۔

چونکہ مذہب عشق فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے اور عبارات کا لفظی اردو ترجمہ ہے اس زاویۂ نظر سے مذہب عشق کا مطالعہ کیا جائے تو سب رس کی طرح تمثیلی پہلوؤں میں نظر آئیگا۔ اردو داستانوں میں جو باتیں بیان کی گئیں اُن کا مقصد پڑھنے والوں کو زندگی کے نشیب و فراز سے واقفیت بہم پہنچانا ہوتا تھا۔

نہال چند لاہوری نے مذہب عشق میں اپنے کردار تاج الملک کا سراپا بیان کیا ہے۔ قدیم داستانوں میں اور خصوصاً نثری داستانوں میں سراپا نگاری پر توجہ نہیں کی جاتی ہے صرف چند اشارے کر دیئے جاتے ہیں البتہ منظوم داستانوں میں کسی قدر سراپا بیان کیا جاتا ہے۔

نہال چند لاہوری نے بکاولی کا قصہ نثر میں لکھا ہے لیکن انھوں نے تاج الملوک کا سراپا نظم میں لکھا ہے اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

”جبین اس کی مہ نے داغ کھایا
دھنک نے دیکھ ابرو سر جھکایا
اگر چین جبیں اس کی بناوے
مصور چین کا چیں مان جاوے
بلا انگیز آنکھیں جادو آمیز

دو ساغر بے خودی سے جیسے لبریز
وہ گھونگھریال اس کے دیکھ کا کل
پریشان آج تک ہے حال سنبل
جہاں مجروع ہو تیغ نگہہ سے
پلک ہر ایک کج خنجر سے جھلکے
وہ مکھڑا ماہ جس کو دیکھ للچائے
پڑے مور کی نظر اس پر تو ہل جائے
عجب انداز سے تل گال پر تھا
جو گنج حسن پر کالا ہے بیٹھا
وہ سینہ تختہ بلور سا صاف
کہے تو بلکہ ایک ہیرا تھا شفاف
یہ باغ حسن و سرو سرافراز
غرض سرتابہ پا تھا غرض در ناز

(ص(۵) مذہب عشق۔نسخہ ب)

مذہب عشق میں قصہ سے پہلے اردو کی دوسری داستانوں کی طرح خدا کی حمد وثنا، رسول اکرمؐ کی تعریف (نعت) اور حضرت علی کی شان میں منقبت بیان کی گئی ہے۔تصوف کا درس ملتا ہے۔ ہیرو کے صبر وتحمل کے علاوہ مختلف واقعات کی توجیہہ تصوف کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔

داستانوں کا سب سے دلچسپ حصہ اُن رسوم ورواج کی تفصیل ہوتا ہے جن میں شادی بیاہ کے واقعات، بچہ کی پیدائش وغیرہ پرانجام دیا جاتا ہے۔

مذہب عشق میں بھی مختلف مقامات پر رسم و رواج کی تفصیل ملتی ہے ۔ قصہ میں ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ انسان بدقسمتی سے حالات کا شکار ہو جاتا ہے جیسے، علم نجوم کے ماہرین نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ بادشاہ زین الملوک نے اپنے نومولود بیٹے جس کا نام تاج الملوک رکھا گیا تھا، نظر ڈالی تو اُس کی بینائی جاتی رہے

گی اتفاق سے ہوتا بھی یہی ہے وہ جس کو نورنظر کہا جاتا ہے، جب سامنے آتا ہے تو بادشاہ کی نظر ہی ناکارہ ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد بادشاہ کے غیض وغضب کا شکار تاج الملوک جنگلوں میں رہ کر بڑا ہوتا ہے۔

کہتے ہیں طوالت داستان کے فن کا ایک بنیادی عنصر ہوتا ہے۔ یہ داستان بھی (۲۶) ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب ایک کہانی کے طور پر سامنے آتا ہے۔نہال چند لاہوری نے اپنی داستان میں چار حکایتیں بیان کیں ہیں۔(۱) برہمن اور شیر (۲) دیو کی (۳) بولتی مینا (۴) چڑے اور فقیر کی حکایت۔

☆☆☆

مقدمہ

(ی)

مذہب عشق کا اِملا

مذہب عشق میں قدیم املا ملتا ہے چنانچہ ''میں'' کو ''مَن'' لکھا گیا ہے۔ ترتیب متن کا یہ اصول ہے کہ جہاں اِملا بدلنے سے تلفظ نہ بدلے اس لفظ کو جدید املا میں لکھا جائے۔ میں نے مذہب عشق کے ابتدائی پانچ صفحات کے متن کو نقل کرتے ہوئے ''دونوں'' کے ساتھ ہی لکھا ہے لیکن اُس کے بعد چونکہ یہ املا متروک ہوگیا ہے۔ اسی لئے جدید تلفظ کے معیار کے مطابق متن میں ''میں'' ہی لکھا ہے۔ نسخہ ب میں اس لفظ کو نون غنہ کے بجائے نون سے لکھا گیا ہے۔

☆ ہے کو ہی چھوٹی (ی) سے لکھا گیا ہے۔

☆ نون غنہ کے بجائے ''ن'' کا استعمال کیا گیا ہے جیسے جو ہریون، کرون وغیرہ۔

صفحہ ۵ پر مجبو ھ کے بغیر لکھا گیا ہے جیسے دکنی کی کتابوں میں لکھا جاتا ہے۔

نسخہ الف میں ''ھ'' کے بغیر ہے جبکہ نسخہ ب میں صحیح تلفظ تھا اس لئے متن میں ''ھ'' کے ساتھ لکھا گیا۔

نسخہ الف میں اکثر حرفوں کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ جیسے اُسکا، اُسنے وغیرہ۔

صفحہ ۶ پر کدھی بہ معنی کبھی کے استعمال کیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۴ پر ماں باپ کو بغیر نون غنہ کے لکھا ہے۔

صفحہ ۱۷ پر چھپ چھپ

صفحہ ۱۸ پر ٹپ ٹاپ یہ انگریزی لفظ ۱۸۰۰ سے مروج ہوا۔

صفحہ ۱۷ تا صفحہ ۱۸ پر دلبر کے لئے ضمیر عیاری لایا گیا ہے ممکن ہے اُس زمانہ میں عیار عورت کے لئے یہ لفظ مستعمل یا مروج رہا ہو جس کے لئے آج ہم ''عیار'' یا ''عیارنی'' لکھیں گے۔ عیاری کے آگے قوسین میں (کذا) لکھ دیا ہے۔

صفحہ ۱۸ پر کٹے کا اِملات پر چار نقطے (ٹ) ڈال کر لکھا گیا ہے چونکہ چھوٹی ط سے لکھنے پر اس لفظ کا تلفظ

نہیں بدلتا اس لئے اس لفظ کے اِملا کو جدید کر دیا گیا ہے۔لفظ مکر ہانی دراصل مکرانی ہے جس کا مطلب دوبارہ مکر کرنا۔

صفحہ۱۹۔ لفظ ''لپیٹو'' کو چار نقطوں سے لکھا ہے۔

صفحہ ۲۱۔ پرٹ کے لئے اُلٹا مد استعمال کیا گیا ہے۔

صفحہ۲۳ پر بیسوا کی بڑھیا کو تاج الملوک ''دادی صاحب'' کہتا ہے یہ دہلی اور لکھنو کی تہذیب تھی خواتین کو بھی صاحب کے لاحقہ سے مخاطب کیا کرتے تھے۔محاورہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔''مذہب عشق'' ایک مختصر داستان ہے۔یقیناً اس کی زبان نوطرز مرصع، باغ و بہار، فسانہ عجائب اور طلسم ہوشربا کی طرح شگفتہ اور فصیح نہیں۔اسلوب بھی پیچیدہ ہے لیکن قصّہ کی جدّت اور واقعات کی رفتار کی وجہ سے اس داستان میں دلچسپی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے یہی شاید اس کی شہرت کا سبب ہے۔

☆☆☆

متن

(ب)

مذہب عشق از نہال چند لاہوری

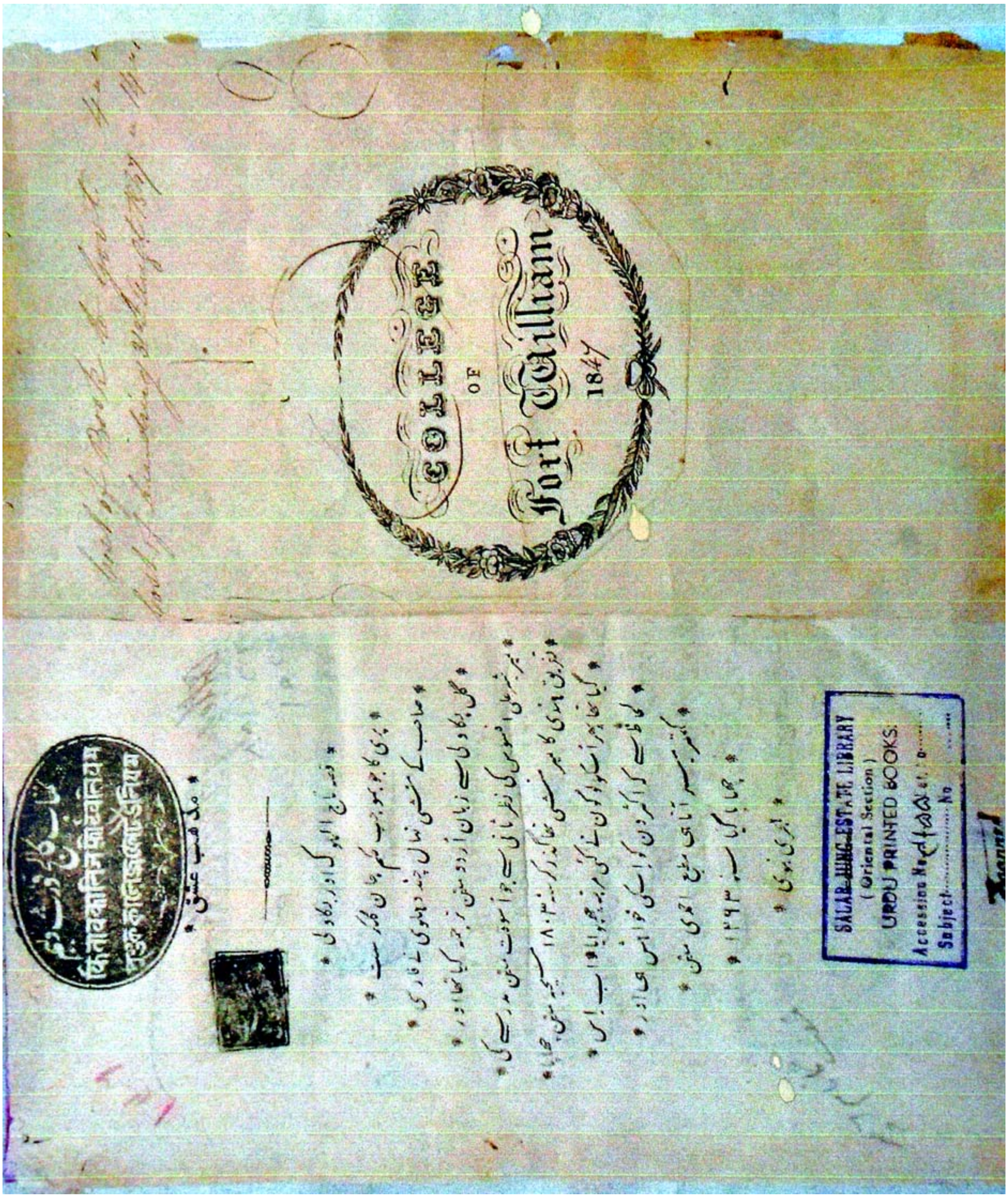
کتاب کالج فورٹ ولیم
* مذہب عشق *
* قصہ تاج الملوک اور بکاؤلی *
* پری کا جو بموجب حکم جان گلکرسٹ *
* صاحب کے منشی نہال چند دہلوی نے فارسی *
* گل بکاولی سے زبان اردو میں ترجمہ کیا تھا اور *
* میر شیر علی افسوس کی نظر ثانی سے جو اسوقت میں مدرسے کی *
* تفریق ہندی کا میر منشی تھا گذر کر سنہ ۱۸۰۳ مسیحیہ میں چھاپا *
* گیا تھا پھر اسکو لوگون نے کئی مرتبہ چھپوایا اب اس *
* لحاظ سے کہ اکثر دن کو اسکی خواہش ہے اور *
* کمتر میسر آتا ہے مطبع احمدی میں *
* چھاپا گیا سنہ ۱۲۶۳ *
* ہجری نبوی *
SALAR JUNG ESTATE LIBRARY
(Oriental Section)
URDU PRINTED BOOKS
Accession No.
Subject
No
COLLEGE
OF
Fort William
1847

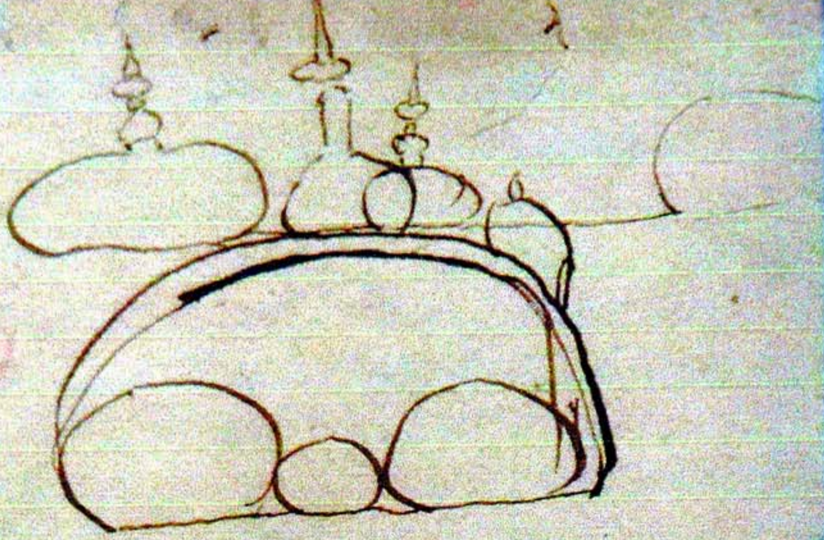

۱۲۶

کتب خانہ عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ

شمارہ	۱۲۶
نام کتاب	مذہب عشق (قصہ تاج الملوک و بکاولی) فورٹ [illegible]
نام مصنف	مترجم نہال چند شاہجہان آبادی (تصنیف شدہ [illegible]
سنہ تصنیف	۱۸۰۳ء
سنہ کتابت	سنہ ۱۲۶۳ھ طبع مطبع احمدی کلکتہ
علم یا فن	قصہ
زبان نظم یا نثر	ریختی اردو — نثر

V. 465

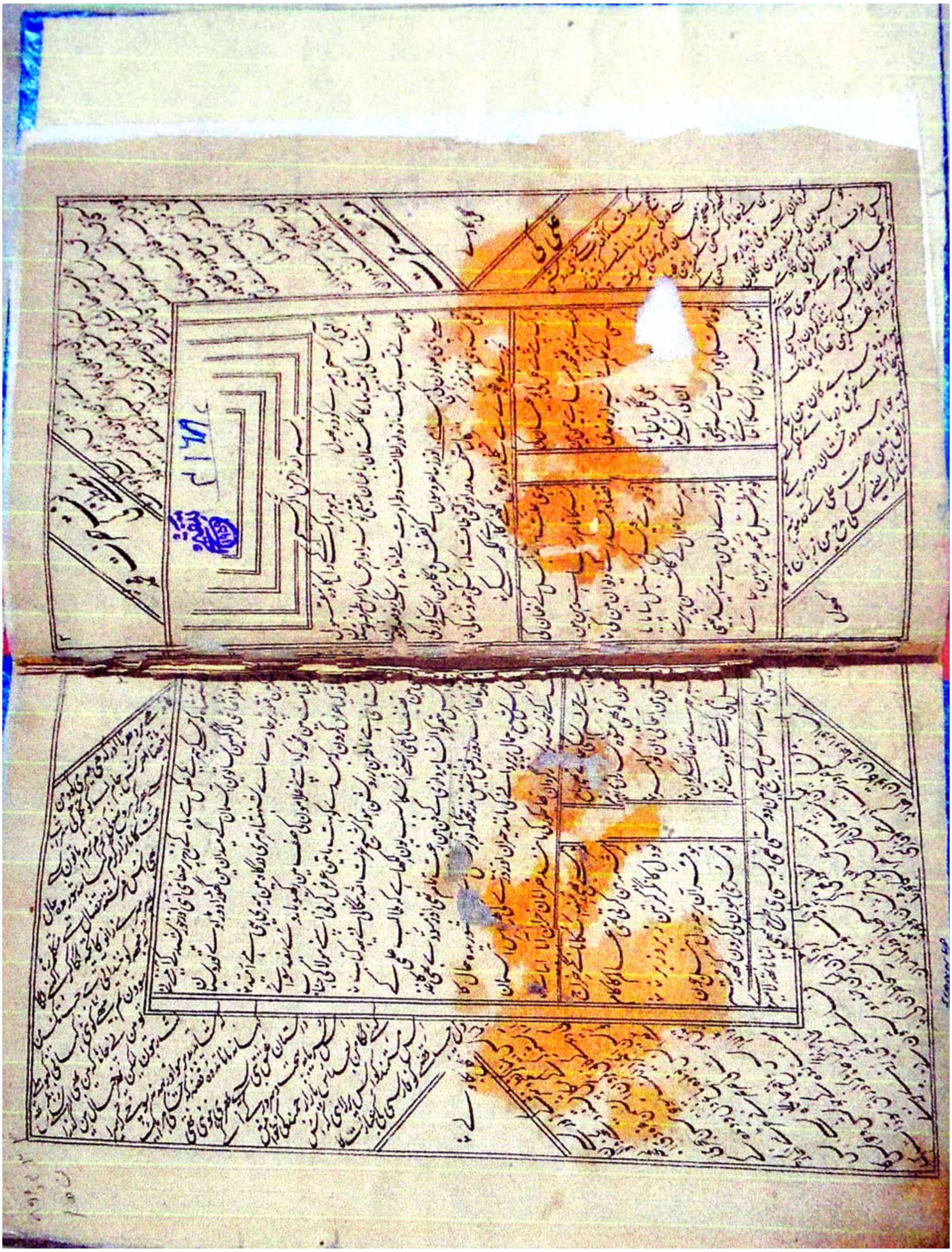

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ص۲) الٰہی کر سخن کو[۱] میرے وہ پھول   کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

حمد وثناء کا گلستان ہمیشہ بہار باغبان حقیقی کو سزاوار ہی کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب ورنگ تازہ اور لطافت وطراوت بے اندازہ اس کے روضہ رضوان سے پائی، پھولوں کی بہار منن اور زیبا عروسو نکے نقش ونگار منن اسی کے نور کی تجلی سمائی، خامہ خشک مغز کا کیا مقدور اور کتنی طاقت کہ اس کی حمد وثناء کی تحریر کے عہدہ سے نکلے اور جو حق لکھنے کا ہے، لکھ سکے۔

ابیات

ہر ایک پتی سے گل کی بوعیاں کی   وہی علت ہے بلبل کے فغان کی
(۳) مندے منہ غنچہ رہتا ہے چمن میں   اُسی کا نام جپتا ہے دہن منن
اُسی کے حکم نے شیرازہ بندی   قضا و قدر کے دیوان منن کی
جو عکس روے لیلیٰ گل منن آیا   تو موئے قیس کو سنبل سا پایا
گھٹا گر عفو اور احسان کی اُس کے   میرے اعمال کے گلشن پہ برسے

تو طاعت کی ہو اس سے سبز کھتی
برآوے دل منن ہے اُمید جیتی
کہیں جو قہر پر دل اُس کا آجائے
تو جز ظلّ محمد پھر نہیں پائے[۲]

---

۱ ''الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول'' نسخہ ب ص۲

۲ تو جُز ظلِّ محمدؐ پھر نہیں جائے

نعت حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی[۱]

درود ہے اوپر اُس کے کہ جو باعث بنائے زمیں وزماں کا اور سبب ایجاد کون ومکان کا ہوا، اس کے براق کے سم کا نقش مہر وماہ کی پیشانی پر درست بیٹھا۔

اُس کے مجمع امکان سے جہاں ہی ایک کتاب
اور اس کی کتاب سے ہستی ہی ایک باب

مصرعہ خاک جو دل چسپ دیکھا بیت الافلاک منن نہ رہا اُس مطلع نور ومقطع ظہور کے نسخۂ وجود نے رباعی عناصر کی اختیار کی۔

اس مرحلے کا نہیں ہے پایاں
کہہ اب تو ثنائے شاہ مرداں

منقبت حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی[۲]۔

صبح کے وقت کہ آفتاب نے اپنی روشنی سے نور کی آیت زمانے کے ورق پر لکھ کر صفحۂ جہاں کو روشن کیا۔

اُس وقت میں نے چاہا کہ سخن کے دریا میں غوطہ مار کر وہاں سے لولوے آبدار (جو سخن کے جوہریوں کو منظور ہوں) نکالوں جس طرف کہ غور وتامل کی نگاہ سے دیکھا، اُدھر ڈھیر کے ڈھیر ہی نظر آئے سوچا کہ ان کو کس پر نثار کروں، اسی تردد وتفکر میں تھا کہ اچانک یہ مژدہ میرے کان میں پہنچا کہ اے غریق دریائے فکر کے یہہ جواہر درخشاں دوسرے کے لائق نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام[۳] کے قدموں پر نثار کر یعنی اُس کی مدح منن زبان کھول۔ وہ شہنشاہ کہ جس کے چہرے کے عکس سے ماہ کے رُخ پر صفائی آئی اور خورشید کے آئینے نے جلائے وافر اٹھائی، اگر کہیں ساتویں آسمان کے میدان میں گھوڑا دوڑاوے تو ستاروں کے لشکر[۴] میں فتور پڑ جاوے، اۓ شہنشاہ تیری درگاہ منن میری یہی[۵] اُمید کہ داروگیر قیامت مجھ کو[۶] اپنے غلاموں کی صف منن رکھیو باروئے سفید، سوائے اس کے اور کیا عرض کروں کہ بندے کو بہت باتیں عرض کرنی اپنے مولا کی جناب منن کمال گستاخی ہے۔

۱۔ ''نعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی''۔ نسخہ ب ص ۲
۲۔ ''منقبت حضرت علیؑ کی'' نسخہ ب ص ۲
۳۔ حضرت علیؑ کے قدموں پر۔ نسخہ ب ص ۲
۴۔ ''روسیان مکر میں''۔ نسخہ ب ص ۳
۵۔ میری یہی ہے امید۔ نسخہ ب ص ۳
۶۔ مجکو نسخہ الف ص ۵

ناظرین پر روشن ہو کہ شیخ عزت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف کی تھی۔ اس نے اس کا سبب یوں لکھا ہے کہ طالب علمی کے ایام مٍن اس حقیر کو انشاء پردازی کے فن مٍن رغبت تمام تھی اور مسودے بھی کاغذ پر لکھ چھوڑ تا تھا۔ ایک روز رفیق شفیق نذر محمد کہ نو برس تک شوریدہ حال کا[1] مرغ دل اس شمع جمال پر پروانے کے مانند حیران اور ذرّے کی طرح اس آسمان ملاحت کے خورشید پر سرگردان تھا۔ چکور کی مانند خراماں خراماں میرے پاس آیا۔

ابیات

غزالوں سے چشم اُس کی چاہے تھی باج
قمر سے بھی رو اس کا مانگے خراج
[2] نگاہوں کو تھی عشوہ سازی مدام
کرشمہ میں کرتی[3] تھیں عالم کا کام
جو مستی میں آجاتی اُن کو لہر
تو دل کا نگر کرتیں زیر و زبر
خط سبز چہرے پہ تھا اُس کے یوں
ہو قرآن پر جدول نیل جوں
اگر لعل کی رگ سے ہووے قلم
تو سُرخی لبوں کی کروں کچھ رقم

اور جیسی کہ ہمارے اس کے بیچ میں دوستی تھی، ویسے ہی[4] کچھ اپنا ہاتھ لا میرے کاندھے پر دھرتا اور کدھی میری گود میں آ بیٹھتا۔ آخرش جام لب کو تکلم کی شراب سے بھر کر ہر وضع کی نرم نرم باتوں سے محبت کا بازار گرم کیا، یہ شوریدہ حال بھی اس فرشتہ خصال سے متکلم رہا، پھر میرے زانو کا تکیہ لگا کر کہنے لگا کہ[5] مجھے نیند آتی ہے۔ جب تک میں سوؤں تم بیٹھے کوئی کہانی کہو، پہلے تو میں نے چاہا کہ میں بھی اس کے ساتھ لیٹ رہوں، لیکن پھر خیال

۱۔ شوریدہ جمال کا مائل۔ نسخہ ب ص۳
۲۔ آنکھوں کو تھی عشوہ سازی نسخہ ب ص۳
۳۔ ''تھی''، نسخہ ب ص۳
۴۔ ویسی ہی طرح کبھی۔ نسخہ ب ص۳
۵۔ ''مجھ کو نیند آتی ہے''۔ نسخہ ب ص۳

میں گذرا کہ شاید بد بر ہو یہ نہ سوچے کہ میرا کہا نہ مانا، تب[۱] وہ قصہ[۲] جس کی ہر ایک داستان عشق ہی سے بھری ہوئی تھی، اس سرمایہ بہجت وسرور کے آگے کہنے لگا۔

من بعد اس یار ارجمند کو[۳] خواہش اس مستمند کو اس پر لائی کہ اس دلچسپ قصے کو فارسی کی عبارت کا لباس پہنا کر نظم ونثر کے زیور سے آراستہ کر کے مشکل پسند دیکھنے والوں کی دید کے لائق کروں۔

اِس میں عزہ ذی الحجہ کو کہ سن ایک ہزار ایک سو چوبیس ہجری تھے۔ اُس نوبادہ باغ دل ودیدہ[۴] کو موت کی صرصر نے جڑ سے اُکھاڑ ڈالا۔ اس واقعہ جانکاہ سے اس مصیبت زدہ کے ہوش وحواس کا طائر اُڑ گیا چاہا کہ اوراق مسودات اس فسانے کے بھی پُرزے پُرزے کر ڈالوں، لیکن چند دوستوں نے کہ (ایک گونہ پاس خاطر اُن کی منظور تھی) آ کر سمجھایا اور کہا، بیت

آساں بہت ہے لعل بدخشاں کا توڑنا
لیکن نپٹ محال ہے پھر اس کا جوڑنا

بحکم ضرورت آدھے کو فارسی کیا اور آدھا جوں کا توں رکھا۔

سبب ترجمے کا اس کتاب کے یوں کر ہے، کہ مستمند نہال چند لاہوری کو[۵] (کہ مولد اس نحیف کا شاہ جہاں آباد ہے) آب وخور کھینچ[۶] کر اشرف البلاد کلکتے کے بیچ (جو اس وقت میں دارالامارہ[۷] ہندوستان کا ہے) لا ڈالا اور یہ خاکسار کپتان ڈیوڈ روبرٹ سن صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا۔

پھر انہیں کی دستگیری سے صاحب خداوند نعمت حاتم زماں دستگیر درماندگان منبع جود وعطا، چشمہ فیض وسخا، دریائے عنایت وکرامت بحر احسان وشجاعت، جناب جان گلکرسٹ صاحب بہادر مدظلہ اللہ تعالیٰ کے[۸] حضور تک رسائی ہوئی۔

ابیات

ثنامیں اُس کی بجا ہے اگر صغیر و کبیر

۱۔ تد۔ نسخہ ب ص۳ حاشیہ۔ ۲۔ کہ۔ ایضاً ۳۔ کی۔ ایضاً

۴۔ ''دل ودیدہ کے تئیں موت''، نسخہ ب ص۳ ۵۔ نسخہ ب میں قوسین نہیں ہے متن ہی میں یہ شامل ہے

۶۔ آب وخور نے کھینچ کر بیچ اشرف البلاد کلکتہ۔ نسخہ ب ص۔۴

۷۔ نسخہ ب میں قوسین نہیں ہیں اور عبارت یوں ہے جو اس وقت میں دارالسلطنت ہندوستان کا ہے۔ ص۴۔

۸۔ دامن تک رسائی نسخہ ب ص۴

ہزار صفحہ کاغذ کرے سدا تحریر
وہی[1] ہے باغ فصاحت کے نخل کا میوہ
گل سخن سے نت اُس کے شگفتہ دل ہے طیر
وہی ہے گوہر بحر سخا و کان عطا
نہیں ہے اُس کا جہاں کوئی عدیل و نظیر
ضیائے عقل سے روشن ہے اُس کی شمع اُمید
جہاں کی بزم میں دن رات جیسے مہر منیر
خدا نے اپنے تفضّل سے خلعت اخلاق
سجا ہے قامت موزوں پہ اُس کی باتوقیر
جوکوئی چاہے سوخدمت سے اس کی فیض اٹھائے
گواہ اس پہ ہے دل سے ہر اِک غنی و فقیر
لیاقت اتنی کہاں خاکسار کو اُس کے
کہ اُس کی بخشش و ہمت کی کر سکے تقریر
و لے خدا سے دعا مانگتا ہے یہ دن رات
سپر میں رہے جب تک ضیائے مہر منیر
سلامت اُس کو رکھے احتشام و دولت سے
عدو کو اُس کے کرے دہر میں ذلیل و حقیر

غرض صاحب بہادر کی تفصیلات سے اس ضعیف کی اوقات بخوبی بسر ہونے لگی اور آگے کو بھی اُمید بندھی کہ اگر یہ دامن دولت اپنے ہاتھ میں ہے تو انشاءاللہ تعالٰی ایک نہ ایک دن بیڑا پار ہو جاوے گا[2]۔ پھر ایک روز خداوند نعمت نے ارشاد کیا کہ قصہ تاج الملوک اور بکاولی کا فارسی سے ہندی ریختے کے محاورے میں ترجمہ[3] کر کہ باعث سرخروی اور یادگاری کا تیری ہو۔

۱۔ وہی ہے نخل فصاحت کا باغ نسخہ ب ص۴

۲۔ ''ہو جائے گا'' نسخہ ب ص۴

۳۔ تالیف کر کہ نسخہ ب ص۴

اور موجب خوشنودی، کا ہماری چنانچہ اس نحیف نے بموجب ارشاد فیض بنیاد کے اپنے حوصلے کے موافق صاحب فلاطون فطنت، والاشکوہ عالی حشمت، فلک مرتبت، مارکوئس ولزلی نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد میں ہندی میں ترجمہ[1] کیا اور نام اس کا مذہب عشق رکھا۔ اب ہر ایک سخن رس اور نکتہ داں صحیح نفس سے یہ اُمید ہے کہ جہاں کہیں عبارت کے میداں میں نشیب و فراز نظر پڑے، وہاں اصلاح کے قلم سے ہموار کریں اور اس ہیچمداں کو اپنی نوازش سے ممنون فرماویں۔

آغازِ داستان:

کہتے ہیں کہ پورب کے شہروں[2] میں سے کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا زین الملوک نام، جمال اس کا جیسے ماہ منیر، عدل و انصاف[3] و شجاعت و سخاوت میں بے نظیر، اُس کے چار بیٹے تھے، ہر ایک علم و فضل میں علامہ زماں اور جواں مردی میں رستم دوراں، خدا کی قدرت کاملہ سے ایک اور بیٹا آفتاب کی طرح جہاں کا روشن کرنے والا اور چودھویں رات کی مانند دنیا کے اندھیرے کا دور کرنے ہارا پیدا ہوا۔

ابیات

جبین اس کی سے مہ نے داغ کھایا
دَھنک نے دیکھ ابرو سر جھکایا
اگر چین جبیں اس کی بناوے
مصور چین کا چیں مان جاوے
بلا انگیز آنکھیں جادو آمیز
دو ساغر بے خودی سے جیسے لبریز
وہ گھونگھریال اس کے دیکھ کا کل
پریشان آج تک ہے حال سنبل

۱۔ تالیف، نسخہ ب ص ۵

۲۔ فلک شہنشاہ نسخہ ب، ص ۴

۳۔ ''اور شجاعت''، نسخہ ب ص ۴

جہاں مجروع ہو تیغ نگہہ سے
پلک ہر ایک کج خنجر سے جھلکے
وہ مکھڑا ماہ جس کو دیکھ للچائے
پڑے حور کی نظر اس پر تو[۱] ہل جائے
عجب انداز سے تل گال پر تھا
جو گنجِ حسن پر کالا ہو بیٹھا
وہ سینہ تختہ بلور سا صاف
کہے تو بلکہ ایک ہیرا تھا شفاف
یہ[۲] باغ حسن وہ سرو سرافراز
غرض سرتا بہ پا تھا غرق در ناز

بادشاہ نے باغ باغ ہوکر بڑا جشن کیا اور نجومیوں کو بلاکر فرمایا کہ اس کی جنم لگن دیکھو، ہر ایک نے لگن کنڈلی کھینچ نام اس کا تاج الملوک رکھ دیا، اور کچھ انگلیوں پر گن کے عرض کیا کہ اس کے نصیبوں میں دولت دنیوی بے اندازہ ہے اور صاحب ہمت ایسا آج تک نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ انسان تو کیا بلکہ عالم جنات بھی چاہے کہ اس کا مطیع اور فرماں بردار ہو، مگر ایک قباحت بھی اس کے ساتھ ہے کہ جب جہاں پناہ کی نظر اس پر پڑے تو فوراً شاہ کی آنکھوں سے بینائی جاتی رہے۔ بادشاہ نے کچھ شاد کچھ نہ شاد ہوکر اُن کو رخصت کیا اور وزیر کو یہہ فرمایا کہ ایک محل میں بہ تفاوت تمام ہماری گذرگاہ سے اس کی ماں سمیت رکھو، چنانچہ بموجب ارشاد کے وزیر عمل میں لایا، بعد چند سال کے وہ نونہال باغ سلطنت کمال ناز ونعمت سے پرورش پاکر ساتھ علم و ہنر کے سرسبز ہوا، ایک روز اس کو شکار کی خواہش ہوئی، سوار ہوکر جنگل میں گیا اور ایک شکار کے پیچھے گھوڑا اُٹھایا۔ سچ ہے ہونے والی بات بن ہوئے نہیں رہتی۔ مصرع : تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں دھوتا

اتفاقاً بادشاہ بھی اسی دن شکار کو سوار ہوئے تھے۔ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالے کہیں اُسی طرف آ نکلے، مثل مشہور ہے: کانے چوٹ کنوتے بھینٹ۔ جون ہی شہزادے پر شاہ کی نظر جا پڑی، وونہیں آنکھوں کی

۱۔ ''ہل''، نسخہ ب ص ۵
۲۔ ''نہ باغ''، نسخہ ب ص ۵

بصارت جاتی رہی، ارکان دولت نے شہزادے کو دیکھ کر بادشاہ کے نابینا ہونے کا سبب دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ لازم تو یوں تھا جو بیٹے کو دیکھ کر باپ کی آنکھیں اور روشن ہوں، سو یہ طرفہ تر ماجرا ہے کہ برعکس ظہور میں آیا، بس اب بہتر یہ ہے کہ اس کو میرے ممالک محروسہ سے نکال دو اور اس کی ماں کے واسطے خدمت جاروب کشی کی مقرر رکھو، یہ فرما کر وہیں اُلٹے پاؤں تخت گاہ کو پھرے اور اسے دیس سے نکلوا دیا۔ پھر بڑے بڑے حکیم مسیحا خصلت، بوعلی طبیعت آنکھوں کے علاج کے لئے بُلائے۔ سب نے متفق ہو کر عرض کی کہ بجز گل بکاولی کے اور کسی دارو سے ممکن ہے نہیں کہ خود بدولت اچھے ہوں اگر کسی صورت سے گل بکاولی پیدا ہو تو، بادشاہ کہا بلکہ اندھا مادرزاد بھی آنکھیں پاوے، یہ سن کر بادشاہ نے اپنے تمام ملک میں منادی پھروادی کہ جو کوئی گل بکاولی پیدا کرے یا اس کی خبر لاوے تو بہت سا انعام واکرام دے کر نہال کروں، اسی طرح بادشاہ نے ایک مدت تک اس کی انتظاری میں رو رو کر یعقوبؑ کی طرح اپنی آنکھوں کو سفید کیا اور اس کے غم والم میں مانند ایوب کے اپنے تئیں گلا دیا۔ ہر چند کہ خون جگر پیا لیکن کسی کسو[1] طرف سے کچھ اس کا سراغ نہ ملا۔

ا۔ ''کس طرح''، نسخہ ب ص۶

دوسرا قصہ چاروں بیٹوں کے جانے کی گل بکاولی کے واسطے[1]

ایک روز چاروں بیٹوں نے بادشاہ کی خدمت میں دست بستہ ہوکر عرض کی کہ سعادت مند وہی لڑکا ہے جس سے ماں باپ کی خدمت بن آوے اور اگر سعی وکوشش میں جان تک بھی جاوے تو وہ دین ودنیا کی نجات اس میں سمجھے، اس واسطے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں رخصت فرمائیے تو گل بکاولی کی تلاش کو نکلیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ایک تو آگے ہی میں اپنی آنکھیں کھو بیٹھا ہوں، اس کا داغ تو اب تک جگر سے نہیں گیا پھر جو میرے[2] گھر کے چراغ ہیں، اُن کو برباد کس طرح سے ہونے دوں، یہ صدمہ تو اُٹھایا ہی نہ جائے گا۔ شاہزادوں نے پھر مکرر عرض کیا تب چارناچار بادشاہ نے وزیروں کو فرمایا کہ اسباب سفر کا جو چاہے سو تیار کردیں چنانچہ انہوں نے بموجب حکم کے نقد وجنس ودواب وخیمہ ولشکر سے لے کر جتنا کہ چاہئے موجود کر دیا۔ تد بادشاہ سے رخصت[3] ہوکر روے روانہ ہوئے۔

شاہزادے منزل بہ منزل جاتے تھے۔ اتفاقاً تاج الملوک (کہ جس کو باپ نے شہر بدر کیا تھا) آوارگی کے جنگل کو پریشانی کے قدم سے ناپتے ناپتے ان سے دوچار ہوا اور کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔ اس نے بادشاہ کے اندھے ہونے کا قصہ اور سبب ان کے سفر کا گل بکاولی کی تلاش کے واسطے تاج الملوک سے بیان کیا۔ شاہزادے نے دل میں کہا مصرعہ[4] ''کہ اُٹھ بخت کو تو بھی اب آزما''، مصلحت نیک تو یہ ہے کہ میں بھی بھائیوں کے ساتھ گل بکاولی کی جستجو کروں اور اپنی قسمت کے زر کو امتحان کی کسوٹی پر جانچوں۔ اس میں اگر اپنے دامن کو مراد کے پھولوں سے بھروں تو فہوالمراد، نہیں تو اسی وسیلے سے باپ کے ملک سے باہر نکلوں۔ یہ

۱۔ مذہب عشق کے بیشتر مخطوطات میں حصہ دوم کی سرخی نہیں ہے

۲۔ میرے نسخہ ب ص۶

۳۔ رخصت نسخہ ب ص ۶

۴۔ مصرع نسخہ ب ص۶ حاشیہ

دل میں ٹھان کر ایک سردار کے پاس (کہ نام اس کا سعید تھا) گیا اور بہ ادب تمام سلام کیا، اس کی نظر جو شاہزادے پر پڑی تو دیکھا کہ اُس کی پیشانی کی چمک خورشید کی روشنی کے ساتھ برابری کر رہی ہے اور چاند سے رُخسار سے زلف شب رنگ کے سائے میں[1] ماہ تمام کے جلوے لے رہے ہیں۔ پوچھا تو کون ہے اور کہاں سے آنا ہوا۔ تاج الملوک نے چند گوہر سخن ور جک لعائین دہن سے نکالے کہ بیچارہ غریب مسافر بے کس ہون نہ کوئی غم خوار کہ غم خواری کرے نہ یار کہ شرط یاری کو بجالاوے۔ سعید نے اس یوسف ثانی کی شیرین زبانی سے محظوظ ہوکر بہ صد آرزو وخواہش اپنی رفاقت میں رکھا۔ ہر روز الطاف زیادہ کرتا۔ کہتے ہیں کہ

شاہزادے ایک مدت میں شہر فردوس کے بیچ (کہ تخت نشین وہاں کا رضوان شاہ تھا ٹھہریں (پہنچے اور شام کے (ص ۱۶) وقت دریا کنارے اس ارادے سے کہ چند روز یہاں ٹھہریں، خیمے استادہ کروائے۔ جب مسافر آفتاب ملک مغرب کی سیر کو گرم رفتار ہوا اور سیاح ماہتاب رات کے مشکی گھوڑے پر سوار ہوکر مشرق کی طرف سے باگ اٹھا الغاروں چلا تب چاروں شہزادے اپنے تئیں ادھر اُدھر گشت کرنے لگے۔ اس بادرفتار پر سوار ہوکر بطریق سیر شہر میں آئے اور ایک محل منقش و مکلّف (جس کے ہر ایک مکان کے آگے زربافی پردے پڑے ہوئے تھے) نظر آیا وہاں کے باشندوں سے ایک کو پوچھا کہ یہ مکان عالیشان کس کا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ حویلی دلبر بیسوا کی ہے۔ شہزادوں نے کہا اللہ اکبر یہ محل بادشاہی اس نے کہاں پایا۔ وہ شخص پھر کہنے لگا کہ یہ رنڈی اِس زمانے میں یکتا ہے حسن اور ملاحت میں بے ہمتا، شہرہ آفاق، اپنے کام میں طاق، رعنائی وزیبائی میں نہایت دل جو، خوبی اور دلبر بائی میں بہ غایت خوبرو، چشم خورشید کی مدام اس کے شمع جمال پر مانند پروانے شیدا اور چہرہ ماہتاب کا دوام اُس کے مکھڑے پر فدا۔ رباعی:

[2] کسی نے راہ میں اُس کی اگر قدم مارا
تو آپ ہی عقل کی فہرست پر قلم مارا
اُسی نے [3] تج دیا ناموس و ننگ کو اپنے
کہ جس نے ذرا بھی اسکی خواہش میں دم مارا

صاحبان مباشرت کے واسطے ایک نقارہ معہ چوب اُس نے اپنے دروازے پر رکھا ہے، جو کوئی جا کر

۱۔ ماہ تمام کے سے جلوے نسخہ ب ص ۶ ۲۔ کسی نے راہ میں اُس کی قدم اگر مارا نسخہ ب ص ۷
۳۔ تجھ دیا نسخہ ب ص ۷

اُسے بجاوے تو وہ عیاری (کذا عیار) زمانے کی گھر میں اُسے بلاوے اور لاکھ روپئے لے تب ایک بار اُسے ملے۔شاہزادے کہ اپنی[1] دولت پر نہایت مغرور تھے۔نشان ہمت کا اُس کے شوق ملاقات کے میدان میں بلند کر کے دروازے پر گئے اور جاتے ہی بلا تحاشہ نقارہ بجادیا۔ سنتے ہی مکارۂ دوراں نے دل میں کہا کہ الحمدللہ بعد مدت مدید کسی ایسے نیک بخت نے میرے گھر کا قصد کیا، چاہئے کہ میرے حجرہ کو روشن کرے اور ایسے موٹے تازے شکار نے میرے جال میں آنے کا ارادہ کیا ہے۔اغلب ہے کہ وہ میرے دام میں پھنس جاوے۔نقل مشہور ہے کہ یہ طائفہ اِسی فکر و ترددُ میں رہتا ہے کہ کوئی عقل کا اندھا گانٹھ کا پورا ملے، سوخدا نے ویسے ہی شخص بھیج دیئے۔(ص ۱۸) جھپ جھپ بناؤ سنگار کر زیور مرصع لال موتی ہیرا زمرد کے جابجا موقع سے پہن بڑی ٹپ ٹاپ سے بن ٹھن کر بیٹھی۔اس میں یہ بھی آ پہنچے چند قدم استقبال کر کے ہر ایک کو سونے کی کرسی پر بیٹھایا۔ اتنے میں کچھ رات گئی کہ گل عذار ساقیوں نے زرنگار پیالوں میں شراب لا حاضر کی اور جام کو گردش میں لائے۔ اسی طرح آدھی رات گذر گئی۔تب اُس عیاری (کذا) نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو تختہ نرد منگاؤں باقی شب اس شغل سے کٹے۔کہا اس سے کیا بہتر! مکارہ نے ایک بلی کے سر پر چراغ رکھا اور لاکھ روپئے کی[2] بازی بد کر کھیلنے لگی۔لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ شاہزادوں نے اس آدھی رات کے عرصے میں پچاس لاکھ روپئے ہار[3] دیئے۔اس میں خورشید جہاں گرد زمردی تختے پر نمود ہوا اور ماہ کا مہرہ سیمیں اپنے گھر میں گیا۔اُس مکر ہانی نے بھی بساط بازی لپیٹی۔شہزادے اپنے مکان کو گئے دوسرے روز جب آفتاب سیاحوں کی طرح مغرب کی منزل میں پہنچا اور ماہتاب پادشاہوں کی مانند سپاہ انجم کو لئے تخت فیروزہ رنگ پر رونق بخش ہوا شاہزادے اُسی آن بان سے اُس کے یہاں آئے اور بدستور طلائی چوکیوں پر بیٹھے۔حور لقا لونڈیاں خدمت (ص ۱۹) میں آ حاضر ہوئیں اور بھانت بھانت کا کھانا سونے روپے کے خوانوں میں لا دسترخوان پر چن دیا۔بعد تناول طعام تختہ نرد منگوا کر دس لاکھ روپئے کی بازی مقرر کر کے کھیلنے لگے۔غرض اُس رات سب مال و متاع نقد و جنس ہاتھی گھوڑے اونٹ وغیرہ جس قدر کہ رکھتے تھے، ہار گئے۔تب اُس مکارہ نے بازی سے ہاتھ کھینچ کر کہا، ائے جوانو! تمہارا سرمایہ آخر ہو چکا اب بساط بازی لپیٹو اور بادو گوش و بینی اپنے گھر کی راہ لو۔شاہزادوں نے کہا کہ اب کی بار ہم اپنے طالع کے زر کو امتحان کے ترازو میں تولیں، اگر ہمارے بخت کا پلّا جھکے تو اپنی ہاری ہوئی جنس سب تجھ سے پھیر

۱۔ دولت اور مال پر نسخہ ب ص ۷

۲۔ بازی بندھ کر نسخہ ب ص ۷

۳۔ ہارے نسخہ ب ص ۷

لیں، نہیں تو ہم چاروں تیرے فرماں بردار غلام ہو کر رہیں۔ جد یہ قول وقرار ٹھہرا تب اُس اُچھال چھکا نے طرفتہ العین میں وہ بھی بازی جیت لی اور سب اسباب نقد و جنس اُن کا اپنی سرکار میں داخل کیا اور اُن کو قیدیوں کے سلسلے میں (کہ ویسے سینکڑوں تھے) بھیج دیا۔ لشکر و سپاہ اور[1] رفیق اُن کے گل خزاں زدہ کی پنکھڑیوں کی مانند درہم برہم ہو گئے۔ تاج الملوک نے اپنے دل میں یہ مصلحت[2] ٹھہرائی کہ اب کچھ ایسا کیا چاہیئے (ص ۲۰) جو اُن کی خلاصی[3] کا موجب ہو اور میرا کام بھی نمایاں۔ یہ دل میں سمجھ سمجھا شہر میں آیا اور ایک امیر کے در دولت پر جا کے دربانوں کو کہا کہ مسافر ہوں بے خان مان کسی عمدہ قدر دان کو ڈھونڈھتا ہوں۔ تمہارے صاحب کا خلق پسندیدہ از بسکہ مشہور ہے۔ اگر اپنی بندگی میں بندے کو نوازیں تو بدل و جان خدمت بجالائے۔ اُن میں سے ایک نے امیر کی خدمت میں جا کر شاہزادے کی کیفیت عرض کی، فرمایا اُسے حاضر کر، وہ لے آیا۔ امیر نے اُس کے منہ کو دیکھ کر کہا: یاالٰہی کیا آفتاب چوتھے آسماں سے انسان کے قالب میں آیا کوئی غلمان بہشت بریں سے زمیں پر اُترا۔ شعر:[4]

چمکے تھا ستارۂ بلندی   پیشانی نازنین پہ[5] اُس کی

غرض امیر نے اُسے اپنی خدمت میں رکھا اور ہر روز مہربانی کی نظر اُس کے حال پر زیادہ کرتا۔

۱۔ ''رفیق اُن کے پنکھڑیوں کی مانند گل خزاں زدہ کی درہم برہم ہو گئے'' نسخہ ب ص ۸

۲۔ باندھی نسخہ ب ص ۸   ۳۔ مخلصی نسخہ ب ص ۸

۴۔ بیت نسخہ ب ص ۸   ۵۔ پر نسخہ ب ص ۸

تیسرا قصہ تاج الملوک کے تختہ نرد کھیلنے کا دلبر لکھا بیسوا سے اور جیتنے میں تمام مال اور اسباب کے

جب تاج الملوک کو اس کی خدمت میں کئی ایک مہینے گذرے اور اس نے اپنی وجہ مقرری سے کچھ روپے جمع کئے ایک روز اُس کی خدمت میں عرض کی کہ ایک شخص (ص ۲۱) فدوی کے آشناؤں میں سے اس شہر میں تازہ وارد ہے اگر حکم ہو تو ہر روز چار گھڑی کے واسطے اُس کے پاس جایا کروں۔ امیر نے کہا بہتر پس شاہزادہ ہر روز تختہ نرد کھیلنے والوں پاس جا بیٹھتا اور اُن سے کھیلتا، یہاں تک کہ اس کے سب قانون دریافت کئے۔ جب ہر ایک سے بازی ہاتھ آنے لگی تب تاج الملوک نے یہ تجویز کی کہ اب عیارنی سے کھیلے اور اپنے طالع کے قرعہ کو امتحان کے تختے پر ڈالے پھر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہو۔ یہ دل میں ٹھان کر ایک روز اُس کے دروازے کی طرف گیا، دیکھا کہ ایک بڑھیا اندر سے باہر آتی ہے۔ کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے، اس نے کہا کہ یہی یہاں مدار المہام ہے۔ بدون اس کی اجازت کے وہ کوئی کام نہیں کرتی۔ تاج الملوک نے دل میں کہا کہ اب کچھ مکر پھیلایا جائے اور محبت کا رشتہ اس کے گلے میں ڈالئے، اس کے ہاتھ سے میرا کام نکلے تو نکلے یہ تجویز کر کے اس دن تو چلا آیا۔ پھر ایک روز وہی بڑھیا اسے دکھائی دی دوڑ کے سلام کیا اور پانوں پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگا۔ بڑھیا نے پوچھا تو کون ہے اور کہاں سے آیا مگر دیوانہ ہے یا (ص ۲۲) مظلوم کہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ شہزادے نے کہا: بیت

کیا پوچھتی ہے مجھ سے ہی حال میرا ابتر
دنیا میں کوئی مجھ سا ڈھونڈھے تو پاوے کمتر
آتش سے غم کی میرا سینہ جلا بھنا ہے
دو دن کی زندگانی میرے پہ اب بلا ہے

گردش سے آسمان کی کیا کیا ستم ہے مجھ پر

سائے بغیر اپنا ساتھی نہیں نہ رہبر

اے ماما مسافر ہوں بے سروپا اس بیگانے شہر میں نہ کوئی یار نہ آشنا نا بجز باری تعالیٰ کی ذات کے نہ اپنا کوئی پشت پناہ نہ کسی کا آسرا، پورب دیس وطن ہے میرا ایک میری دادی تھی، وہ بھی قضائے الٰہی سے کئی برس ہوئے کہ مجھ کو اس عالم فنا میں اکیلا چھوڑ کر بہشت نصیب ہوئی۔ اُس کے تمام آثار میں نے تجھ میں پائے، اس واسطے بہ صد آرزو تیری پابوسی کی۔ اگر میرے اس حال کو الطاف کی نظر سے تو دیکھے اور اس عاجز کی غریبی و بیکسی پر رحم فرماوے تو میں تیرا ہی ہو کر رہوں اور بجائے دادی کے تجھ کو تصور کروں۔

(ص ۲۳) نظر سے اپنی جو کرتے ہیں خاک کو اکسیر

کبھی تو گوشہ چشم اس طرف کریں للّٰہ

ایسی چکنی چپڑی باتوں سے اس پیرزال کا دل موم کی مانند پگھل گیا۔ بولی اے جوان میرا بھی اس جہاں میں اپنا کوئی نہیں رہا۔ آج سے میں تیری دادی اور تو میرا پوتا، پھر تاج الملوک نے کہا کہ اے دادی صاحب، کئی روز سے میں ایک جگہ نوکر ہوا ہوں، اس کی فرماں برداری لازم بلکہ واجب ہے۔ ہر روز تمہاری قدم بوسی کے واسطے نہ پہنچ سکوں گا مگر کبھی کبھی۔ بڑھیا نے کہا کہ بیٹا کیا مضائقہ، اگرچہ شہزادے نے ہر روز کے آنے کا عذر کیا لیکن مدام اس غم خوار کے گھر جاتا اور چاپلوسی و تملق کی بہت سی باتیں کرنا۔ آخرش رفتہ رفتہ اس کا محرم راز ہوا۔ اس طرح سے کچھ روز گذرے۔ ایک دن شہزادہ کچھ روپے اس کے پاس لے گیا اور کہا دادی صاحب یہ روپے رکھ چھوڑو دیا اگر کسی کام میں درکار ہوں تو خرچ کرو۔ بڑھیا بولی بیٹا تیرے روپے لے کر میں کیا کروں گی، خدا کا دیا میرے گھر سب کچھ ہے کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر تجھے کسی کام کے لئے کچھ درکار ہو تو یہ نقد و جنس تیرا ہی ہے بے وسواس اپنے تصرف میں لا۔

[1]کھانے کے لئے یہ زر ہے اے نور بصر

(ص ۲۴) رکھ چھوڑنے کو تو سنگ وزر یکساں ہے

غرض شاہزادے نے جب اس کو اپنے حال پر مادر مہربان سا مہربان پایا، ایک روز بیٹھ کے اِدھر اُدھر کی باتوں کا تذکرہ نکالا اور اس مذکور میں یہ بھی ذکر ڈالا کہ اے دادی صاحب یہ تم کو کچھ معلوم ہے کہ جو کوئی اس

ا۔ فرد۔ نسخہ ب ص ۹ حاشیہ

عیارنی سے ''تختہ نرد''[۱] بازی کھیلتا ہے کیوں نہیں پاتا۔

اس نے جواب دیا کہ بیٹا! یہ راز نپٹ نازک ہے۔ خبردار ہرگز کسی سے نہ کہیو، ایسا نہ ہو کہ یہ بات طشت از بام ہووے اور اس کی بَھنک اس خام پارہ کے کان میں پڑے جو میرے زوال کا باعث ہووے۔ شاہزادے نے کہا کہ استغفراللہ یہ کیا بات ہے۔ بڑھیا بولی کہ اس نے ایک بلی اور چوہے کو پرورش کر کے یہ سکھایا ہے کہ بلی سر پر چراغ رکھے تو وہ لئے رہے اور چوہا دیئے کے سائے میں دَبا بیٹھا رہے۔ جب کہ اس کی خاطر خواہ پانسا نہ پڑے تب بلی چراغ کو ہلا کے نردوں پر سایہ ڈالے اور چوہا پانسے کو اس کے حسب دِل خواہ اُلٹ دے۔ پس جو کوئی اس سے کھیلنے آتا ہے بلی اور چوہا جو انہیں خو پذیر ہو رہا ہے، عمل میں لاتے ہیں، یہ ان کی مدد سے جیتتی ہے اور وہ بے چارہ ہار جاتا ہے لیکن کسی کھلاڑی نے آج تک نہیں تاڑا اور جو کہ اس ارادے پر آیا اس نے داغ (ص ۲۵) ندامت کا اپنی پیشانی پر کھایا۔ تاج الملوک یہ باتیں دریافت کر بازار میں گیا اور ایک نیولے کا بچہ مول لے کر اسے آستین میں رکھ یہ سکھانے لگا کہ جونہیں وہ چٹکی کی آواز پاوے۔ دونہیں مانند بچہ پلنگ کے کود کے آستین سے باہر آوے۔

جب اس طرح سیکھ سکھا وہ طاق ہوا تب ایک روز شہزادہ بڑھیا سے یہ مکر پھیلا بیٹھا کہ اب میں اس نوکری سے اُداس ہوا ہوں اگر تو ہزار روپئے سے میری مدد کرے تو تجارت کروں۔

بڑھیا نے کوٹھری میں لے جا کر اُسے کہا کہ دیکھ بیٹا یہ سب[۲] روپیا پیسا حاضر ہے جتنا چاہئے، اتنا لے۔ تب شاہزادہ ہزار روپئے اس سے لے کر امیر کی خدمت میں گیا اور عرض کی کہ میرے آشناؤں میں سے ایک کا آج بیاہ ہے اگر سرکار سے ایک خلعت فدوی کو مرحمت ہو تو باعزت وحرمت اس مجلس میں جاوے۔ امیر نے اپنا ملبوس خاص شاہزادے کو عنایت کیا اور فرمایا کہ گھوڑوں میں سے بھی جو کہ تیری پسند ہو لے جا۔ تب تاج الملوک حضور کے خاصے پر سوار ہو اس بیسوا کے دروازے پر گیا اور گھوڑے (ص ۲۶) سے اُتر بے باکانہ قدم اندر رکھا۔ اس کی ہیبت سے اس کے منہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ استقبال کے لئے دوڑی آئی۔ شہزادے نے کہا کہ تو ایک مدت سے اس شہر میں مسافروں کی دمساز رہی ہے اور میں جو اس شہر کے والی کا خواص ہوں کبھی مجھ سے رجوع نہیں ہوتی۔ بہر حال لا کچھ تحفہ یاروں کے بھی نذر کر اس نے شہزادے کو بہ اعزاز جڑاؤ کرسی پر بیٹھایا اور آپ

۱۔ ''تختہ نرد کھیلتا ہے'' نسخہ ب ص ۱۰

۲۔ پیسا ''نسخہ'' ب ص ۱۰

ہٹ[1] کر نیچے بیٹھی۔ اس میں شاطر فلک کج باز نے آفتاب کی سنہری نرد کو مغرب کے گھر میں چھپایا اور فرقدان نے روپہری کعبتین کو تختہ طلوع پر پھینکا۔ شہزادے نے کہا میں سنتا ہوں کہ تجکو تختہ نرد کھیلنے سے بڑا شوق ہے۔ آ و ایک بازی کھیلیں، اس مکر ہانی نے پہلے تو بہت سی ناہیں نوہیں کی آخر[2] بالغرور شہزادے کے کہنے سے تختہ نرد منگوا بدستور قدیم بلی کے سر پر چراغ رکھا اور لاکھ روپئے کی بازی[3] بدکر پانسا پھنک دیا۔

پہلی بازی تو شہزادے نے جان بوجھ کے ہاردی اور اس نے بلی چوہے کی مدد سے جیت لی، پھر دوسری بازی رکھی کھیلتے کھیلتے جو ایک داؤ اس کی خاطر خواہ نہ پڑا بلی نے سر ہلا دیا چوہا کہ اسی بات کا منتظر چراغ کے (ص ۲۷) سایہ میں بیٹھا تھا۔ اس نے چاہا کہ پانسے کو الٹ دے، تاج الملوک نے وونہیں چٹکی بجائی، آواز سنتے ہی نیولا مانند بجہ پلنگ کے جست کر کے آستین سے نکلا۔ چوہا تو اس کی صورت دیکھتے ہی کافور ہو گیا اور بلی پر بھی ایسی دہشت غالب ہوئی کہ چراغ سر سے پھینک کر وہ بھی ہوا ہو گئی۔ اس بات سے شہزادے نے نہایت برہم ہو کر کہا کہ اے عیارنی تو نے خوب بھگل نکالا ہے، باوجود یہ کہ تیرے گھر لعل شب چراغ تک ہیں، ایک شمع دان بھی نہیں رکھتی۔ اس بات سے وہ نہایت خجل ہوئی اور تمام بدن اس کا پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اُسی وقت فتیلہ سوز منگوا کر رکھا اور دونوں پھر اُسی کام میں مشغول ہوئے۔ کہنے والا یوں کہتا ہے کہ شہزادے نے اس رات میں سات کروڑ روپئے جیتے اس میں صبح صادق ہو گئی۔ تاج الملوک نے کہا کہ اب حضرت جہاں پناہ کے ناشتے کا وقت عنقریب آ پہنچا ہے، اگر میں اس وقت حضور اعلیٰ میں حاضر نہ ہوں تو موجب قباحت کا ہوگا۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور وے روپئے شام کے وعدے پر اسی کے پاس چھوڑ امیر کی خدمت میں آ حاضر ہوا۔ شام کے انتظاری میں تمام دن جوں توں کاٹا سورج کے ڈوبتے ہی اپنے تئیں سج سجا ایک ایسے گھوڑے بادرفتار پر (کہ جس (ص ۲۸) کی جلدی کے رشک سے بادِ صبا بھی ہر دم دم سرد بھرتی تھی) سوار ہو کر اس کے گھر پہنچا۔ یہ خبر سن کے اس نے چند قدم چارنا چار استقبال کیا اور شہزادے کو بدستور کرسی پر لا بیٹھایا،[4] کھانے کے بعد کروڑ روپئے کی بازی ٹھہرا کر کھیلنے لگی۔ کہتے ہیں کہ اس کھلاڑی نے آدھی رات کے عرصے میں قریب سو کروڑ کے جو نقد اس کے

۱۔ ہٹ کر نیچے بیٹھی۔ نسخہ ب ص ۱۰

۲۔ آخرش بالغرور نسخہ ب ص ۱۰

۳۔ بازی باندھ کر نسخہ ب ص ۱۰

۴۔ کھانا کھانے کے بعد نسخہ ب ص ۱۱

خزانے میں تھے ہار دیئے۔تب ششدر ہو کے وہ شش و پنچ کرنے لگی۔آخر اثاث البیت کی نوبت پہنچی وہ بھی تاج الملوک کے[1] ہاتھوں ہاتھ ہاتھ لگا، پھر اس نے کہا کہ اب تو تیرے پاس کچھ باقی نہیں رہا اتنی رات کس شغل سے کٹے گی۔ بھلا اب ایک کام کر کہ پورب پچھّم کے شہزادے جن کو تو نے مکر و فریب سے قید کر رکھے ہیں، ان پر ایک بازی کھیل اگر تو جیتی تو میں لاکھ روپئے دوں نہیں تو ان کو میں لون اور جو چاہوں سو کروں۔اس پر وہ راضی ہوئی پل مارتے شاہزادے نے وہ بھی بازی الگ جیت لی۔تب وہ بولی کہ اے جوان، جواں بخت ایک بار اور میں اپنے نصیب کو آزماؤں اگر یہ بازی میرے ہاتھ آئی تو اپنی سب جنس ہاری ہوئی تجھ سے پھیرلوں نہیں تو تیری لونڈی ہو کر رہوں۔شاہزادے کے طالع کا ستارہ آسمان سعادت پر چمک رہا تھا، بات کی بات میں وہ بھی بازی لے لی۔تب تو سروقد اُٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ اے جوان نیک بخت خدا کی مدد، طالع کی یاوری سے تو نے مجھ کو اپنی لونڈیوں میں ملایا اور لونڈی بنایا[2] غرض جس شکار کے واسطے روئے زمین کے بادشاہوں نے اپنی تمام عمر صرف کی بخت بلند کی امداد سے اس کو تو نے ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا۔[3] اب یہ تیرا گھر ہے مجھ کو اپنے نکاح میں لا اور باقی عمر ساتھ دولت وحشمت کے یہیں بسر لے جا۔تاج الملوک نے کہا کہ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا کیونکہ مجھے ایک بڑی مہم درپیش ہے۔اگر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں اس پر فتح یاب ہوں گا تو البتہ تو بھی کامیاب ہوگی۔اب تجھے لازم ہے کہ بارہ برس تک میرے انتظار میں نیک بختی کا لباس پہن کر حق سبحانہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور اپنے کسب سے ہاتھ اُٹھاوے۔اس نے کہا بوستان سرداری کے نونہال اب تک تیرے گلشن جوانی کا شگوفہ بھی نہیں پھولا اور (ص ۳۰) بہارستان کے چمنوں کو صرصر پیری کا جھوکا بھی نہیں لگا۔کیا لازم ہے جو تو سفر کر کے محنت کے آتش کدہ میں عمداً اپنے تئیں ڈالے اور سرگردانی کی آگ قصر شادمانی میں قصداً لگاوے۔مجھ کو بھی اس کیفیت سے مطلع کر کہ میں بھی تیرے ساتھ جب تک میرے قالب میں جان رہے اور وہ مہم سر نہ ہو، سعی و تردد کروں کہ اب مجھ کو تیرے بغیر یہ گھر بندی خانہ ہے۔

[4] اے فصیحی گھر بغیر از یار کے زنداں ہے　　　　در پہ ہر ایک گھر کے لکھا چاہئے اس بات کو

جب کہ اس علامہ نے اس راز سربستہ کے کھولنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا تب شہزادے نے کہا کہ سن

۱۔ ہاتھوں ہاتھ لگا نسخہ ب ص ۱۱

۲۔ ملایا اور لونڈی کیا نسخہ ب ص ۱۱

۳۔ دیکھ سب یہ ترا گھر ہے ص ۱۱　　　　۴۔ بیت۔ نسخہ ب ص ۱۲

میرا نام تاج الملوک ہے اور زین الملوک شرقستان کے بادشا کا میں بیٹا ہوں۔ قضا کار میرے باپ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حکیموں اور طبیبوں نے بالاتفاق گل بکاولی کے سواء اور کوئی دوا تجویز نہ کی۔ اُسی روز سے میرے چار بھائی جو چند روز سے تیری قید میں ہیں۔ گل مذکور کی تلاش کو نکلے۔ میں بھی خفیہ اُن کے ساتھ تھا۔ سو وے تو تیرے مکروفریب کے دام میں پھنس گئے۔ میں سینکڑوں حیلوں سے تجھ تک پہنچا اور غالب ہوا، اب اُسی کے کھوج میں جاتا ہوں۔ اگر گل مقصود میرے ہاتھ آیا تو آیا، (ص ۳۱) نہیں تو اس کے پیچھے تو جان لے کہ میں جی تک بھی گنواؤں گا۔ یہ سن کر اس نے کہا اے شہزادے یہ کیا خیال باطل تیرے دل میں سمایا اور اندیشۂ فاسد تیرے جی میں آیا۔ ذرے کو کیا مجال کہ اپنے تئیں آفتاب کی منزل میں پہنچا دے پرند کی کیا طاقت کہ آپ کو ہم قدم بادصباء کا بنا دے سن بکاولی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اس کے باغ میں وہ گل ہوتا ہے، پر اُس چار دیواری کو آفتاب جہاں بیں بھی آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھ سکتا۔ ہزاروں دیو اُس کی نگہبانی کے واسطے چاروں طرف مستعد رہتے ہیں۔ کسی ذی روح کو یہ طاقت نہیں کہ بے اجازت اُن کی وہاں تک پہنچے اور انگنت پریاں پاسبانی کے لئے اُدھر میں مقرر ہیں کہ کوئی پرندہ اس پر نہ مارے۔ سوائے اس کے زمین پر سانپ بچھولا انتہائی آٹھ پہر حوکی دیتے ہیں کہ کوئی اس راہ سے بھی اس کے پاس نہ پہنچ سکے اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ ہزاروں چوہوں سے دن رات خبرداری کرتا ہے کہ سرنگ کی راہ سے بھی کسی کی[۱] وہاں تک رسائی نہ ہووے۔ سچ تو یہ ہے چیونٹی چاہے کہ رینگتی ہوئی کسی حیلے سے اس تک پہنچے ممکن نہیں۔ اے شہزادے تو اپنے تئیں ہرگز اس خرابی میں نہ ڈال قرآن شریف میں (ص ۳۲) آیا ہے (کہ نہ ڈالو تم اپنے ہاتھ ہلاکت کی طرف) اور سعدی نے بھی فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: بیت:

کوئی مرتا نہیں ہے بن آئے
ایک تو منہ میں اژدھے کے نہ جا

شہزادے نے کہا فی الحقیقت یہی بات ہے پر حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے خلیل اللہ پر آگ کو گلزار کر دیا تھا۔ اگر میں عاشق ثابت قدم ہوں اور میرا عشق کا جذبہ صادق ہے تو البتہ شاہد مراد کے دامن تک مرادست رس ہوگا۔

کیا کر سکے ہے دشمن جو دوست مہربان ہو

۱۔ کسیکی رسائی نہووے..... نسخہ ب ص ۱۲

تو میرے چھوٹے قد پر نہ جا اگرچہ بنی آدم قوت میں دیوؤں سے کمتر ہیں۔ لیکن فہم وفراست میں زیادہ ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمودہ ہے کہ ہر آئینہ بزرگی دی ہے ہم نے بنی آدم کو۔

حکایت برہمن اور شیر کی

وہ تو نے سنا ہے یا نہیں کہ کسی جنگل میں ایک روز کسی برہمن کا گذر ہوا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر موٹے رسے سے جکڑا ہوا پنجرے میں بند پڑا ہے وہ اس کو دیکھ کر نہایت قرینے سے گڑگڑانے لگا کہ اے دیوتا اگر تو میرے اس حال زار پر (ص ۳۳) رحم کر کے اس قید سے مجھ کو نجات بخشے تو اس......

جان بخشی کے عوض ایک نہ ایک دن میں بھی تیرے کام آؤں گا۔ برہمن سادہ لوح کا دل شیر کے بلبلانے پر بھر آیا، پر عقل کے اندھے کو یہ نہ سوجھی کہ دشمن ہے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا چاہیے۔ بلا تامل قفس کا دروازہ کھول کر اُس کے ہاتھ پانوں کھول دیئے بند سے خلاص ہوتے ہی اُس خون خوار نے اُس کوتہ اندیش کو گردن سے پکڑ کے اپنی پیٹھ پر ڈال لیا اور وہاں سے چل نکلا۔ بیت[۲]

نیکی کرنی بدوں سے ہے ایسی   جیسے نیکوں سے کی بدی تو نے

برہمن نے کہا، اے شیر میں نے نیکی کی تھی تیرے ساتھ بھلائی کی اُمید پر برخلاف اِس کے تو نے اِرادہ بدی کا کیا، خیر۔ [۳]مصرع:

میں نیکی سے گذرا بدی بھی نہ کر

شیر بولا کہ ہمارے مذہب میں نیکی کی جزا بدی ہے[۴] اگر میرے کہنے کا اعتبار نہ ہو تو چل کسی دوسرے سے پچھوا دوں جو وہ کہے سو کریں۔ اس بات پر وہ گو برگشتہ راضی ہوا۔ اُس جنگل میں ایک بڑا پرانا بڑ کا درخت تھا شیر اور برہمن اُس کے نیچے گئے شیر نے (ص ۳۴) اپنی درخواست اُس سے ظاہر کی۔ اُس نے [۵]جواب میں اُس کے یوں کہا کہ سچ کہتا ہے کہ اِس وقت میں نیکی کا بدلا سوائے بدی کے اور کچھ نہیں۔ اے برہمن تو میرا حال

۱۔ ''مصرع''......نسخہ ب ص ۱۲ حاشیہ
۲۔ ''بیت''......نسخہ ب ص ۱۲
۳۔ ''مصرع''......نسخہ ب ص ۱۲
۴۔ بدی ہی جائز ہے......نسخہ ب ص ۱۳
۵۔ اُس نے درجواب اُس کے کہا......نسخہ ب ص ۱۳

سن کہ میں برسرراہ ایک پاؤں سے کھڑا ہوکر سب چھوٹے بڑے مسافروں پر سایہ یکساں کرتا ہوں۔لیکن جو مسافر کہ گرمی کا مارا ہوا میری چھانوں میں سستا تا ہے پھر جاتے وقت میری ڈالی توڑ کر......

اپنے منہ پر سایہ کرنے کو لے جاتا ہے' کوئی میری شاخ کی لاٹھی بناتا ہے۔پس بھلائی کا عوض برا ہی ہے یانہیں[1] شیر کہا کہو دیوتا اب تم کیا کہتے ہو۔کہا، کسی اور سے بھی پوچھا چاہیئے ۔نے چند قدم آگے جا کر رستے سے اس بات کو پوچھا' اُس نے بھی کہا کہ شیر سچا ہے۔سنومترجی جو مسافر مجھے بھول کر اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے جب کہ میں اُسے ملتا ہوں تب وہ بہ آرام اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے آخر اس کے بدلے میری چھاتی پر پیشاب کرتا ہے بلکہ جاضرور بھی پھرتا ہے۔برہمن بولا مدہت مانو[2] یعنی تیسرے سے اور بھی اس بات کو دریافت کرلو پھر جو تیری رضا ہوسوہی بہتر۔شیر آگے بڑھا سامنے سے (ص ۳۵) ایک گیدڑ ٹیلے پر بیٹھا دکھائی دیا اور اس نے بھی دیکھا کہ شیر آدمی کو جیتا جاگتا لئے آتا ہے۔اِس علت سے اُس نے جانا کہ کچھ دال میں کالا ہے ارادہ بھاگنے کا کیا۔شیر نے للکارا کہ اے گیدڑ تو کچھ اندیشہ نہ کر ہم ایک بات پوچھنے تیرے پاس آئے ہیں۔تب وہ بولا کہ حضرت کو جو کچھ ارشاد کرنا ہوسو دور ہی تشریف رکھ کے کریں کیونکہ خود بدولت کے رُعب سے اس عاجز کے ہوش وحواس کا طائر اُڑا جاتا ہے۔شیر نے کہا کہ اِس برہمن نے مجھ سے نیکی کی ہے اور میں ارادہ بدی کا رکھتا ہوں کہہ تو اس میں کیا کہتا ہے۔گیدڑ نے عرض کی کہ یہہ بات اس خاکسار کے خیال میں نہیں گذرتی جو آپ ارشاد کرتے ہیں۔آدمی کی کیا مجال جو قوی ہیکل جانوروں کے شہنشاہ سے (جسکے روبرو انسان پسہ سا ہے) کچھ نیکی کر سکے۔ہرگز اس بات کا مجھ کو اعتبار نہیں آتا۔جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں' شیر نے کہا آ ہم دکھاویں۔پھر شیر برہمن کو لئے آگے آگے اور گیدڑ......

آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ایک آن میں پنجرے کے پاس تینوں آپہنچے۔برہمن نے کہا اے گیدڑ شیر اسی کٹھ گھرے میں تھا جو میں نے خلاص کیا کہہ (ص ۳۶)[3] اب اِس میں تیرا کیا فتویٰ ہے۔گیدڑ بولا کہ اتنا بڑا شیر اِس چھوٹے سے پنجرے میں کیوں کر تھا۔اب میرے روبرو پھر اِس میں جاوے اور جس طرح کہ اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے اُسی صورت سے باندھ کے پھر تو کھولے تو میں جانوں۔شیر اندر گیا اور برہمن اُس کے

ا ''شیر نے کہا کہو دیوتا اب تم کو کیا کہتے ہو کہا کسی اور سے بھی پوچھ'' شیر نے چند قدم......نسخہ ب ص ۱۳

۲ ''مان'' نسخہ ب ص ۱۳

۳ کہہ تیرا کیا فتویٰ ہے......نسخہ ب ص ۱۴

ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ گیدڑ نے کہا کہ اگر آگے سے ان بندھنون کے باندھنے میں کچھ بھی فرق کرے گا تو باللہ میں ہرگز اس بات کا جواب نہ دے سکوں گا۔ اُس نے گیدڑ کے کہنے سے شیر کو خوب مضبوط باندھا اور قفس کا دروازہ بند کر کے کہا۔ اے گیدڑ دیکھ اِسی طرح یہہ گرفتار تھا جو میں نے کھولا۔ گیدڑ بولا پتھر پڑیں۔ تیری عقل پرائے نادان ایسے دشمن قوی سے نیکی کرنی اپنے پیر میں آپ کلھاڑی مارنی ہے۔ تجھے کیا ضرور کہ بیری کو قید سے چھڑاوے جا اپنی راہ لے کہ دشمن تیرا مغلوب ہوا۔ سچ ہے جو کوئی بے صبری وفریاد اپنے نفس کی[1] (جو مثل شیر ایذا دہندہ کے جسم کے پنجرے میں بند ہے) سنے اور اُس کے حال پر رحم کر کے صبر وتوکل کی رسی اُس کے ہاتھ پاؤں سے بے مہابا کھول دے بہرصورت اپنے تئیں اُس کا لقمہ بناوے مگر خضر رہنما کی دست گری سے بچے تو بچے۔ اے بیسوا یہہ ذکر اس واسطے میں نے یہاں کیا (ص ۳۷) جو تو جانے کہ طاقت جسمانی قوت روحانی پر زیادہ نہیں رکھتی۔ اب تجھے یہہ لازم ہے کہ پورپ پچھّم کے شہزادوں کو (جو تو نے مکروفریب سے قید کیا ہے)......

چھوڑ دے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو بھی دوزخ کی قید سے نجات بخشے۔ لیکن اپنے بھائیوں کے واسطے بہت تقید کیا کہ جب تک خدا مجھے[2] یہاں لاوے تب تک اُن کی حفاظت قرار واقعی کیجو۔ یہہ کہہ کے رخصت چاہی۔ تب اُس نے لاچار رخصت دی اور باچشم خونبار یہ چند اشعار پڑھے۔ ابیات[3]

آتش سوزاں میں تو اے شوخ بے پروا نہ جا
نقد جانِ بیکساں کو لوٹ کر تنہا نہ جا
تشنہ لب اے ابر نسیاں اِس صدف کو چھوڑ کر
طرف ویرانے کی ظالم اِس قدر دوڑا نہ جا
حادثوں کی باد چلتی ہے جہاں میں بسکہ تند
کلبۂ احزان سے تو اے شادیٔ دل ہا نہ جا
تو نہیں واقف ہے حیلے سے زمانے کے ابھی

---

[1] شیر ایذا دہند جسم کے پنجرے میں بند ہے نسخہ ب ص ۱۴
[2] ''پھر'' نسخہ ب ص ۱۴
[3] ''ابیات''...... نسخہ ب ص ۱۴

یوسف دوراں یہہ زندان ہے تو اب پھر آنجا
جس میں تو جاتا ہے وہ ہے بحر ناپیدا کنار
مان میری بات کو ظالم یہیں رہ جا نہ جا
(ص۳۸) حشر میں پروانے کو دیویگا پھر تو کیا جواب
چھوڑ کر اس کو کہیں اے شمع نور افزاء نہ جا

اے عزیز تو نے معلوم کیا کہ یہہ میں نے کیا کہا' سن اس بات کا حاصل یہہ ہے کہ دل عرش منزل تیرا جو رونق بخش تخت بادشاہ کا اور دیکھنے والا مادی و مجرد کا تھا جب کہ اس کی آنکھ اس خلف ناپاک پر......

(جو عالم خاکی سے ہے) پڑی تب ہی سے اُس کی بصارت کے آئینہ کو زنگ لگا اور دیدۂ روشن تاریک ہو گیا۔ اب اُٹھ اور سرمہ بینائی ڈھونڈھ یعنی گل مراد کی تلاش میں دوڑ دھوپ کر لیکن راہ میں دنیائے عیارہ کی بازی میں کہ تختہ فریب کا دھرا ہوا اُس کا اور نرد دوغا کی بنائی ہوئی اُس کی ہے مشغول نہ ہو جیو' مبادا وہ فاحشہ پہلے تیرے تئیں فریفتہ کر کے بتا دیوے اور بعد اُس کے مکر کی بلی اور فریب کے چوہے کی مدد سے اچھا پانسا اپنے حسب المدعا پھینکے اور اچانک تیرے توکل کا سرمایہ آخر ہو جاوئے تب تجھ کو دائم الحبس رکھے۔ اگر تو صبر کے نیولے کی پشتی سے اُس مکارہ کی بازی طلسم کو درہم برہم کر دے تو وہ فاحشہ (جو بادشاہوں اور گردن کشوں کی (ص۳۹ ہم نشین ہے) تیری فرماں بردار لونڈی ہو کر چاہئے کہ تجھ کو اپنے حسن و جمال پر لبھاوے' پھر اگر تو اُس کے منہ پر الفت کی نظر سے نگاہ نہ کرے تو یقین ہے کہ گل مقصود کے دامن تک تیرا دست رس ہو جاوے اور تو باپ کی آنکھوں میں نور بخشے اور بھائیوں کو قید سے چھڑاوے۔

چوتھا قصہ تاج الملوک کے پہنچنے کا بکاولی کی سرزمین میں ایک دیو کی مدد سے

راوی شیرین زبان یہہ داستان یوں بیان کرتا ہے کہ تاج الملوک نے ٹھاٹھ قلندرانہ کیا اور آئینے سے چہرے پر راکھ کو ملا پھر خدا کا نام لے کر چل نکلا بعد کئی روز کے ایک ایسے جھاڑ کھنڈ بیابان میں (جس کا کچھ اور چھور نہ تھا اور نہایت تاریکی سے ہرگز دن رات میں کچھ فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔ سیاہی وسفیدی میں[1] ذرہ بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا) جاوارد ہوا۔ اور اپنے دل کو ڈھارس بندھا کے کہنے لگا اے عزیز یہہ تو پہلی ہی بحر مصیبت کی لہر ہے تجھ کو سارا دریا کا دریا ہی پیرنا پڑا ہے ہمت کی کمر چست کر کے باندھ اور سمندر کی مانند اپنے تئیں اِس آتشکدہ میں ڈال دیکھ تو خدا کیا کرتا ہے۔ بیت[2]

(ص۴۰) غواص کہیں ڈرے جو گھڑیا لون سے
ہرگز نہ لگیں ہاتھ میں موتی اُس کے

یہہ سوچ کے آخرش اُس کے اندر بیٹھا' جو قدم کہ پچھلا آگے بڑھتا' سو کانٹوں پر پڑتا قدم قدم پر آہ و نالہ کرتا' غرض ایسے جنگل خون خوار میں (جو جاہلوں کے دل کا سا تاریک تر اور درندوں کا مسکن پر خطر تھا) وہاں اگر ایکدم آفتاب آوے تو اپنا نور کھو جاوے ہر طرف جو اژدہے بھوکھے پیاسے منہ کھولے پڑتے تھے گویا خالی گھروں کے دروازے کھلے تھے۔ دوزخ کی گرمی کے بغیر نہ کہیں گرمی[3] سانپ کے زہر سوا نہ کسی جگہہ پانی' بدون غم کے نہ کوئی یار بنا پھپھولے کے نہ کہیں آبشار مدت تک شاہزادہ داہنے بائیں دوڑتا پھرا جھاڑوں کے رگڑوں سے بدن چھل گیا۔ ہر ایک عضو سے لہو ٹپکا یہاں تک کہ پھول سے تلوے اُس کے ببول کے کانٹوں سے

---

۱ کچھ فرق معلوم نہ ہوتا تھا...... نسخہ ب ص ۱۵

۲ ''بیت''، نسخہ ب ص ۱۵

۳ سانپ کے زہر کے سوا نہ نسخہ ب ص ۱۵۔

چھد گئے۔ کہتے ہیں کہ شہزادے نے ایسی ایسی مصیبت ومحنت اُٹھا کر مارے اُس جنگل کو طے کیا اور لاکھوں سجدے شکر الٰہی کے بجالا کر آگے بڑھا سامنے سے ایک دیو پہاڑ سا بیٹھا نظر آیا۔ اُس نے جانا کہ یہہ پہاڑ ہے جب نزدیک (ص۴۱) پہنچا' تب یکبارگی وہ ظالم اپنی قامت قیامت کو بلند کر کے ہمسر فلک کا ہو گیا اور مارے خوشی کے بادل سا گرج کر بولا کہ تصدق جاؤں میں اپنے رازق کے اور قربان ہوں ایسے خالق کے کہ جس نے ایسا لطیف لقمہ مجھ سے دیو کیسف کے واسطے گھر بیٹھے بھیجا۔ یہہ کہہ کر شہزادے سے مخاطب ہوا کہ اِس ایام جوانی میں تیری اجل کی رگ کس نے جلائی اور زندگانی کی طناب کس نے کاٹ دی جو تو عمداً حیات کے شہر کو چھوڑ قصداً اپنی خواہش کے پاؤں سے موت کے ویرانے میں آیا۔ شہزادہ اُس کی ہیبت کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

چہرے کا رنگ پتنگ سا اڑ گیا منہ پر ہوائی سی چھٹنے لگی۔ کہا اے دیو تو میرا احوال کیا پوچھتا ہے۔ سن کہ زندگانی اِس دنیائے فانی کی مجھ پر وبال ہوئی ہے۔ اگر مجھے اپنی جان پیاری ہوتی تو میں ہرگز آپ کو موت کے پنجے میں نہ ڈالتا اور تجھ ایسے خونخوار کے دام میں گرفتار نہ ہوتا۔ اب مجھ کو اس زندگی کی صعوبت سے (کہ محض ایک بلا ہے) چھڑا اور بلا توقف میرا کام تمام کر کہ ایک ساعت کی زندگانی مجھ پر برابر سو برس کی مشقت کے ہے۔ (۱) بیت

کٹے خوشی سے تو ہے زیست خضر کی تھوڑی نہیں تو نیم نفس بھی بہت ہے جینے کو (ص۴۲)

دیو کو ایسی درد انگیز باتوں سے رحم آیا' حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم کھا کر یہہ سخن زبان پر لایا کہ اے آدم زاد میں تجھے ہرگز رنجیدہ خاطر نہ کروں گا اور سر مو تصدیع نہ دوں گا بلکہ اپنی پناہ میں رکھ کر جس مطلب کے واسطے تو نکلا ہے اس میں سعی وکوشش کر کے مدد کروں گا۔ پس ہر روز دیو شہزادے پر شفقت زیادہ کیا کرتا اور بار بار دلاسے دیا کرتا۔ تاج الملوک بھی میٹھی میٹھی باتیں کر کے اُس سے شیر وشکر کی مانند مل گیا اور چاپلوسی وتملق سے اُس کو محبت کے شیشے میں اُتارا۔ القصہ ایک روز دیو نے مہربان ہو کر کہا کہ کہہ تیری غذا کیا ہے میں لا دون۔ تاج الملوک نے عرض کیا آدمیوں کی غذا گھی' شکر میدہ وغیرہ ایسی ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ سنتے ہی دیو اُٹھ دوڑا اور ایسے ایک قافلے پر پہنچا کہ جس کے بدرقے کے لوگ کھانڈ اور گھی وغیرہ اونٹوں پر لادے ہوئے کہیں کو لئے جاتے تھے۔ وے لدے لدائے اونٹ اُٹھا کر شہزادے کے آگے لے آیا کہ اپنی خورش لے اور اس میں سے کچھ کھا۔ تاج الملوک نے اُن پر سے غلہ وغیرہ اُتار لیا اور انہیں جنگل میں چھوڑ دیا۔ پھر ہر روز موافق اپنی غذا (ص۴۳) کے کچی پکی روٹی پکار کر کھانے لگا۔ اسی طرح چند روز گذرے ایک دن شہزادے نے کئی ایک من

میدا اُس میں گھی کھانڈ ملا کر بڑی بڑی چٹانوں پر ڈال کے ہاتھ پاؤں سے خوب روندا اور گوندھا۔ پھر ادھر اُدھر سے سوکھی لکڑیاں جمع کر روغنی روٹ خوب سینک سا نک کر تیار کیئے اور ایک اونٹ کے کباب بھی خوب ہی نمکین بھونے۔ دیو نے دیکھ کر پوچھا کہ آج تو نے کیوں اتنی تکلیف اُٹھائی اور کس واسطے فضولی پر کمر باندھی۔ تاج الملوک نے کہا یہہ سب تمہارے ہی لئے ہے تا کہ تم بھی ایک نوالہ اس میں سے کھا کر آدمیوں کے کھانے کی لذت دریافت کرو۔ دیو نے یکبارگی سب کا سب اٹھا منہ میں ڈال لیا۔ از بسکہ اس طرح کے کھانے کی لذت اُس نے کبھی نہ چکھی تھی مارے خوشی کے اُچھل اُچھل کر کھاتا تھا اور بار بار شاباشی دے کر کہتا کہ اے آدم زاد آج تو نے مجھے ایسی چیز کھلائی کہ میرے باپ دادا نے کبھی نہ کھائی ہوگی۔ بلکہ کسی دیو نے آج تک ایسے طعام کی لذت نہیں چکھی۔ اِس روٹی کے ٹکڑے کا احسان میں ابد[1] تک مانوں گا اور دل سے تیرا ممنون رہوں گا۔ شہزادے نے (ص ۴۴) جو اُس کی رغبت دیکھی تو ہر روز نئی قسم کی روٹی اور کباب تیار کر کے کھلانے لگا۔ دیو نہایت محظوظ ہوا یہاں تک کہ ایک روز خود بخود کہنے لگا۔ اے آدم زاد تو ہر روز اِس لقمہ لذیذ سے مجھے ایسا خورسند رکھتا ہے۔ اگر میرے ہر ایک روئیں سے سو زبان پیدا ہوں اور ہر زبان سے تیرے احسان کا شکر ادا کروں تو بھی نہ ہو سکے۔ لیکن اب تک تیرا کوئی کام میرے ہاتھ سے نہیں نکلا اگر کچھ مطلب ہو تو بیان کر۔ تاج الملوک نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے دیوون کا مزاج اکثر جھوٹ کی طرف راغب ہوتا ہے اور اپنی بات پر قائم نہیں رہتے۔ اگر تم حضرت سلیمان کی سوگند کھاؤ تو میں اپنا راز تمہارے آگے ظاہر کرون۔ وہ بولا کہ میں اُس[2] بزرگ کی قسم سے ڈرتا ہوں خدا جانے تو کیا کہے۔ اگر[3] وہ مجھ سے نہ ہو سکے تو پھر مرنا ہی پڑے۔

آخرش چار نا چار قسم کھائی اور پوچھا کہو کیا مطلب ہے۔ تاج الملوک نے کہا کہ ایک مدت سے مجھ کو بکاولی کے ملک کی سیر کا سودا ہوا ہے۔ اُس سرزمین میں کسی صورت تو مجھ کو پہنچا دے تو یہی میری آرزو ہے۔ یہ (ص ۴۵) بات سنتے ہی اُس نے ایک دم سرد سینے سے کھینچا اور دو ہتھڑ اپنے سر پر مار کر بے ہوش ہو گیا۔ بعد ایک ساعت کے ہوش میں جو آیا، ہائے ہائے کرنے لگا اور ماتم زدوں کی سی صورت بنا کر بولا ''اے آدم زاد، حق تعالیٰ نے تیری اجل کا سررشتہ میرے ہاتھ میں نہ دیا بلکہ میری حیات کی باگ تیرے ہاتھ دی۔ سن بکاولی پریوں

---

۱ ابد تلک......نسخہ ب ص ۱۷
۲ بزرگ کی قسم......نسخہ ب ص ۱۷
۳ اگر مجھ سے نہ ہو سکے......نسخہ ب ص ۱۷

کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اٹھارہ ہزار بلکہ اِس سے زیادہ اس کے باپ کے غلام ہوں گے سو ہر طرف اُس ملک کی پاسبانی کرتے ہیں۔ میں تو ایک طرف وہاں کے خاص چوکیدار جو اُس کشور سے نزدیک ہیں انہوں نے بھی اس شہر کی چار دیواری کو نہ دیکھا ہوگا۔ کسی ذی حیات کی کیا طاقت بلکہ بادصرصر بھی بغیر اُن دیوؤں کی اجازت کے (جو برس روز کی راہ تک نگہبان ہیں) ممکن ہی نہیں کہ پہنچ سکے اور ہوا پر بے شمار پریاں دن رات نگہبانی میں مشغول ہیں کہ کوئی پرندہ اُس سرحد میں پر نہ مارے اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ بے انتہاء فوج سے اور سانپ بچھوؤں کا لشکر زمین پر محافظت کے لئے مقرر ہے تاکہ کوئی سرنگ لگا کر بھی وہاں نہ پہنچے۔ بھلا میں تجھے وہاں کیوں کر پہنچاؤں اور جو نہ پہنچاؤں تو یقین ہے کہ سبب اس قسم کے جان سے جاؤں، اب تو ایک کام کر آج پھر اِسی طرح سے کھانا پکا دیکھ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہو اور میری کوشش کے ہاتھ سے کیا بن پڑے۔ تاج الملوک نے وہی کیا، جب کھانا دیو نے تیار دیکھا چنگھاڑا۔ فوراً شمال کی طرف سے دیو پہاڑ سا پہنچا اور دونوں دست بوسی کر کے بیٹھ گئے۔ پھر تاج الملوک پر دیو ثانی کی نظر جا پڑی۔ شہزادے نے فی الحال جھک کر سلام کیا۔ اُس کے سلام کرنے سے دیو نے حیران ہو کر صاحب خانہ سے پوچھا کہ اے بھائی یہہ مقام تعجب کا ہے، اب تک کسی نے نہ دیکھا یا کہ نہ[1] سنا ہوگا کہ دیو[2] اور آدمی سے موافقت ہو اور دونوں ایک جگہ ہم نشین رہے۔ اس کے یہاں رہنے کا باعث مجھ سے بیان کر۔ دیو نے کہا بھائی اس آدم زاد نے میرے تئیں نہایت ممنون کیا ہے اور اخلاص کی کمند میری گردن میں ڈالی ہے۔ مجھ کو کسی وضع اُس سے بدی کرنی منظور نہیں اور تجھ کو اِسی واسطے میں نے بلایا ہے کہ تو بھی اس کے ہنر سے واقف ہو۔ یہہ کہہ کے صاحب خانہ نے سرانجام مہمانی کا لا مہمان کے آگے رکھ دیا۔ وہ بھی اُس لقمۂ شرین کو منہ میں ڈالتے ہی نہایت (ص ۴۷) متلذذ ہو خوشی کے مارے ناچنے لگا آخر کھا پی کر مہمان نے کہا کہو بھائی تم سے بھی آج تک اس آدمی کا کچھ کام ہوا یا نہیں۔ گھر کے مالک نے جواب دیا کہ یہہ شخص ایسے ایک کام کے تکلیف دیتا ہے کہ حد امکاں سے باہر اور سعی و تردود کے احاطے سے خارج ہے۔ اگر تو مہربانی کرے تو شاید یہہ کامیاب ہو۔ پھر اُس نے پوچھا یار وہ ایسی کونسی بات ہے جو تم اُس میں عاجز ہو۔ میزبان نے کہا اِس کو ملک بکاولی کی سیر کی خواہش ہے۔ یہہ سن کر مہمان بولا،

[1]مصرع: جو جان بوجھ کے پوچھے تو پھر خطا ہے سوال

صاحب خانہ نے کہا کہ میں نے حضرت سلیمان کی سوگند کھائی ہے اگر تو توجہ کر کے اِس کو شاہد مراد سے

---

۱ نہ دیکھا نہ سنا ہوگا...... نسخہ ب ص ۷۱ ۲ اور...... نسخہ ب میں نہیں ہے ص ۷۱

ملاوے تو فی الحقیقت میری جان بخشی کرے۔ القصہ اُس دیو کی بہن حمالہ نام اٹھارہ ہزار دیو (جو بکاولی کے ملک کے خاص چوکیدار تھے) اُن کی وہ سردار تھی۔ اُس کو ایک خط اِس مضمون کا لکھا۔

اے خواہر عزیز مجھ کو ان دنوں میں ایک ایسا سفر درپیش ہوا ہے کہ بدون اُس کے کسی صورت سے مجھے رہائی نہیں اور ایک مدت سے (ص ۴۸) میں نے ایک آدم زاد کو بجائے فرزند کے پرورش کیا ہے۔ اب میرے جانے کے بعد گھر خالی رہے گا بہرصورت جائے خوف وخطر ہے اس واسطے اس نور دیدہ کو تمہاری خدمت میں روانہ کیا۔ چاہیئے کہ اس کے حال پر شفقت کی نظر رکھو کہ کس طرح سے تصدیع نہ اُٹھاوے والسلام۔ اور قاصد کے ہاتھ دیا۔ پھر تاج الملوک کی طرف منہ پھیر کر اشارا کیا کہ اس کے ساتھ جا میں نے تو سعی وتردد کی گیند اپنے بازو کے زور سے مطلب کے میدان میں پھینکی اگر تیرے بخت کا چوگان مدد کرے تو شاید تو اپنے مطلب کو پہنچے یہہ کہہ کر قاصد کے بائیں ہاتھ پر بیٹھا دیا۔ اُس نے داہنے ہاتھ کا سایہ کیا بلکہ چھپا لیا اور رستہ پکڑا۔ بخیریت منزل مقصود میں جا پہنچا اور دور سے حمالہ کو سلام کر شہزادے کو حوالے کیا۔ وہ دیکھ کر اُس کو نہایت خوشی سے باغ باغ ہو غنچے کی مانند کھل گئی۔ بیت۔

سماتی تھی نہ اپنے پیرہن میں
خوشی سے ایسی وہ پھولی تھی من میں

الغرض قاصد کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی اگر بھائی مجھ کو سرخ گندھک کی کھان بھیجتا یا انگوٹھی سلیمان کی تو (ص ۴۹) بھی میں اتنا خوش نہ ہوتی جتنا کہ اس کے آنے سے ہوئی۔ بعد اس کے خط کا لفافہ کھول کے اُس کا احوال دریافت کر جواب لکھا۔ پھر وہ خط نامہ بر کو دے کر رخصت کیا۔[۲] بعدہٗ محمودہ کو تاج الملوک کے ساتھ بیاہ دیا۔ اے عزیز روشنی چشم ظاہر بین کی سات پردے کے اندر ہے اور تجلی باری تعالیٰ کی نور دیدۂ اولیا ہے ستر ہزار پردے میں ہے اگر یہہ ارادہ ہو کہ وے پردے درمیان سے اُٹھین تو پہلے اُس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اٹھا اور اُس کو بس میں کر کہ وہ لعین اپنی کجروی چھوڑ کر محمودہ کے مقام میں پہنچاوے۔ لیکن یہہ بات یاد رہے کہ اگر دیو سے الٹا معاملہ کیجئے تو سیدھا پڑے۔

---

[۱] ''مصرع''......نسخہ ب ص ۱۷ [۲] ''پھر''......نسخہ ب ص ۱۸

پانچویں کہانی تاج الملوک کے پہنچنے کی بکاولی کے باغ میں اور لینے میں گل مقصود کے اور عاشق ہونے میں بکاولی پر

(ص ۵۰) القصہ تاج الملوک چند مدت محمودہ کی صحبت میں رہا لیکن کبھی نہ اُس غنچہ دہن کا دل اُس کی باتوں سے کُھلا اور نہ کدھی یہہ اُس گل کے پاس شگفتہ ہو کر بیٹھا۔ ایک رات محمودہ نے شہزادے سے کہا۔ اے مایہ نشاط شاید آدمیوں کی یہی وضع ہے جو رات کو گلے لگ کر اپنی ہم خواب کے نہ سوئیں الگ پڑے رہیں بوس و کنار بھی نہ کریں اور سویرے جیسے کے تیسے اُٹھ کھڑے ہوں۔ تاج الملوک بولا کہ عیش وعشرت نوع انسان میں اس سے بھی کچھ زیادہ ہے پر میرا جی کسی کھٹے پیالے پر نہیں چلتا بلکہ جان شیریں بھی تلخ لگتی ہے کیونکہ ایک بڑی مہم درپیش ہے اور میں نے عہد باندھا ہے کہ جب تک وہ سر نہ ہو تب تک دنیا کی تمام لذتوں کو حرام سمجھوں کسی سے اختلاط نہ کروں۔ محمودہ بولی وہ کیا ہے بیان کر۔ کہا کہ [1] بکاولی کے ملک کے دیکھنے کی مدت سے خواہش رکھتا ہوں۔ محمودہ نے جواب دیا خاطر جمع رکھ انشاء اللہ تعالیٰ کل اُمید کے رشتے کی گرہ تدبیر کے ناخن سے کھولوں گی اور وہ ملک تجھے دکھاؤں گی۔ خیر وہ رات تو جوں توں گذری۔ جب مہتاب چھپا اور آفتاب نکلا۔

(ص ۵۱) حمالہ دونوں کو خواب گاہ سے باہر لائی اور اپنے داہنے بائیں زانو پر بیٹھا کر شفقت اور الطاف مادرانہ کرنے لگی۔ محمودہ نے سرو قد اُٹھ کر عرض کیا۔ اے امّاں جاں میں کچھ عرض کیا چاہتی ہوں۔ اگر قبول ہو تو کروں۔ حمالہ نے سر اور آنکھیں چوم کر کہا کہ بے تکلف کہو۔ محمودہ بولی کہ یہ ملک بکاولی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس طرح کہ تم سے ہو سکے ان کو وہاں پہنچاؤ۔ حمالہ نے چند در چند حیلے اور عذر کئے۔ آخرش دیکھا کہ لڑکی کسی طرح اُس بات کا خیال نہیں چھوڑتی ناچار قبول کیا اور چوہوں کے بادشاہ کو بلا کر فرمایا کہ اِسی وقت یہاں

---

۱ ملک بکاولی......نسخہ ب ص ۱۹

۲ گلاب کی بو باس......نسخہ ب ص ۲۰

سے بکاولی کے باغ تک سرنگ کھود کر اِس شاہزادے کو (کہ میری حیات کا سرمایہ ہے) اپنی گردن پر سوار کر کے اُس باغ میں لے جا مگر خبردار سر موٗ اُسے آسیب نہ پہنچے ہرگز اپنی گردن سے نیچے نہ اُترنے دیجو۔ اُس نے بموجب حکم کے ویسا ہی کیا۔ باغ میں پہنچ کر شہزادے نے آہستہ آہستہ چاہا کہ اُتر کر اُس میں جاوے۔ چوہے نے نہ چھوڑا اور ارادہ پھرنے کا کیا۔ تاج الملوک بولا کہ اگر تو مجھے اس باغ کی سیر کو جانے دے تو بہتر نہیں تو میں اپنے تئیں ابھی (ص۵۲) ہلاک کرتا ہوں۔ چوہا ڈرا کہ اگر یہہ اپنی جان پر کھیل جائے گا تو میں بھی حمالہ کے ہاتھ سے مارا پڑونگا[1]۔ ناچار جانے دیا۔ تاج الملوک جا کر دیکھتا کیا ہے کہ سونے کی زمین پر زرِ خالص کی چار دیواری میں لعل بدخشاں اور عقیق یمنی نیچے سے اوپر تک جڑے ہیں۔ اور زمرد کے چمنو کے آس پاس فیروزے کی نہریں گلاب سے معمور جن کو دیکھ کر خدائی نظر آوے جاری ہیں۔ واہ واہ کیا ہی سہانا باغ ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں جس کے چمن کی سیر سے شفق پھولا ہوا نظر آوے اور پھولوں کے رنگ کی سرخی سے گل سرخ آفتاب کا شرمندگی کے مارے پسینہ میں ڈوب جاوے۔ وہاں کے انگور کا خوشہ سبزۂ زمردیں میں عقد پروین کا رشک بڑھاتا ہے۔ اور سنبل کا عالم ہر ایک زہرہ جبین کے گھونگھریالے بالوں کو پیچ و تاب دلاتا ہے۔ اگر اُس کے گلزار کی شبنم کا ایک قطرہ سمندر میں پہنچے تو مچھلیوں میں گلاب کی باس[2] آنے لگے۔ جو وہاں کے پرندوں کی صدا آسمان کے کان میں پڑے تو پھرنے سے باز رہے۔ اور اگر زہرہ سنے تو فی الفور وجد میں آ کر ناچتی ہوئی ماہتاب کے دف سمیت زمین پر گر پڑے معشوقوں کی قندقوں سے وہاں کے عناب رنگین تر اور سرو اکڑ تکڑ میں قامت خوبان سے کہیں بہتر۔ اُس کے ایوان کی شمع کا آفتاب اگر پروانہ ہو تو بجا ہے اور مہتاب اُس کی صفائی پر دیوانہ ہو تو روا ہے۔ طرفہ تر یہہ کہ لعل کے درختوں میں موتیوں کے گچھے ایسے درخشاں ہیں جیسے خورشید کے شجر میں ستاروں کے خوشے آویزاں۔ گلاب کے جڑاؤ حوضوں پر زمرد کی ڈالیاں باو سے جھک جھک کر ین اوز بطخیں گوہر شب چراغ کی اُن میں پیرتی پھریں۔ شہزادہ یہہ رنگ ڈھنگ دیکھتا بھالتا قدم بڑھائے چلا جاتا تھا کہ ایک دالان صرف یاقوت کا اور اُس کے سامنے زبرجد کا، بیچ میں اُن کے ایک حوض مرصع پاکیزہ گلاب سے بھرا ہوا اُس کے اطراف کی ناؤدانوں پر جواہر خوش آب کے گٹے دے ہوئے اور درمیان اُس کے ایک پھول نہایت لطیف و نازک خوشبو کھلا ہوا نظر آیا۔ تاج الملوک نے اپنے ذہن کی رسائی سے وونہیں تاڑا کہ ہو نہ ہو گل بکاولی

۱؎ مارا جاؤں گا......نسخہ ب ص۱۹

۲؎ گلاب کی بو باس......نسخہ ب ص۲۰

یہی ہو۔فوراً کپڑے اُتار حوض میں بیٹھا اور گل مقصود کو اُس میں سے لے کنارے پر آیا۔ پوشاک پہنی اور اس کو پٹکے میں باندھ لیا پھر محل کی سیر کو متوجہ ہوا۔ آگے بڑھتے ہی ایک قصر عقیق یمانی کا دکھائی دیا۔ دروازے اُس کے ہم پہلو آسمان کے انوٹھے طور پر ہر ایک مکان کے اُس کی چمک آگے دھوپ پھیکی اور چاندنی دھندھلی۔ یہہ پروانے کی مانند شوق کے بال و پر کھولے ہوئے اُس کے اندر بے دھڑک چلا آیا دیکھا کہ ایک دلاان نہایت خوش اسلوب اور عقیق اُس کا بہت چوکھا اُس دالان کے درمیان خوب صورت اور خوش قطع ایک شہ نشین نظر پڑا' پردے اُس[1] کے کارچوبی کے نپٹ انوٹھے پر سب کے سب چھوٹے ہوئے تھے۔ شہزادہ اُس میں بھی جا گھسا پر ہکا بکا سا کھڑا رہ گیا۔ وہاں ایک جڑاؤ پلنگ پر ایک پری نازنین دبلی پتلی سونے کی کانپ سی بے حجاب نظر آئی۔ انگیا کھسکی ہوئی' کرتی سرکی ہوئی کنگھی بگڑی ہوئی لٹیں چھوٹی ہوئیں۔ نیفہ ڈھلکا ہوا الجھا ازار بند کا لٹکا ہوا ناز سے ماتھے پر ہاتھ رکھے ہوئے جوانی کی نیند میں بے خبر سوئی ہے۔ اس کے رنگ روپ کی جوت سے زمین و آسمان نورانی' اور اُس کی چشم سیہ مست سے نرگس کو ہمیشہ حیرانی' لب نازک کے رشک سے لالہ خوں میں غلطاں اور ابرو کی چاہ سے ہلال زار و ناتواں۔ بہار کا معلم اُس کے غنچہ دہن سے کوئی حرف نہ سنے تو شگوفے کے لڑکوں کو پھولنے کا (ص ۵۵) سبق نہ دے سکے۔ اگر زنگی شب اُس کی زلف مشکیں کی پناہ میں نہ آوے تو اُس آفتاب کی تیغ شعاع سے مارا جاوے۔

سرو قد گلعذار عنبر بو
شکرین لب عزیز دل مہ رو
کہیں پردے سے گروہ باہر آوے
چاند سورج کی جوت بگڑ جائے[2]
سلک دندان سے گر خبر پاتا
تو ثریا کو پردہ ہی بھاتا
کیا کرے ہے تو وصف اُس گل کا
اُس کی بلبل کو اِس سمین یہاں لا

تاج الملوک دیکھتے ہی بے خود ہو کر گر پڑا۔ بعد ایک ساعت کے جو آپ میں آیا تو اپنے تئیں سنبھال

---

[1] بھی......نسخہ ب ص ۲۰
[2] جوت یکسر جائے......نسخہ ب ص ۲۱

کے جوں توں اُس کے سرہانے تک پہنچایا اور ایکدم (آہ) سرد دل پر درد سے بھر کے یہ بتیں پڑھیں۔

[1]جب اُٹھا کر نقاب ہوتو عیاں
کھینچے شرمندگی مہ تاباں
تیرے گیسوے مشک فام کے بیچ
لیلۃ القدر رہتی ہے پنہاں
مست ہے حسن کی شراب میں تو
تجھ کو پروا کس کی ہے جاناں
ہم پر[2] کیا کیا گذر گیا لیکن
نہ ہوئی کچھ خبر تجھے اے جاں

القصہ شہزادے نے اپنے دل میں ٹھانا کہ یہاں اپنے آنے کی نشانی کچھ چھوڑ جایا چاہئے۔ وو ہیں اُس (ص ۵۶) پری کی انگوٹھی بہ آہستگی ونرمی اُتار لی اور اپنی پہنادی پھر آنکھیں[3] آنسوؤں سے بھر کر یہہ شعر پڑھتا ہوا وہاں سے اٹھا۔ شعر:

لالہ ساں اس باغ سے ہم داغ ہجراں لے چلے
خاک سر پر داغ دل پر سینہ بریاں لے چلے
باغ دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا کم نصیب
آئے ایسے باغ میں اور خالی داماں لے چلے

آخر حالت خواب میں اُسے وداع کیا اور سرنگ کی راہ سے چوہے پر سوار ہوا اپنے مکان میں آ پہنچا۔ اے عزیز اب وہ کام کر کہ جس کام سے تجھے دوسرا کام سوجھے۔ جیسا کہ بھوکا نان بائی کی دوکان پر روٹی کی خاطر جاوے اور اچانک اُس کے جمال پر فریفتہ ہووے آخر روٹی سے بات گذر کر جان کی نوبت پہنچے اور نانبائی کی بھی گردن میں اُس کے عشق کی کمند پڑے۔ آخر کار بھوکا دونوں کا مالک ہووے۔ اس شہزادے کی مثل اُس کی مانند

---

[1] اب اُٹھا کر...... نسخہ ب ص ۲۱
[2] ہم پہ کیا کیا...... نسخہ ب ص ۲۱
[3] آنکھیں بھر کر...... نسخہ ب ص ۲۱

ہے کیوں کہ بلبل وار پھول کی تلاش کو نکلا اور صاحب گل کے گلشن جمال کو دیکھتے ہی باغ باغ ہوا خواہش کا ہاتھ بھی اُس کے دامن تک پہنچایا۔ پھر بہت سی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد رفتہ رفتہ خرمن گل سے اپنی گود (ص۵۷) بھری اور اپنے گھر پھرا آیا۔ حمالہ کہ انتظار میں رونے[1] کی صورت بنائے خون جگر آنکھوں میں بھرے بیٹھی تھی اُس کے پہنچتے ہی اُس کی خاطر کا غنچہ کھل گیا۔ دن ہنسی خوشی سے کٹا اتنے میں عروس روز نے شفق کے لال گھونگھٹ میں اپنا منہ چھپایا اور محبوبہ شام نے طرۂ مشک فام دکھایا۔ تاج الملوک اپنی اُمنگ سے رنگ محل میں گیا اور اُس رات محمودہ سے ہم کلام و ہمکنار رہا بلکہ اُسی طرح چند روز عیش و عشرت میں کاٹے۔

---

[1] روتی صورت بنائے...... نسخہ ب ص ۲۱

چھٹی حکایت تاج الملوک اور محمودہ کے رخصت ہونے میں حمالہ سے اور دلبر کے پاس پہنچنے اور بھائیوں کی خلاصی میں

کہتے ہیں کہ ایک رات تاج الملوک محمودہ سے خلوت میں عالم تنہائی کے بیچ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا۔ اے مایۂ عیش وشادمانی اگر چہ اس جگہ میں سب طرح کی خوشی ہے اور کسی صورت کا دکھ نہیں ہر وقت اسباب نشاط کا جو چاہیئے سو موجود ہوتا ہے لیکن کب تلک وطن اور ہم جنسوں سے دور رہیئے اور کہاں تک دوستوں کی جدائی کے غم سہے کچھ ایسی تدبیر کیا چاہیئے کہ اس (ص ۵۸) مجلس ناجنس سے رہائی پائیے۔ اور دشمنوں کے پنجے سے چھوٹ جائیے۔[1] فرد۔

ہے عزیزوں ہی کی صحبت سے جینے کی بہار
ورنہ کیا فائدہ ہے خصر سا تنہا رہنا

محمودہ نے کہا کہ خاطر جمع رکھ کل رخصت لونگی۔ جب کہ عطار گردوں نے مشک تا تار شب کو ماہ کے شیشے میں رکھ کر مغرب کے طاق کے درمیان دھرا اور خوان زرین آفتاب کا کافور صبح سے بھرا ہوا مشرق کی دوکان میں لا رکھا۔ حمالہ نے دو بھاری خلعت اور کئی خوان میوے کے تیار کر کے دونوں کو خواب گاہ سے باہر نکالا۔ پھر خلعت پہنا اور میوہ کھلا داہنے بائیں زانو پر بیٹھایا اور سر منہ چومنے لگی۔ اس اشفاق پر بھی دونوں کے غنچۂ خاطر کھلائے ہی دیکھے۔ تب بولی اے دختر باتمیز اے داماد عزیز جو تمنا تمہارے دل میں ہو سو کہو۔ اگر آسمان کے تارے بھی مانگو گے اُتار لاؤنگی محمودہ نے اُٹھ کر عرض کی کہ تمہاری توجہات وعنایات سے کوئی آرزو ہمارے دل میں باقی نہیں رہی اگر چہ تمہاری جدائی کی آگ بھی چمن عشرت کو جلائیگی او رتمہاری مجلس سے (ص ۵۹) رخصت گویا جان کی رخصت ہے لیکن ہر ساعت ہم جنسوں کا شعلۂ فراق میرے سینے میں بھڑکتا ہے اُس

---

[1] ''فرد''.....نسخہ ب ص ۲۱

نے تو طاقت و آرام کو جلا کر بھسمت ہی کر دیا۔ اگر حکم ہو تو چند روز کے لئے ہم جنسوں کی صحبت میں جاؤں اور اُن کی ملاقات کے پانی سے اس آگ کو بجھاؤں۔ مصرع۔

کہیں رہوں میں پرستار ہوں ولے تیری

حمالہ نے اس بات کے سنتے ہی ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ میں نے تجھے اس واسطے پرورش کیا تھا کہ اپنی آنکھوں کو صبح و شام بلکہ مدام تیرے دیدار کے سرمے سے روشن رکھوں پر تو کیا کرے تیری بات حق بجانب ہے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ یہ فتنہ سویا ہوا شہزادے نے جگایا ہے۔ اگر آگے سے ایسا جانتی تو ہرگز تجھے اُس کے ساتھ نہ بیاہتی۔ مصرع:

یہہ ہے گناہ میرا کچھ نہیں خطا تیری

قصہ مختصر حمالہ نے دیکھا کہ ہرگز ان کا دل یہاں نہیں لگتا ایک دیو کو بلا کر کہا کہ جہاں کہیں شہزادے کی مرضی ہو بہ احتیاط تمام وہاں پہنچاوے اور رسید اِن کی مجھ کو لا دے تاکہ تیری جان کی خلاصی کا موجب ہووے بعد اس کے حمالہ نے (ص۶۰) دو بال اپنے سر سے اُکھیڑ کر ایک تاج الملوک کو دوسرا محمودہ کے تئیں دیا اور کہا کہ جس وقت تم کو کچھ ایسی آ بنے تو یہہ بال آگ پر رکھنا اور مجھ کو اٹھارہ ہزار دیو سمیت بات کی بات میں وہیں پہنچا جاننا۔ پھر محمودہ کا ہاتھ تاج الملوک کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ بیت[1]

نہ سجدے میں تنہا ہو سر دم بدم ہو بلکہ ہر اک بال سجدے میں خم

(ص۶۱) غرض شہزادے نے اپنے پہنچنے کا احوال لکھ کر دیو کو دیا اور رخصت کیا۔ بعد اُس کے بیابان کی صعوبت اور دیو ستم پیشہ کی شفقت، حمالہ کی مروت محمودہ کے نکاح کی کیفیت، گل بکاولی کے ہاتھ آنے کی حقیقت مفصل اُس سے بیان کی۔ پھر وہ اُٹھ کر محمودہ سے ملی اور بہت سی اُس کی دلداری و مہمان داری کی۔ شہزادے نے وہاں چند روز وقفہ کیا پھر اپنے ملک کے جانے پر مستعد ہوا۔ اس واسطے کہ گل کے پہنچنے سے اُس بلبل منتظر کی آنکھیں روشن ہوں۔ فرمایا کہ اسباب سفر تیار کریں اور کشتیوں پر لا دیں۔ اہل کار وہی تعمیل میں لائے۔ اتنے میں پنڈت خانے کے داروغہ نے آ کر عرض کیا' کہ پورب کے شہزادوں کے حق میں کیا حکم ہوتا ہے۔ تاج الملوک صاحب خانہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا کہ ہر چند میں بھائیوں کی رہائی میں سفارش کروں لیکن قبول نہ کریو جب تک وے تیری مہر کا داغ اپنے چونتڑ پر نہ کھائیں۔ جونہیں زنداں بان اُن کو لایا تاج الملوک نے بہت سی

---

[1] ''بیت''......نسخہ ب ص۲۲

شفاعت کی اکثر شاہزادے پورب پچھّم کے تونے چھوڑ دیئے ان بیچاروں کو بھی اس گرفتاری سے (ص۶۲) نجات دے کہ خلق میں تیری نیک نامی اور خالق کے آگے سرخروئی ہو۔ وہ بولی آپ اس میں دخل نہ کیجئے میں ان کو ہرگز نہ چھوڑوں گی۔ مگر ایک صورت سے کہ یہ اپنے چونتڑوں پر میری مہر کا داغ کھاویں۔ شہزادوں نے جو سوائے اس کے اور کچھ اپنی رہائی کا موجب نہ دیکھا لاچار قبول کیا۔ چونتڑ دغوا کر وہاں سے چھوٹے اور جان سلامت لے گئے۔ تاج الملوک نے چلتے وقت ایک ایک خلعت اور لاکھ روپے خرچ راہ دلوا دیئے۔ انہوں نے کسی اور شہر میں جا کر کچھ جمعیت بہم پہنچائی پھر وطن کی راہ لی۔ تاج الملوک نے بھی دلبر و محمودہ کو معہ اسباب اپنے ملک کی طرف تری کی راہ سے رخصت فرمایا اور ارشاد کیا کہ فلانے گاؤں میں پہنچ کر مقام کرنا میں بھی عنقریب خشکی کی راہ سے پہنچتا ہوں۔

☆☆☆

ساتواں قصہ راہ میں تاج الملوک کے ملنے کا بھائیوں سے اور چھین لینے میں گل بکاولی کے تاج الملوک سے

کہتے ہیں کہ تاج الملوک فقیروں کے بھیس میں بھائیوں کے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا کہ ان کا ارادہ کماحقہ دریافت کرے۔ الغرض وے جہاں اترے ہوئے تھے وہاں آن پہنچا اور ایک کونے میں (ص ۶۳) لگ کر ان کی لن ترانیاں اور چوڑائیاں جھوٹی جھوٹی سننے لگا۔ آخر نہ رہ سکا سامنے آکر دوبدو کہنے لگا' بے دغل فصل کی باتیں آپس میں کیا کر رہے ہو اپنا منہ دیکھو گل بکاولی میرے پاس ہے اور وہیں اُس کو کمر سے کھول اِن دغابازوں کے آگے رکھ دیا۔ شہزادے طیش کھا کر بولے[1] بھلا ہم اُس کو آزمائیں۔ اگر تیری بات سچی نہ ہو تو جو ہم چاہیں سو تجھ کو سزا دیں۔ تاج الملوک بولا سانچ کو آنچ کیا بہت بہتر۔ پھر ایک اندھے کو بلا کر وہ پھول اُس کی آنکھوں پر ملا فوراً وہ نابینا بینا ہو گیا۔ وے اس تماشے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آخر کھسیانے ہو کر پھول زبردستی چھین لیا اور مارے طمانچوں کے منہ بھی اُس کا لال کیا پھر گردن میں ہاتھ دے وہاں سے باہر نکال دیا اور خرم و شاداں وطن کی راہ لی۔ بعد چند روز کے اپنے دیار کی سرحد میں پہنچے اور ایک پیک کو آگے بھیجا کہ ہمارے آنے کی خبر حضور میں جلد پہنچا۔ وہ اُن کا حکم فی الفور بجالایا۔ جب زین الملوک نے یہہ خبر فرحت اثر سنی باغ باغ[2] ہوکر یہہ رباعی پڑھی

بتادلا مجھے آیا یہہ قاصد جاناں
کہ درد کھونے کو پہنچا ہے صاحب درماں
ہر ایک غنچہ خاطر کھلا ہے کنعاں میں

۱؎ ''کھلا''......نسخہ ب ص ۲۳

۲؎ ''باغ باغ''......نسخہ ب میں نہیں ہے ص ۲۴

صبا لے آئی مگر بوے یوسف کنعاں

(ص۶۴) حاصل کلام بادشاہ خود کئی منزل استقبال کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب دو چار ہوئے انہوں نے قدم چومے اور بادشاہ نے اُن کا ماتھا چوما پھر ایک ایک کو چھاتی سے لگایا الطاف بہ مرتبہ فرمایا۔ پھر شہزادوں نے گل بکاولی نذر پکڑا۔ حضرت نے جونہیں آنکھوں پر ملا وونہیں تاراسی روشن ہوگئیں۔ تب کہا الحمدللہ دیدۂ ظاہری اِس پھول نے نورانی کیا اور دیدۂ باطن کو بیٹوں کے دیدار نے، بعد اُس کے بادشاہ نے جشن شاہانہ شروع کیا اور شہر میں ڈھنڈھورا پھروا دیا کہ ہر ایک فقیر امیر عیش وعشرت کا دروازہ برس روز تلک کھلا رکھے اور غم اندوہ کا مندا۔

☆☆☆

آٹھویں حکایت بکاولی کے جاگنے میں اور گلاب کے حوض میں گل کو نہ دیکھنے میں اور اُس کے چور کی تلاش کو نکلنے میں

خمخانۂ سخن کا ساقی اِس پرانی شراب کو نئے پیالے میں یوں بھرتا ہے کہ جب بکاولی نے جادو بھری آنکھیں کھولیں اور خواب راحت سے چونکی انگیا چڑھائی کرتی درست کی پشواز ناز سے پہنی کنگھی سنوارا اوڑھنی اُوڑھی پھر آہستہ آہستہ[1] جھمکتی جھومتی اٹکھیلیوں سے گل بکاولی کے حوض کی طرف چلی۔ ہر ہر قدم پر وہ گل اندام اپنے نقش قدم سے زمین کو پائیں باغ بناتی تھی اور گرد راہ کو چشم بلبل کے لئے سرمہ۔ جب حوض کے کنارے پر پہنچی دست[2] نگاریں سے گلاب اپنے گل رخسارہ پر ڈالنے لگی اور چہرے کا غبار کہ عنبر کی مانند تھا دھو دھو گلاب میں ملانے۔ ناگاہ گل بکاولی کی جگہہ پر نظر جا پڑی۔ ہر چند بہ غور و تامل نگاہ کی لیکن کچھ اُس کا نشان نظر نہ آیا۔ تب سونے کی طرح بے چینی کی گھڑیا میں گلنے لگی اور غنچہ کی مانند سموم غم سے کمھلانے۔ اتنے میں انگوٹھی پر آنکھ جا پڑی تب حیرانی زیادہ بڑھی گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگی اور یوں کہنے لگی[3] یا الٰہی یہہ کیا خواب دیکھتی ہوں یا عالم طلسم۔ اگر خواب ہوتا تو یہ علامتیں ظاہر نہ ہوتیں پس اس صورت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہہ کام کسی انسان کا ہے۔ نہیں تو دوسرے کی کیا طاقت کہ اٹھارہ ہزار دیو کے ہاتھ سے یہاں تک سلامت پہنچے اور گل مقصود کو (ص ٦٥) بے کھٹکے لے جاوے۔ پھر جس وقت کہ اپنی برہنگی کی حالت اُس کو یاد آتی شرم کے دریا میں ڈوب جاتی اور یہ اشعار اپنے حسب حال پڑھتی۔

---

۱ ''جھلتی جھومتی''......نسخہ ب ص ۲۴

۲ ''درست''......نسخہ ب ص ۲۴

۳ ''لگی''، نہیں ہے......نسخہ ب ص ۲۴

اے چور تو اپنا نام بتلا
اور چوری کا اپنی کام بتلا

جگ میں نہیں کوئی اور تجھ سا ہووے نہ بشر سے کام تیرا
ہے دزد کو مال ہی سے مطلب تکتا ہے وہ سیم و زر کو جب تب
میں دیکھوں جو تیرے دست گلگوں آنکھوں سے لگاؤں بلکہ چوموں
یہاں جنس پڑی جدھر تدھر تھی پر اور کہیں تیری نظر تھی
سینے میں سرنگ تو لگا کر دل مفت میں لے گیا چرا کر
گود پر نہیں یہ آنکھ تیری یک دم تو پڑی لبوں پہ میری
گو سیر ہوا نہ تو یہہ مانا پر شہد کا کچھ مزا تو چکھا
جو نقد تھا سوتو لے گیا وہاں صندوق فقط پڑا رہا یہاں

الغرض افسوس کرتی ہوئی حوض کے کنارے سے اُٹھ کر یاقوت کے مکان میں آبیٹھی اور پریوں کو بلا کر اُس بےخبری کی سزاء ہر ایک کو دینے لگی۔ پر یہہ نہ سمجھی کہ جس وقت تیر تقدیر چھوٹے پھر تدبیر سے کوئی نہ روک سکے۔

مصرع: تقدیر کے آگے کچھ تدبیر نہیں چلتی

پھر پریوں سے جھنجھلا کر کہنے لگی اگر تم اپنی زندگی چاہتی ہو(ص ٦٧) تو میرے چور کو بہ جنس لا حاضر کرو۔ یہہ سن کر سات سو پریاں پل ہانکتی کو دو پھانگتی چار طرف تلاش کے واسطے اُتر گئیں۔ لیکن کہیں اُس بے نشان کا نشان کسی نے نہ پایا۔ سچ ہے کہ بےنشان کے نشان کا کچھ نشان نہیں اور بےنشان کے نشان سے وہ نشان پاوے جو اپنے تئیں بےنشان بناوے۔ بیت[1]

جو پیچھے گم شدہ کے کوئی جاوے
کرے گم آپ کو تب اُس کو پاوے

بکاولی کا دل عشق کے تیر سے بدھ گیا تھا ندان بیتاب ہو آپ بھی چور کی تلاش کے لئے ہمت باندھ کر نکلی۔ جہاں کہیں کہ جاتی اُسے کوئی نہ دیکھتا اور وہ ہر ایک کو دیکھ کر پرکھتی اور جانچتی۔ غرض اسی طرح سے پھرتے پھرتے پورب دیس میں جا نکلی۔ کہتے ہیں کہ جب زین الملوک کے شہر میں وارد ہوئی جس کوچہ و بازار میں جاتی

---

[1] ''بیت''......نسخہ ب ص ٢٥

وہاں اسباب عیش کا مہیا پاتی ہر ایک کے دروازے پر خوشی کی نوبت بجتے دیکھتی۔ یہہ رویہ دیکھ کر حیران ہوئی۔ آخر اپنے تئیں پندرہ سولہ برس کا جوان شکیل دیدارو بنا کر کسی سے پوچھا کہ اِس شہر میں چھوٹے بڑے کی خوشی کا (ص ۶۸) سبب اور خاص و عام کی شادی کا باعث (کہ برخلاف آئین حکمت ہے) کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ یہاں کا بادشاہ قضائے الٰہی سے اندھا ہوگیا تھا۔ اُس کے بیٹے بعد مدت مدید کے بہت سے رنج کھینچ کر گل بکاولی لائے اور اُس سے بادشاہ کی آنکھیں روشن ہوئیں۔ تب ارشاد کیا کہ برس روز تک اِسی طرح سب ادنی اعلیٰ اپنے اپنے دروازے پر نوبت دھروائیں اور عیش مناویں۔ بکاولی نے یہہ مژدۂ جان بخش سن کر کہا الحمدللہ پائے طلب نے منزل مقصود پائی محنت ٹھکانے لگی۔ یہ ملک اسی فتنہ انگیز کا ہے اغلب کہ وہ بھی ہاتھ آوے اور خلش مٹ جاوے۔ پھر دریا کے کنارے جا کر کپڑے اُتارے پانی میں بیٹھی نہا دھو، راہ کی ماندگی رفع کر نکلی اور ایک جوان حسین بن پوشاک مردانی پہن، بادشاہی محلوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ بازار میں ناز سے آہستہ آہستہ چلتی تھی جس کی طرف کہ چشم سرمہ سا اسے اُس روپ میں بھی دیکھتی وہیں اُسے نقش پا کی مانند بیٹھا دیتی اور جس وقت کہ زلف پر پیچ و تاب کو تاب دیتی تماشائیوں کے دلوں کو پیچ میں لیتی۔ غرض جو کوئی اُسے (ص ۶۹) دیکھتا سکتے کی سی حالت میں آ جاتا۔ پھر تو تمام شہر میں اُس کے جمال کا غل پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے بھی گوش گذار ہوا۔ چنانچہ حضور سے ارشاد ہوا کہ اُس جواں رعنا کو ہمارے پاس لاؤ۔ قصہ کوتاہ حضور اعلی میں اُسے لے گئے۔ حضرت نے پوچھا کہو کہاں سے آنا ہوا اور تمہارا کیا نام ہے کس واسطے آئے ہو۔ جوان نے عرض کیا کہ وطن تو غلام کا پچھّم ہے اور نام فرخ۔ نوکری کی تلاش میں نکلا ہوں اب جہاں پناہ کے تفضلات سے اُمید یہہ ہے کہ حضور کے ملازموں میں سرفراز ہوں۔ تا دعائے دولت میں خاطر جمع سے مشغول رہوں۔ زین الملوک نے کہا بہت بہتر حاضر رہو اور خواصوں میں بہ عزت تمام سرفراز کیا بلا قید کی پروانگی بھی دی۔ تھوڑے دن اُسے گذرے تھے کہ چاروں شہزادے ایک روز بارگاہ سلطانی میں آئے۔ بادشاہ نے شفقت سے ہر ایک کو چھاتی سے لگا کر سر اور آنکھیں چومیں۔ پھر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بکاولی نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ اُس نے کہا تم نہیں پہچانتے بیٹے ہیں۔ تب اُس نے ہر ایک قیافے کے سونے کو امتحان کی کسوٹی سے کسا لیکن کھرا نہ پایا۔ سرتا پہ (ص ۷۰) کھوٹ ہی نظر آئی۔ پوچھا کہ بادشاہ کا کوئی اور بھی بیٹا ہے جوان کے ساتھ گل بکاولی لینے گیا تھا۔ اُس نے کہا اور تو کوئی، نہیں۔ جد اس پر ثابت ہوا کہ اور کوئی فرزند بادشاہ نہیں رکھتا تد نہایت گھبرائی اپنے طالع سے

لڑنے لگی اور یہہ اشعار پڑھنے لگی۔

ارے بخت زبوں تو نے کیا کیا
یہ عقدہ کام میں کیوں میرے ڈالا
نہ کھولے ناخن تدبیر اُسی کو
تو قاصر اُس کے تئیں کوئی نہ کہیو
اگر دیکھے کوئی خواب پریشان
تو ہو تعبیر دینی اُس کی آسان
ولے میرا معمہ ہے یہہ لاحل
کسی مخلوق سے ہووے یہہ کیا حل
کروں کیا خواب کی میں اپنے تقریر
نہیں تعبیر اُس کی ہے یہہ تعبیر

وہ کون سا عیار تھا جو اس باغ سے گل لے گیا نہیں نہیں بلکہ جان و دل لے گیا۔ نیرنگ سازی کے سنگ افسون سے اُس نے میری ناموس کے شیشے کو توڑا[1] اور غایبانہ عشق کے تیر (ص ۷۱) سے میرے سینے کو پھوڑا[2]۔ میں نے اُس کی کس قدر جستجو کی۔ کیا کیا محنت و مشقت کھینچی بارے یہاں اُس گل کا نشان ملا۔ ٹک ایک میرا بھی غنچہ دل کھلا۔ بیت[3]

نہیں کچھ شبہ بے شک میں نے جانا
یہی اُس چور کا ہیگا ٹھکانہ

لیکن فلک دغا باز نے میرا کھیل بگاڑا اور قرعہ نا اُمیدی کا میرے نام پر پھینکا۔ بیت

کہاں جاؤں کروں اب کس سے فریاد
نہیں کچھ بس کروں ہوں داد بے داد

---

۱ ''پھوڑا''......نسخہ ب ص ۲۶
۲ ''توڑا''......نسخہ ب ص ۲۶
۳ ''بیت''......نسخہ ب ص ۲۶

القصہ بکاولی نے اپنے دل میں ٹھہرایا کہ البتہ بادشاہ کا کوئی اور بھی بیٹا ہوگا۔ کیونکہ ان نادانوں کے قیافے سے تو یہہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس امر دشوار کی تحصیل اِن سے ہوئی ہو، بحر حال چندے اور بھی صبر کیا چاہئے دیکھوں تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیا الٹی بات ہے کہ معشوق طالب عاشق کا ہو اور عاشق اُس کا مطلوب۔ لیکن نظر تحقیق سے جو غور کرے تو سیدھی لگے کیونکہ جب تلک معشوق کو خواہش عاشق کی نہ ہو اُس کی چاہت اکارت ہے اور کوشش بے فائدہ۔ آتش (ص۲۷) طلب کی عاشق کے گریباں سے جو مشتعل ہے فی الحقیقت لگائی ہوئی معشوق کی ہے۔ جو عاشق معشوق کی راہ میں بہ ظاہر قدم رکھتا ہے باطن میں وہ معشوق کا ہی قدم رکھنا ہے۔ عشق کو اصل میں معشوق سے نسبت ہے اور وہ فعل اُسی کا ہے اگر چہ بظاہر عاشق سے صادر ہوتا ہے۔ اب یہاں سے بات بڑھ گئی۔ قلم کہتا ہے کہ اے شخص بس کر میں نے لکھنے میں بہت سی کوشش کی اور ہاتھ اپنی سعی کا دعویٰ کرتے ہیں کہ قلم نے کیا کیا ہم نے لکھا۔ بازو اپنے ہی تردد کا دم مارتا ہے کہ دست و قلم سے کیا ہوا جو کچھ کیا سو میں نے کیا۔ غرض اِسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے اور ایک کو ایک پر فوقیت ہوئی گئی۔ ندان ایک ایسا سبب پایا گیا کہ وہ محتاج کسی کا نہ تھا۔ پس اے عزیز اگر تو بتاوے کہ فی الحقیقت لکھنے میں کس کی سعی ہے اور ظاہر میں کس کی تو میں بھی عاشق و معشوق کی سعی کا جواب دوں۔

☆☆☆

نواں قصہ حمالہ کے پہنچنے کا تاج الملوک کے پاس دیووں سمیت اور بکاولی کی سی حویلی اور باغ کے تیار کرنے میں

جب کہ تاج الملوک سے ان ناعاقبت اندیشوں نے گل بکاولی (ص۷۳) چھین لیا تب یہہ بیچارہ دل ہی دل میں پیچ تاب کھا کر رہ گیا۔ مثل ہے کہ قہر درویش۔ پھر اُن کج فہموں کے پیچھے پیچھے بعد چندروز کے اپنے باپ کی سرحد میں ایک جنگل کے بیچ جو درندوں چرندوں کا مسکن تھا آن پہنچا۔ اور چقماق سے آگ جھاڑ کر حمالہ کے دیئے ہوئے بال کو اُس پر رکھ دیا۔ چوتھائی بھی نہ جلا ہوگا کہ وہ اٹھارہ ہزار دیوؤں سمیت آ پہنچی اور تاج الملوک کو فقیروں کے بھیس میں دیکھ کر آگ ہوگئی۔ بولی[1] کہ اے شہزادے میری بیٹی کو تو نے کیا کیا اور یہہ اپنا کیسا حال بنایا۔ تاج الملوک بولا کہ آپ کی توجہ سے سب طرح خریت ہے لیکن ایک کام مجھے نہایت منظور ہے اور اُس کی تدبیر مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے آپ کو تصدیع دی ہے۔ حمالہ نے کہا اے بت بنے باتیں نہ بنا۔ وہ کون سا کام ہے کہیں جلدی کہہ۔ تب تاج الملوک نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اس جنگل میں ایک محل اور باغ کہ ہو بہو بکاولی کے قصر اور باغ سا ہو بناؤں۔ تم جس طرح سے جانو[2] جلد بنوادو۔ وہ بولی اے بیٹا یہہ کتنی بات ہے پر میں نے (ص۷۴) تو اُس کے باغ و عمارت کو دیکھا نہیں بھلا ان دیکھے مکان کا نقشہ کس طرح بتلاؤں اور بناؤں۔ تاج الملوک بولا جس طرح میں کہوں اسی طرح بنواؤ۔ حمالہ نے وونہیں کئی سو دیوؤں کو لعل بدخشانی کے واسطے اور سینکڑوں کو عقیق یمانی کے لئے ہزاروں کو روپے سونے اور جواہرات بیش قیمت کی خاطر ہر چار طرف بھیجے۔ دیوؤں نے تین روز کے عرصے میں جواہرات وغیرہ کے جا بجا تو دے لگا دیئے۔ پھر شہزادہ جس

---

[1] ''بولی''......نسخہ ب میں نہیں ہے ص۲۷

[2] ''جلد''......نسخہ ب ص۲۷

طرح بتانے لگا اُسی طرح وے بنانے لگے۔ پہلے تو دو دو نیزے مٹی کھود کر پھینک دی اور وہاں زر خالص بھر دیا اور اُسی قطعہ طلائی پر جڑاؤ عمارتوں کی بنیادیں ڈالیں۔تھوڑے دنوں میں ویسا ہی قصر اور اُسی طرح کا باغ جواہر نگار جڑاؤ نہروں، درختوں سمیت اور زبرجد و یاقوت کے دو دالان عالی شان آمنے سامنے بیچ میں ان کے ایک حوض مرصع اُسی قطع کا گلاب سے معمور بنایا۔ پھر ہر ایک مکان میں فرش اُسی رنگ کا بچھایا۔حاصل یہہ ہے کہ جتنا جواہر سونا روپیا دیو لائے تھے اُس میں سے آدھا مکانات کے بنانے میں خرچ ہوا چوتھائی کارخانجات (ص۷۵) کی تیاری میں لگا باقی خزانے میں داخل کیا۔ جب عمارت سب کی سب بن چکی اور تاج الملوک کے پسند پڑی تب حمالہ نے اُس سے کہا کہ تو بھی کچھ جانتا ہے کہ تیرے واسطے میں نے کس قدر رنج اُٹھایا اور دکھ سہا، باوجود اِس کے کہ دیوؤں کو آدمیوں سے کمال مخالفت ہے برعکس اِس کے میں نے تجھ سے محبت کی اور کس شفقت سے پالا پرورش کیا۔علاوہ اس کے بکاولی کے ملک میں کہ آج تک کوئی نہیں گیا تجھے پہنچایا پھر بسبب اُس حرکت کے جو تجھ سے وہاں ہوئی اُس کے ہاتھ سے میں نے کیا کیا صعوبت اور زحمت اُٹھائی سو یہہ سب محمودہ جان کی خاطر ہے۔ایسا نہ ہو کہ اس کا دامن روزگار اندوہ کے غبار سے آلودہ ہو یہہ کہہ کر رخصت ہوئی۔ بعد اُس کے جس مقام میں محمودہ اور دلبر کے تئیں استقامت کو فرمایا تھا۔اُسی طرف شہزادہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے گیا اور ان کو جڑاؤ عماریوں میں سوار کیا۔ پیچھے پیچھے خان خواص کے محافے رتھیں جس پر کارچوبی سلطانی بانات کے غلاف پڑے ہوئے آگے آگے غلام خوش پوشاک کہ سونے روپئے کے عصے ہاتھوں میں لئے گھوڑوں پر سوار اہتمام (ص۷۶) کرتے ہوئے۔غرض اسی تجمل سے اُس قصر عالی میں دونوں کو داخل کیا اور عیش وعشرت سے اوقات بسر کرنے لگا۔

☆☆☆

دسویں حکایت عمارت بنانے کی تاج الملوک کے اور اس کی خبر کے پہنچنے کی زین الملوک کو

معمار سرائے سخن کا اِس داستان کے گھر کی بناء اِس طرح رکھتا ہے کہ ایک دن تاج الملوک کے غلاموں میں سے ساعد نام اس بیابان میں ادھر اُدھر سیر کرتا پھرتا تھا ناگاہ اس کی نظر کتنے لکڑ ہاروں پر کہ لکڑیوں کے بوجھے لئے جاتے تھے جا پڑی۔ اُن سے پوچھا تم کون ہو اور یہہ لکڑیاں کہاں لئے جاتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم شہر شرقستان کے لکڑ ہارے ہیں۔ یہی ہمارا کسب ہے اسی سے ہمارے لڑکے بالے پلتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ آج تم یہہ گھٹے میرے آقا کے باورچی خانے میں لے چلو دولت خانہ اُس کا نزدیک ہے۔ اُس نے یہاں ایک شہر[1] نیا بسایا ہے واجبی قیمت ملیں گی بلکہ بہت سا انعام پاؤ گے۔ انہوں نے کہا ہماری تمام عمر اسی کام میں اور اِسی بیابان سے لکڑیاں لے جاتے کٹی لیکن کبھی آبادی کا یہاں نشان نہ دیکھا اور نہ سنا۔ ساعد نے کہا کہ ٹک (ص ۷۷) ایک تم آگے بڑھ کر دیکھو۔ اگر میرے کہنے کا کچھ اثر ظاہر ہو تو بہتر نہیں تو تمہارے پھر آنے کا کوئی مانع نہ ہوگا۔ لکڑ ہارے انعام کے لالچ سے ساعد کے آگے ہو لئے۔ پھر تھوڑی سی دور جا کر سب کے سب ایک بارگی پکار اٹھے کہ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اے میاں تو ہمیں کیوں اِس آگ میں جھونکنے کو لے چلا ہے۔ چولھے میں جائے انعام اور بھاڑ میں پڑے اکرام۔ بس ہمیں معاف کر ہم نے پھر پایا۔ ساعد نے کہا یہہ شعلے آگ کے نہیں حویلی کے جواہرات کی یہہ چمک ہے تم ہرگز اندیشہ نہ کرو اور میرے ساتھ چلے آؤ۔ وے اُس کے کہنے سے کچھ ایک اور بھی آگے بڑھے ساری زمین سونے کی نظر آئی تب سب نے اُس کی بات سچی پائی۔ قدم اُٹھائے ندھڑک چلے آخر وہ حضور میں اُن کو لے گیا۔ تاج الملوک نے ایک ایک انجلا موتی، مٹی بھر بھر جواہر

---

[1] شہر ہی بسایا ہے..... نسخہ ب ص ۲۹

ایک ایک تھان بیش قیمت ہر ایک کو دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ اگر تم یہاں آ کر بسو تو اِس سے دونا ہر روز پایا کرو۔ لکڑ ہاروں نے ہر گاہ کہ ایسا کچھ انعام پہلے دن پایا اور آئندہ اُمید بندھی اپنا وطن چھوڑ کر ہر ایک وہاں آ رہا۔ یہہ خبر اُن کے ہمسائے میں (ص ۷۸) پھیلی پھر جا بجا منتشر ہوئی۔ غرض جو کوئی اُس شہر کے دیکھنے کو جاتا ہر گز وہاں سے نہ پھرتا وہیں بس رہتا اور کوتوال شرقستان کا ہر روز رعیت کے بھاگنے کی خبر وزیر کے حضور جا کر عرض کرتا۔ چنانچہ ایک دن اُسے خبر دی کہ آج کی رات ہزار گھر اہل حرفہ کے خالی ہوئی اور وے بھاگ گئے۔ وزیر نے کہا کچھ یہہ بھی جانتا ہے کہ کہاں جاتے ہیں۔ تب وہ بولا غلام نے یوں سنا ہے کہ کسی نے درندوں کے جنگل میں دس کوس تک سونے کی زمین بنا کر اُس پر ایک[1] اچھی طرح کا شہر آباد کیا ہے اور ایک قصر و باغ بھی جواہر کا ایسا بنایا ہے کہ روئے زمین پر ویسا دوسرا نہیں۔ اُس کے دریائے سخاوت کی لہر تعجب نہیں کہ نام حاتم طائی کا زمانے کی آبجو سے لے جاوے اور اب اُس کے دریائے عدالت کا بعید نہیں کہ نقش عدل نوشیرواں کا لوح جہاں سے مٹاوے۔ وزیر نے اس بات کو باور نہ کیا بلکہ کہا جو کام کہ طاقت بشری سے بعید ہو انسان کی کیا مجال کہ کر سکے۔ تب کوتوال نے مکرر عرض کی کہ متواتر یہہ خبر پہنچی ہے جھوٹھ کیوں کر ہو گی۔ جو قادر کریم کہ عورت کو مرد بنا سکتا ہے اور مرد کو عورت (ص ۷۹) اگر دولت دنیوی کو کہ بہ منزلہ ایک عورت شکیلہ کے ہے کسی مرد کی مطیع کر دے تو تعجب کیا ہے۔ بیت[2]

نہ پوچھ چرخ ہوا ہے کمینہ پرور کیوں
بہانہ بے بسی بس ہے اُس کے دینے کو

[3] کیا آپ نے اُس شہزادی کا قصہ جس نے ایک دیو سے علامت مردمی کی لے کر اپنی شادی کی تھی نہیں سنا۔ وزیر نے کہا[4] وہ کیوں کر ہے۔ حکایت: کوتوال نے عرض کیا کہ اگلے وقت میں ایک بادشاہ تھا' اُس کے محل سرا میں سورنڈیاں صاحب جمال بے مثال تھیں پر کسی کی اولاد نہ ہوئی تھی۔ خدا کی قدرت کاملہ سے ایک کو جو اُن میں حسن کے بیچ سرس تھی حمل رہا۔ بعد نو مہینے کے اُس کے لڑکی پیدا ہوئی۔ اسی طرح تین بار جنی پر لڑکا پیدا نہ ہوا۔

---

[1] اسی طرح...... نسخہ ب ص ۲۹
[2] ''بیت''...... نسخہ ب ص ۲۹
[3] ''آپ نے سنا ہوگا' نسخہ ب ص ۲۹
[4] وزیر نے کہا...... عرض کیا کہ نسخہ ب میں نہیں ہے ص ۲۹

جد چوتھی بار اُمید سے ہوئی تد بادشاہ نے قسم کھائی کہ اگر اب کے بیٹی جنی تو اس کو اُس سمیت جان سے مار ڈالوں گا۔تقدیر کی نیرنگی سے اُس مرتبہ بھی لڑکی ہی پیدا ہوئی لیکن نہایت خوب صورت پری طلعت' اُس کی ماں نے جان کے خوف سے لڑکا مشہور کیا۔ نجومیوں کو بھی تاکید (ص ۸۰) کی کہ بادشاہ کو سمجھا دو کہ دس برس تک اِس لڑکے کا منہ دیکھنا آپ کو اچھا نہیں۔ چنانچہ نجومیوں نے بادشاہ کی خدمت میں وونہیں عرض کیا حضرت نے بھی مانا اور ویسا ہی کیا۔القصہ جب لڑکی ہوشیار ہوئی اور اُس کے دیدار کی مناہی کے دن تھوڑے رہے۔تب ماں نے وجہہ بیٹا کہوانے کی اُس کو دی' اور کہا اے بیٹی تو بادشاہ کے حضور مردانی وضع سے آیا جایا کر کہ میری تیری زندگی رہے اور جان بچے۔ چنانچہ لڑکی بعد ایام معہود بادشاہ کی خدمت میں کدھی کدھی آنے جانے لگی۔لیکن مجرا کر کے جلدی سے پھر آتی دیر تلک نہ رہتی۔ آخر اُس دختر پسر نما کی نسبت دوسرے بادشاہ کی بیٹی سے کی۔ جب شادی کے دن نزدیک آپہنچے بادشاہ نے اُس کو لباس شاہانہ پہنایا اور[1] سونے کے ہودے میں اپنے آگے بیٹھا کر تجمل بادشاہی سے دلہن کے ملک کو روانہ ہوا لڑکی اُس حالت پر کبھو ہنستی اور کبھو روتی۔ایک رات کسی جنگل ویراں میں اتفاق رہنے کا ہوا۔لڑکی مارے شرم کے کہ آخر کار زندگانی وبال جان ہوگئی۔ چپکے ہی اُٹھ کر اُس بیابان میں چلی گئی۔ اس ارادے سے کہ کوئی درندہ کھا جاوے (ص ۸۱) جاتے جاتے ایک درخت کے نیچے کہ وہ دیو کے رہنے کا مکان تھا پہنچی۔ وہ اُس کے حسن پر دیوانہ ہو گیا اور آدمی کی صورت بن کر لڑکی کے آگے آ کر اُس کا احوال [2] پوچھنے لگا۔اُس نے اپنی ساری حقیقت جوں کی توں بیان کی۔ یہہ بات سن کر دیو کا دل بھر آیا بولا اگر تو امانت میں خیانت نہ کرے اور اس پر قول دے تو میں اپنا [3] آلہ تناسل کسی حکمت سے تیرے لگا دوں اور تیری علامت آپ اختیار کروں۔لڑکی موافق دیو کے کہنے کے عمل میں لائی۔اُس نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔تب وہاں سے خرم وخنداں وہ اپنے ڈیرے آئی۔ بعد کئی روز کے برات اپنی منزل مقصود کو پہنچی اور شادی سے فراغت کر کے بادشاہ اپنے ملک پھر آیا۔شہزادہ نقلی چند مدت وہیں رہا جب اُس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تب قصد وطن کا کیا اور منزلیں طئے کرنے لگا۔ جب اُس جنگل میں پہنچا اُسی درخت کے تلے کیا دیکھتا ہے کہ دیو بڑھیا کے بھیس میں رونی شکل بنائے بیٹھا ہے۔شہزادے نے کہا اے دیو میں نے تیری مہربانی سے اپنے دل کی مراد بھر پائی اب اپنی چیز لے

---

۱ ''موتی کے حودے''......نسخہ ب ص ۳۰

۲ ''احوال پوچھا''......نسخہ ب ص ۳۰

۳ ''آلت''......نسخہ ب ص ۳۰

اور میری مجھے دے۔ دیو نے کہا میں اب اُس کام کی لیاقت نہیں رکھتا (ص ۸۲) اُسے گذر گیا۔ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔ تب اُس نے پوچھا کہ وجہ اس کی کیا ہے مفصل بیان کرو۔ دیو بولا کہ میں اِسی صورت سے تیرے منتظر یہاں بیٹھا تھا۔ ناگاہ ایک پہاڑ سا دیو آیا۔ اُس کے دیکھنے سے مجھ پر شہوت غالب ہوئی اور مارے مستی کے میں نہ رہ سکا۔ اُس نے بھی دوڑ کر مجھے چھاتی سے لگا لیا آخر مل بیٹھا۔ میں اگر اب علامت مردی کی لگاؤں تو جنے کے وقت جی سے ہاتھ اٹھاؤں۔ سوائے اس کے یہہ عقدہ بھی مجھ پر کھلا کہ مردوں سے رنڈیاں شہوت میں زیادہ ہیں۔ اب جا اپنی راہ پکڑ میں نے اپنی چیز تجھ ہی کو بخشی۔ وزیر نے کہا خدا کی قدرت برحق ہے۔ مجھے کچھ اِس میں شک نہیں لیکن محال چیزوں کا آدمی سے موجود ہونا عقل میں نہیں آتا کوئی دانا اُس کو نہیں مانتا شاید تو نے چڑے اور فقیر کی کہانی نہیں سنی۔

حکایت چڑے اور فقیر کی

حضرت سلیمان کے عہد میں چڑیا کا جوڑا ایک روز راہ میں بیٹھا دانہ چگتا تھا کہ ایک فقیر جبہ پوش کو دور سے آتے دیکھا۔ مادہ نے نر سے کہا خبردار دشمن آتا ہے ایسا نہ ہو کہ (ص ۸۳) بلا کے پنجے میں ہم[1] کو گرفتار کرلے نر بولا کہ اس خدا دوست سے کچھ اندیشہ نہیں ہے جو خدا کی راہ پر چلتے ہیں وے کسی کی ایذا روا نہیں رکھتے۔ انہیں باتوں میں تھے کہ فقیر آپہنچا اور بغل سے ایک ختکا نکال ایسا پھینک مارا کہ نر کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ بہرحال اُس ظالم کے ہاتھ سے بھاگ کر گرتا پڑتا سلیمان بادشاہ کے پاس گیا پہلے تو جا کر دعا دی۔ پھر یہہ عرض کی کہ فلانے درویش نے بے تقصیر میرا بازو توڑ ڈالا ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اُس کو حاضر کرو۔ چنانچہ حضور میں اُسے لے آئے تب بادشاہ نے غصے سے فرمایا کہ تو نے اس کو کیوں مارا۔ اُس نے عرض کی کہ اگر میں نے اِس کو مارا تو کیا ظلم کیا کیوں کہ یہہ انسان کی خوراک ہے۔ یہہ سن کر چڑا بولا کہ اگرچہ میں بیچارہ چھوٹا سا پرند ہوں پر اس قدر مجھ میں شعور ہے کہ اپنے دوست سے شیر وشکر کی طرح مل جاتا ہوں اور دشمن سے کڑی کمان کی طرح بھاگتا ہوں۔ تیری پیوندی گدڑی دیکھ کر میں نے جانا تھا کہ تو خدا کی راہ پر چلتا ہے کسی کے حق میں بدی نہ کرے گا۔ لیکن اب مجھ پر کھلا کہ تیرا شیطان ہی (ص ۸۴) رہنما ہے اور گدڑی میں فقط مکر ودغا ہی بھرا ہے۔ اب اس کو اتار رکھ کہ اور کوئی میری طرح سے فریب نہ کھاوے اور تیرے مکر کے جال میں نہ آجاوے۔ چڑے کی باتیں حضرت کو

---

[1] ''ہمکو'' نہیں لکھا ہے.....نسخہ ب ص ۳۱

نہایت پسند آئیں۔فقرکو لعنت ملامت کر کے نکال دیا بعد چند روز کے وہی چڑا کہیں چگتا تھا کسو درویش نے کسی طرح اُس کو پکڑ کے پنجرے میں بند کیا۔ چڑا سمجھا کہ اب کے تو جان پر آبنی سوچ کر یوں کہنے لگا۔اے مرد خدا میرے بیچنے سے تجھ کو چنداں نفع نہ ہوگا اور کھانے سے بھی سیری معلوم رکھنا بھی علی ہذاالقیاس بے فائدہ ہے۔ پس چند سخن کہ ہر ایک دُر بے بہا ہے اگر مجھ کو چھوڑ دے تو کہوں یہہ سن کر فقیر بہت خوش ہوا پنجرے سے اُس کو نکال پانوں پکڑ ہاتھ پر بٹھایا اور کہا لو کہو۔ چڑا بولا ایک عالم کہتا ہے کہ خدا چاہئے تو بہتر اُونٹ کی قطار سوئی کے ناکے میں سے نکل جاوے سچ ہے خدا کی قدرت سے تو کچھ دور نہیں بلکہ نزدیک ہے پر آدمی کی سعی سے ہرگز اعتبار نہ کیا چاہئے۔ دوسرے یہہ کہ جو کام اپنے اختیار میں نہ رہے اُس کے واسطے غمگین نہ ہوجئے۔ لے اب چھوڑ دے (ص ۸۵) تو اور کہوں۔ آزاد نے اُسے وونہیں آزاد کیا۔ چڑا اُڑ کر ایک درخت کی ڈالی پر جا بیٹھا اور بولا۔اے فقیر تو بڑا احمق ہے کیا تیری عقل ماری گئی جو ایسا شکار اپنے ہاتھ سے کھویا میرے پیٹ میں ایک اُن مول لعل ہے اگر تو مجھے مار کر رکھا تا تو وہ بھی تیرے ہاتھ آتا۔ درویش یہہ سن کر ہاتھ ملنے لگا اور یوں کہنے لگا۔ اے پرند بھلا میں اُس نفع سے درگذرا لیکن تو اور باتیں تو کہہ۔ چڑا بولا کہ تیرا دل مانند چکنے گھڑے کے ہے میری باتیں اُس پر اثر نہ کریں گی ناحق کہہ کر کیا ضائع کروں۔مثل مشہور ہے "اندھے کے آگے روئے اپنی آنکھیں کھوئے"۔اے ناداں ابھی تو میں نے تجھ سے کہا تھا کہ جو چیز اپنے قبضے سے نکل جاوے اُس کے واسطے[1] نہ پچتاوے۔اسی دم تو بھول گیا اور یہہ نہ سمجھا کہ میں نے لعل کیوں کہ نگلا ہوگا۔ یہہ کہہ کر چڑا تو اُڑ گیا اور فقیر نے مایوس ہو گھر کا رستا پکڑا اس بات سے اپنی[2] عرض یہہ ہے کہ خدا کو تو سب طرح کی قدرت و طاقت ہے لیکن انسان کو چاہئے کہ بے تحقیقات بادشاہوں کی جناب میں کچھ عرض معروض نہ کرے۔اس واسطے تجھ کو لازم ہے کہ پہلے تو جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ پھر عرض کر۔

☆☆☆

---

۱ بلا پچتاوے......نسخہ ب ص ۳۲

۲ "غرض"......نسخہ ب ص ۳۲

گیارھویں کہانی جانے میں زین الملوک کے لشکر وارکان دولت سمیت تاج الملوک کی ضیافت کے بیچ اور دیکھنے میں بکاولی کے تاج الملوک کو

آخر کوتوال نے وزیر سے رخصت ہو کر ملک نگارین کی راہ لی جب تھوڑی سی راہ طئے ہوئی ہراول پکار اُٹھا اس جنگل میں ایک دون ایسی لگ رہی ہے کہ شعلے اُس کے آسمان تک پہنچے ہیں۔ اتنے میں سواری ٹک ایک اور آگے بڑھی سونے کی زمین نظر آئی اور جڑاؤ عمارت، تب ظاہر ہوا کہ جس کو آتش گمان کیا تھا وہ یہی ہے شعلے نہ تھے وہ اسی کی چمک تھی۔ اتنے میں تاج الملوک نے جو کوتوال کے آنے کی خبر سنی فرمایا کہ حوضوں کو بھر وفوارے چھوڑ دو اور اُسے یاقوت کے دالان میں بٹھاؤ۔ بساول بموجب حکم کوتوال کو حویلی میں لے گئے۔ وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کے دیکھتا تھا جگمگاہٹ سے جواہرات کی چکا چوندھ لگ جاتی تھی۔ بعد ایک ساعت کے تاج الملوک نے بھی تخت شوکت کو زیب و زینت بخشی۔ کوتوال اُٹھ کر آداب بجالایا اور دعا و ثناء کے بعد (ص ۷۷) یوں عرض کرنے لگا۔ جب حضرت کے مکان بنانے اور ملک بسانے کی خبر اس جنگل میں شرقستان کے بادشاہ کی جناب میں پہنچی تب اس خانہ زاد کو احوال کی تحقیقات کے لئے بھیجا۔ گستاخی معاف اگر آپ کے دل میں خواہش سلطنت کی اور ارادہ فساد کا ہو تو اُدھر سے بھی کچھ درنگ نہیں والا طوق بندگی کا گلے میں ڈال بارگاہ سلطانی کے بیچ حاضر ہو جیئے کیونکہ دو تلواریں ایک میان میں نہیں رہتیں اور دو بادشاہ بھی ایک ولایت کے درمیان نہیں رہتے۔ تاج الملوک یہہ سن کر بولا میں نے تو اس حیوانات کے وطن میں ایک عبادت گاہ بنائی ہے۔ حق تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہتا ہوں خواہش بادشاہی کی مطلقاً نہیں بلکہ دعوا[1] دولت خواہی کا ہے۔ کوتوال نے جو یہ کلمے شائستہ سنے خوشی بہ خوشی رخصت ہوا اور جو کہ دیکھا سنا تھا وزیر سے مفصل کہا۔ وہ سنکر ایک لمحہ تو فکر کے دریا میں ڈوبا رہا پھر

---

[1] ''دعوائے دولت''......نسخہ ب ص ۳۲

بادشاہ کے حضور جا کر جو کہ سنا تھا عرض کیا۔ بعضوں نے تو سچ جانا اور کتنوں نے جھوٹھ سمجھ نہ مانا۔ بکاولی کہ زین الملوک کی خدمت میں حاضر تھی۔ یہہ بات سن کے دل میں کہنے لگی الحمدللہ کہ بعد اتنی مدت کے (ص ۸۸) عقد بستہ کی صورت کشائش اور نا اُمیدی کی رات کے بعد صبح آسائش کے ہونے کی شکل نظر آئی۔ بیت۔

طپش دل نے خبر یار کے آنے کی دی
خوش ہو اے چشم کہ یہہ زمزمہ افواہ نہیں

بادشاہ بھی اِس ماجرے کو وزیر کی زبانی سن کر ایک ساعت تفکر کے گریباں میں سر ڈالے رہے۔ بعد اس کے فرمایا کہ اگر یہی صورت ہے تو ایک نہ ایک دن سلطنت کے زوال کا موجب ہوگا۔ بیت[1]

جون سے چشمے کا ایک آن میں سوت
بیلچالے کے بند کر سکے
بھرے جس وقت پھر وہی چشمہ
پار ہاتھی بھی ہو تو جا نہ سکے

وزیر نے آداب بجالا کر عرض کیا کہ عقل مندوں نے کہا ہے جس دشمن سے نہ لڑ سکے اس سے دار و مدار کر کے مل جایئے۔

خوشی سے برآمد جو ہو کام کی　　تو کیجئے نہ تندی و گردن کشی

اب تدبیر یہہ ہے کہ قبلۂ عالم اُس سے سلسلہ اخلاص کا بڑھاویں اور رشتہ محبت کا اُس کی گردن میں ڈالیں۔ بادشاہ نے فرمایا سوائے تیرے اور کسی کو اس لائق نہیں دیکھتا ہوں (ص ۹۵) تو ہی وہاں جا اور ربط اُن سے بہم پہنچا لیکن وہ کام کریو کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی میری شان نہ گھٹے اور اخلاص بڑھے۔ وزیر خجستہ تدبیر بموجب حکم کے بڑی کروفر سے روانہ ہوا۔ ایک آدھ دن کے بعد تاج الملوک کو اُس کے آنے کی خبر پہنچی ارشاد کیا کہ فرش و فروش کی تیاری نئے سرے سے کریں حوضوں کا گلاب بدلوا دیں فوارے چھڑا دیں اور اُس کو لعل بدخشانی کے دالان میں بیٹھا دیں۔ چنانچہ جب وہ آیا اہل کار اُسی طرح عمل میں لائے۔ شہزادہ آپ بھی وہاں رونق افزاء ہوا اور ایک جڑاؤ کرسی پر بیٹھا۔ وزیر نے اُٹھ کر مجرا کیا دعائیں دیں۔ پھر ملتمس ہوا کہ آگے اس سے ایک بادشاہ ہی بندہ حضور میں حاضر ہوا تھا اور اُس نے آپ کا پیام محبت انجام حضور معلا میں پہنچایا

---

[1] ''بیت''......نسخہ ب ص ۳۰

اور اوصاف پسندیدہ بھی بہت سے بیان کئے۔ بادشاہ کی آتش عضب کو سرد کر دیا۔ بلکہ قبلہ عالم کو حضرت کی ملاقات کا مشتاق کیا۔ پس اُس نے کہا بہتر ہے کہ دو چشمے فیض وعطا کے اور دو دریا جود وسخا کے باہم ملیں۔ تاج الملوک نے کہا جو پیام کہ میری طرف سے لازم تھا سو حضرت جہاں پناہ کی طرف سے آیا بہ سر و چشم (ص ۹۰) مجھے قبول ہے اور میری بھی آرزو یہی تھی۔ پھر وزیر نے عرض کی کہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد ایک ہفتہ کے حضرت عالم پناہ یہاں رونق بخش ہوں گے۔ پھر خاصہ یاد کیا بکاول طعام لذیذ مزیدار قسم قسم کا جواہر نگار باسنوں میں نکلوا روپے سونے کے خوانوں میں لگوا نعمت خانے میں لایا اور دستر خوان زربفت کا بچھوا کر چن دیا۔ شہزادے نے وزیر کے ساتھ نوشجان فرمایا۔ بعد اس کے ارشاد کیا کہ وزیر کے ہمراہیوں کو بھی تقسیم کر دو لیکن ظروف نقرئی طلائی پھیر نہ لیجیو۔ جب لوگوں کو کھانے سے فراغت ہوئی وزیر رخصت ہو کر شرقستان کو روانہ ہوا۔ شتاب حضور والا میں پہنچا تمام ماجرا مفصل ظاہر کیا۔ کہتے ہیں انہیں دنوں میں تاج الملوک نے ایک رات حمالہ کے سر کا بال آگ پر رکھا۔ وونہیں ہزاروں دیوؤں سمیت وہ وہاں آ پہنچی۔ تاج الملوک اور محمودہ نے اُٹھ کر سلام کیا اُس نے دونوں کو بلائیں لیں چھاتی سے لگایا ماتھا چوما خیر و عافیت پوچھی۔ تاج الملوک نے کہا آپ کی سلامتی میں سب طرح کا چین و آرام میسر ہے کچھ کمی غمی نہیں لیکن کل ضیافت بادشاہ شرقستان کی مقرر ہوئی ہے۔ وے یہاں تشریف لاویں گے میری (ص ۹۱) خواہش یہہ ہے کہ اِس سرزمین سے اُس کے شہر تک فرش باناتی و مخمل سرخ و سبز کہ خطا وختن کے معشوقوں کے رخ وخط کے مانند ہووے بچھوادو۔ اور کوس کوس بھر پر خیمے قاقم سنجاب کے طنابیں اُن کی کلابتوں کی، پردے دیبا و اطلس کے، چوبیں گنگا جمنی کی، میخیں طلائی و نقرائی کھڑے کروادو۔ پر اس افراط سے ہوویں کہ ہر ایک شاہ کے چھوٹے بڑے امیر کو جدی جدی آرام گاہ میسر ہو کر مخلا بالطبع رہے۔ حمالہ نے دیووں کو حکم کیا کہ انہوں نے تمام رات میں ویسی ہی تیاری کر دی اور آپ اپنے ملک کو گئی۔ صبح کے وقت شرقستان کے بادشاہ نے بموجب اقرار کے اپنے امیروں وزیروں کو حکم کیا کہ بھاری بھاری زرق برق کو پوشاکیں پہنیں اور کئی ہزار سواروں کا پرا لباس گونا گوں اور ملبوس بوقلموں سے آراستہ ہو کر داہنی طرف رہے اور ایک جتھا ایسا ہی سجا سجایا بائیں طرف۔ ایک غول سواروں کا مسلح او پچی بنا ہوا آگے اور ہاتھیوں کا حلقہ سنہری رپہری ہودے عماریوں[1] سے پیچھے۔ تمام ٹھاٹ سواری کا نیا جگمگا ہر ایک بان نشان بادلے کا چمکتا ہوا۔ القصہ (ص ۹۲) سواری اسی ہیت سے تیار ہوئی۔ جہاں پناہ ایک جڑاو عماری میں سوار ہوئے اور بکاولی مردانہ بھیس بنا نہایت پر تکلف پوشاک و

---

۱ ''عماریوں'' نہیں ہے.....نسخہ ب ص ۳۴

جواہر پہن کر آرزو محکم باندھ خواصی میں آبیٹھی۔ چاروں شہزادے بھی خلعت شاہانہ زیب بدن کر زرق برق سے اپنے اپنے ہاتھیوں پر سوار ہوئے پھر سواری مبارک تاج الملوک کے ملک کو روانہ ہوئی۔ زین الملوک شہر سے کوس بھر آگے گیا ہوگا کہ ناگاہ زری کے خیموں کی چمک مانند شعاع آفتاب کے نظر آئی۔ بولا اغلب ہے کہ وہ یہی مکان ہو جس پر نگاہ نہیں ٹھرتی اور آنکھ جھپکی جاتی ہے۔ وزیر نے عرض کیا کہ این گل دیگر شگفت۔ حضرت رات کی رات کچھ کا کچھ رنگ بدل گیا۔ صرف یہاں تو جنگل تھا سوائے جھاڑ جھنکار کے غلام نے کچھ نہیں دیکھا۔ دم مارنے کی بات نہیں قادر کریم نے ایک مخلوق کو ایسی قدرت دی ہے کہ اُس کی صنعت کی کہنہ صاحبان خرد کو دریافت نہیں ہوسکتی عقل اُن کی وادی حیرت میں پڑی بھٹکتی ہے ملک نگارین تو ابھی بہت دور ہے اس عجائب روزگار نے یہہ رستے میں تماشا دکھایا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمایئے بادشاہ (ص۹۳) وزیر انہیں باتوں میں تھے کہ اس کے ملازموں میں سے ایک شخص نے آ کر عرض کیا۔ ہمارے آقا کا حکم یوں ہے کہ عالم پناہ کی سواری جس جگہ سے آگے بڑھے وہاں کا اسباب و پائنداز سب فقیر فقراء غریب غربا لوٹ لیویں اور خود بدولت ہر ایک منزل میں جس خیمے کو پسند کریں اُسی میں استراحت فرماویں چنانچہ بادشاہ جس جگہ آ کر اترتے اسباب ضیافت کا جو روے زمین کے بادشاہوں کو میسر نہ تھا سو مہیا پاتے۔ غرض جوں جوں آگے بڑھتے جاتے تھے توں توں اسباب کی زیادتی نظر آتی تھی اور عجائبات سے بیشتر خط اٹھاتے تھے۔ تاج الملوک آپ بھی ایک منزل استقبال کے لئے آیا اور سارے لوازم آداب کے بجالایا۔ آخر بادشاہ سمیت حشاش بشاش اپنے قصر مبارک منزل میں داخل ہوا۔ حضرت کو زمرد کے مکان میں اعزاز و اکرام سے لا کر بٹھایا اور مکانوں کو بھی آراستہ کروایا۔ جہاں تہاں نئے نئے فرش بچھ گئے۔ گلاب کے حوضوں میں فوارے چھوٹنے لگے۔ بادشاہ راہ کے عجائبات کی دید سے متعجب ہو ہی رہے تھے عمارت و باغ کی ساخت و تیاری ملاحظہ فرما کے عالم بےخودی میں آ گئے۔ بکاولی بھی شہزادے کا جمال وکمال دیکھ کر دیوانی ہوگئی۔ ہوش سے جاتی رہی سچ ہے۔ رباعی[1]

کمان ابر و اگر تیر کرشمہ کسی مجمع میں دیویں[2] شست سے چھوڑ
تو ہر اک دل کو وہ تکتا ہے لیکن فقط عشاق کا دیتا ہے دل توڑ

بعد ایک لمحے کے جیتی ہر طرف آنکھیں مل کر دیکھنے لگی۔ جس مکان پر نظر پڑی اُس کا نقشہ اور جواہر جو ہو

---

[1] ''رباعی''، نسخہ ب ص ۳۶۔

[2] ''دیویں''، نسخہ ب ص ۳۶

بہ ہوا اپنے مکانوں کا سا دیکھا متحیر ہو کر جی میں کہنے لگی۔ یہہ کوئی بڑا جادوگر ہے کہ میری عمارات کا معلق یہاں اُٹھا لایا ہے اور اس جنگل کو عالم طلسم بنایا ہے۔ ندان ایک پری جو اُس کے ساتھ خدمت گار کے بھیس میں تھی‘ اُسے اشارہ کیا کہ نظر غور سے دیکھ اور بہ خوبی دریافت کر تو کہ یہہ کیا ماجرا ہے۔ اُس نے متامل ہو کر عرض کی۔ آپ کے مکان جہاں کے تہاں ہیں کچھ اندیشہ نہ کیجئے۔ یہہ نئی عمارت بنی ہے۔ اس شخص نے کام کیا ہے کہ ایسی نقل بنوائی ہے کہ اصل میں اور اِس میں فرق کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ آفرین اِس کی چترائی اور دانائی کو۔ یہہ سن کر بکاولی بہت خوش ہوئی کہ چور میں نے پکڑا اور مال اپنا پایا۔ چاہتی تھی کہ اُسی وقت افشائے راز کرے اور پردہ درمیان سے اُٹھاوے لیکن حیا مانع ہوئی۔ جبراً وقہراً صبر اور تحمل کا قدم گاڑے رہی۔ القصہ دستر خوان بچھا اور طرح بہ طرح کا کھانا سونے روپے کے باسنوں میں چن دیا۔ تعریف اُس کی حلاوت کی کیوں کر لکھے کہ زبان قلم کی بند ہوئی جاتی ہے اور اِس خوانِ کافوری کی کیفیت کاغذ میں نہیں سماتی۔ حضرت اہل خدمت کے سلیقے اور اہل کاروں کے طریقے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ خاصہ فرزندوں اور مصاحبوں سمیت خوشی خوشی نوش جاں فرمایا اتنے میں ارباب نشاط حاضر ہوئے اور صحبت راگ و رنگ کی گرم ہوئی۔ ابیات[1]

مطربوں کی ہوئی بلند صدا
پری پیکر لگے دکھانے ادا
گل نغمہ گئے سراسر پھول
دف دنے کام میں ہوئے مشغول

بعد اُس کے بادشاہ اور تاج الملوک اختلاط کرنے لگے اور باتوں میں مشغول ہوئے۔ ندان شہزادے نے پوچھا کہ آپ کے فرزند کتنے ہیں حضرت نے چاروں بیٹوں کی طرف اشارت کی اور فرمایا کہ ان کے سواء اب کوئی نہیں۔ لیکن ایک اور بھی (ص ۹۶) تھا۔ چنانچہ اُسی کے دیدار نحس کی بدولت یہ بلائے ناگہانی مجھ پر نازل ہوئی تھی۔ افضال الٰہی سے میں نے نجات پائی وہ اُسی حالت میں خدا جانے کہاں نکل گیا۔ تب تاج الملوک نے کہا کہ کس سبب سے اُس نے اُس درگاہ عالی کو چھوڑا اور اِس در دولت سے جدا ہوا‘ کوئی اِس مجلس میں اُسے پہنچانتا بھی ہے یا نہیں۔ یہہ سن کر زین الملوک نے ماجرا اُس کی پیدائش کا اور اپنی نابینائی کا اول سے آخر تک اظہار کیا پھر ایک امیر کی طرف جو اُس کا اتالیق تھا اشارت کی۔ کہ سوائے اس کے کوئی اُس کی صورت سے واقف نہیں۔

---

[1] ''ابیات''۔ نسخہ ب ص ۳۵

تب شہزادہ اُس کی طرف مخاطب ہوا کہ دیکھو تو اِس مجلس میں کوئی اُس کی شکل کے مشابہہ ہے یا نہیں۔ اُس جہاندیدہ نے شہزادہ کا نقشہ اور گفتگو کا رویہ بغور ملاحظہ کر کے عرض کیا کہ اتنوں میں کسی کو اُس شہزادے کی صورت شکل کے موافق نہیں دیکھتا مگر چہرۂ مبارک میں اکثر اُس کی علامتیں پائی جاتی ہیں اور بول چال کی وضع بھی بہت ملتی ہے۔ سنتے ہی اِس کلام کے تاج الملوک اُٹھ کر باپ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں وہی ناخلف کم نصیب ہوں جو (ص ۹۷) اتنی مدت نحوست ایام اور طالع ناکام کے باعث سرگرداں پھرا اور اس درگا سے محروم رہا۔ شکر ہے کہ دیدار مبارک جس طرح کہ خواہش تھی دیکھا اور قدم بوسی کی جس وضع سے آرزو تھی برآئی۔ زین الملوک یہہ گفتگو سن کر مارے خوشی کے شہزادے کو چھاتی سے لگایا' سر اور آنکھیں چومیں' سجدے شکر کے بجالایا۔ پھر بیٹے سے کہنے لگا۔ یہہ حشمت و اقبال کہ ایز دمتعال نے تم کو بخشا ہے ہم کو پہلے ہی اس کا تفول تمہارے روز تولد کے زائچے سے حاصل ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ چہرۂ مقصود کو آئینۂ ظہور میں حسب دل خواہ دیکھا بارے آنکھوں میں اُجالا دوچند ہوا۔ یہہ کہو کہ آج تک سرو آزاد ہو یا کسی شمشاد قد سے پیوند کیا ہے۔ پھر شہزادہ بولا کہ غلام کی دو منکوحہ ہیں اگر حکم ہو تو باریاب ہوویں اور قدم بوسی حاصل کریں۔ حضرت نے فرمایا از یں چہ بہتر۔

شہزادہ وہیں محل میں جا کر دلبر اور محمودہ کو شاہ کی خدمت میں لے آیا۔ وہ دونوں پری پیکر قریب اُس مکان کے کہ جس میں بادشاہ بیٹھے تھے آ کر ٹھٹھک رہیں۔ تب زین الملوک نے کہا کہ یہاں کیوں نہیں آتیں جو اُن کے دیدار فرحت آثار سے (ص ۹۸) میں نرگس چشم کو منور کروں اور سینے کو سرور سے بھروں۔ تاج الملوک نے التماس کیا کہ آپ کی یہ لونڈیاں اِس جگہ حیا سے نہیں آتیں کہ چاروں شہزادے اِن کے بندۂ آزاد ہیں چنانچہ ان کی مہر سے اُن کے چوتڑوں پر داغ موجود ہیں' مزاج چاہے تو حضرت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس راز کے کھلنے سے چاروں کے منہ کا رنگ اُڑ گیا اور شرمندہ ہو کر وہاں سے اٹھ گئے۔ تب وے دونوں آ کر قدم بوس ہوئیں۔ پھر زین الملوک نے تمام سرگذشت ایام جدائی کی اور دلبر و محمودہ کا احوال استفسار کیا۔ شہزادے نے بھی شدائد و محنت بیابان کی اور احوال بھائیوں کے داغ کھانے کا دلبر کے ہاتھ سے' اور مروت حمالہ کی' اور بیاہنا محمودہ کا' اور لینا گل بکاولی کا گلاب کے حوض سے' اور بکاولی کے دیکھنے کی کیفیت خواب کی حالت میں' اور گل مذکور کو چھین لینا بھائیوں کا' اور پھر بنانا باغ و حویلی کا بیابان میں مفصل ظاہر کیا۔ اتنے میں بادشاہ کو تاج الملوک کی ماں یاد آ گئی۔ بولے کہ تم نے میری تو آنکھیں گل بکاولی سے روشن کیں اور اپنے دیدار سے دروازہ سرور کا دل غمناک کے آگے

کھول دیا۔اب مجھ کو(ص ۹۹) بھی لازم ہے کہ اُس دردانتظار کی ماری بے چاری تمہاری ماں کو یہہ مشردہ جان بخش پہنچاؤں اوراُس وادیٔ فراق کی پیاسی کوتمہارے آنے کی خوش خبری کا شربت پلاؤں' یہہ کہہ کر بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے اورقلعۂ مبارک میں تشریف لائے۔ ووہیں تاج الملوک کی ماں کے پاس گئے اورایام گذشتہ کی بدسلوکیوں کا بہت ساعذر کیااورآگے سے زیادہ سرفراز فرمایااور بیٹے کے آنے کا مژدہ دیا۔اے عزیز تیری عزت بادشاہ کی درگاہ میں تیری خدمت کے موافق ہوگی۔ چاہئے کہ شہزادے کے مانند کارشائستہ کرے تو محبت تیری شاہ کے دل میں موثر ہواور پیغام اپنی ملاقات کا تجھے بھیجے بلکہ بے تابانہ خود ہی تجھ پاس چلا آوے اور بے اختیار تیرا سراپنی چھاتی سے لگاوے اگر چہ پہلے تو شاہ کے دیدار کے لائق نہ ہولیکن آخر کارایسے مقام میں اپنے تئیں پہنچاوے کہ وہاں تیراکوئی شریک نہ ہوسکے۔ پھرایسا کام نہ کیجو کہ شہزادوں کے مانند داغ لعنت اُٹھائے اورکس و ناکس کواپنے پرہنسوائے۔

بارھویں کہانی بکاولی کے رخصت ہونے کی زین الملوک سے اور نامہ لکھنے میں تاج الملوک کو اور جواب بھیجنے میں اس کے

جب زین الملوک اپنے (ص۱۰۰) دارالسلطنت میں داخل ہوا' بکاولی اُس سے رخصت ہوکر اپنے باغ آئی اور ایک اشتیاق نامہ تاج الملوک کے لئے لکھا۔ پھر اُس کو اُس کی انگوٹھی سمیت سمن روپری کے جو خفیہ اُس کے ساتھ تاج الملوک کی مجلس میں تھی حوالے کیا اور کہا جلد جا اور جس وقت شہزادے کو کاروبار دنیا سے فارغ اور تنہا پائے ان دونوں کو اُس کے ہاتھ میں دے۔ وہ اڑ ناگن لے کر اُسی وقت اُڑی۔ ایک دم کے بیچ تاج الملوک کے محل میں آ پہنچی اور کسی طرف گھات میں لگ رہی۔ جب کہ تاج الملوک بکاولی کے دھیان میں اکیلے مکان کے اندر آ بیٹھا یہ روبرو اُس کے جا کر آداب بجالائی اور وہ امانت حوالے کی۔ شہزادے نے انگوٹھی کو پہچانا اور خط کھول کر پڑھا مضمون اُس کا یہہ تھا۔

......نامہ بکاولی کا......

سخن ابتداء کر بنام خدا
کہ ہے وہ مبرّا زچوں و چرا
ستاروں سے روشن کیا آسماں
کئے جن و انسان زمیں پر عیاں
جمال و کرشمے پری کو دیئے
جلایا دل آدمی عشق سے
پری پردیا پھر اُس کو شرف کیا مائل اُس کو اُسی کی طرف

ٹک اک اپنے پر تو کو لیلی پہ ڈال (ص ۱۰۱)
ہوا مجنوں دیکھ اُس کا آپ ہی جمال
عیاں حسن کو بنکے شیرین کیا
ہو فرہاد پھر اُس پر شیدا ہوا
ہے مہر اُس کے جلوے کی ادنا ضیاء
اُسی پر ہے بیتاب ذرّہ سدا
دیا عشق کا دل میں روشن کیا
شعور اُس پہ پروانہ ہو کر جلا
ہے بعد اس کے میرا سلام و پیام
تجھے اے شہ خوبرو نیک نام
تیری چشم و ابرو نے اے شوخ و شنگ
لگائے میرے دل پہ لاکھوں خدنگ
دور اُس زلف پُرخم نے اے گلعذار
کیا مثل قمری مجھے طوق دار
ہوئے ہیں دل و جان خون عشق سے
جلے ہے درون اور برون عشق سے
غلط یہہ سخن جگ میں ہے مشتہر
کہ اک دل کو ہے دوسرے کی خبر
جلوں ہوں میں تجھ کو خبر کچھ نہیں
مرے سوز دل میں اثر کچھ نہیں
بنا تیرے ماتم سرا ہے یہہ گھر
نہ ہو تو، تو جنت بھی ہووے سقر
چوا شربت وصل منہ میں ذرا
لبوں پر مری جان ٹھری ہے آ
کیا دل تیرے غم نے ایسا فگار
ہوئے ایک ٹکڑے کے ٹکڑے ہزار
میں ناسفتہ گوہر ہوں اے خوش لقب
ہے الماس کی مجھ کو تجھ سے طلب
تو دریا ہے اور میں ہوں تشنہ جگر
بجھا پیاس کو میری ٹک آن کر
ترے غم میں جی سے گذر جاؤں گی
اگر تو نہ پہنچا تو مرجاؤں گی
ولے خوش اُٹھوں گی بروز جزاء
کہ ہوں گے ترے لعل اب خوں بہا
(ص ۱۰۲) جواب اس کا دیوے گا تو کیا مجھے
جو پوچھوں گی کاہے کو مارا مجھے
نہ بول آگے بس اے زبان قلم
دُکھانے کو دل کے نہیں یہہ بھی کم

غرض تاج الملوک نے مضمون نامے کا کہ ہر لفظ اُس کا بھرا ہوا شوق سے اور ہر ایک سطر اُس کی پُرعشق کے ذوق سے تھی دریافت کیا۔ عشق کی آگ کہ سینے میں اس کے دبی ہوئی تھی بھڑکی۔ سیماب کے مانند بیتاب ہوا تڑپنے لگا۔ آخرش دل کی بے قراری کو تھام چارنا چار صبر کیا۔ پھر قلم فراق رقم پکڑا ایک بند کاغذ کا اٹھالیا اور

نامے کا جواب یوں لکھنے لگا۔

......جواب نامے کا......

اے عاشقوں کی جلانے والی
ہے طرز جفا تیری نرالی
تم سیم تنوں کی صف شکن ہے
تو عشق کی رہ میں راہ زن ہے
ابرو تری آنکھ پر وہ خم دار
ہے مست کے پاس جیسے تلوار
جادو ہے تری نگاہ پنہاں
یا برق برائے خرمن جان
غنچہ ہے ترے دہن سے دل تنگ
آگے ترے لب کے لعل بیرنگ
روشن ہے تجھی سے چشم اُمید
میں ذرہ نمط ہوں تو ہے خورشید

اے نازمین زہرہ جبین وائے رشک افزائے بتاں چین۔ تیرے اشتیاق نامے کے مضامین آتش بارنے میرے استخوانوں کو (ص۱۰۳) برنگ شمع جلا دیا اور دل مہجور کو داغوں سے معمور کیا شور وفغان سے حشر برپا ہوا۔ آہ کا دھواں چار طرف گھٹ گیا۔ اے شمع شب افروز جو جو داغ تیرے عشق کی سوزش سے میرے سینے میں پڑے ہیں ہرگز نہ مٹیں گے بلکہ جب تلک ماہ کے جگر میں کلف ہے تب تلک یہہ بھی چمکا کریں گے۔ یہہ نہ جانیو کہ تیرا تصور میری آنکھوں سے کسی وقت جاتا ہے یا تیری یاد میرا دل بھلاتا ہے۔ کوئی گھڑی نہیں جس میں مجھ کو تیری جست جو[1] نہیں اور تیرے ملنے کی آرزو نہیں۔ میں تو تیرا نام ہی سن کر ایسا دیوانہ ہوا کہ آنکھوں سے راہ چلا اور جان کا خطرہ نہ کیا۔ دیووں سے کس کس طرح سازش کی اور ان کی گردن میں کمند محبت ڈالی تب کہیں تیرے

---

[1] جستجو، نسخہ ب ص۳۸

جمال جاں آرا کو ٹک دیکھا اور نمک دل کے زخم پر چھڑکا۔ فی الجملہ میرے سینہ سوزاں کی وہ ایک چنگاری ہے جو تیرے دل میں جا پڑی یا میری برق اشتیاق کی ایک تڑپ ہے جو تیرے خرمن کی طرف دوڑ گئی۔

بیت[1]

ہے فیض عشق کی جوشش یہہ جو ہے سینے میں　　　شراب ایک ہے لیکن دو آبگینے میں

میں کیا ہوں مجھ سے کیا ہوسکتا ہے جذبہ تیرا ہی کام کا ہے۔

نہ ہو دلبر کی جانب سے کشش
عاشق بیچارہ کہہ کیا کرسکے

پس زیادہ اس سے قلم کو اپنے راز سے آشنا نہ کیا چاہیے کہ کہہ گئے ہیں۔

مصرع:　　　قلم بھی راز مشتاقان میں رہیگا ایک نامحرم

والسلام پھر خط کو لفافہ کرکے اپنی چشم سرمہ سانمناک کو بجائے مہر اُس پر رکھا بعد اُس کے سمن رو پری کے ہاتھ میں دیا اور زبانی بھی پیغام بہ اشتیاق تمام بہت سے دیئے۔ آخر وہ رخصت ہوئی اور بکاولی کے پاس آن پہنچی، جواب نامے کا حوالے کیا اور زبانی بھی جو احوال تھا سو کہہ سنایا۔

---

[1] ''بیت''، نسخہ ب ص ۳۹

تیرہویں حکایت تاج الملوک کے جانے کے بکاولی کے پاس اور قید پڑنے میں بکاولی کے اپنی ماں کے ہاتھ سے اور آوارہ ہونے کی تاج الملوک کے

القصہ جب بکاولی نے تاج الملوک کا اشتیاق اپنے سے دونا پایا اور صبر وقرار طرفین کا بدون وصال کے محال نظر آیا تب سمن رو سے کہا کہ حمالہ کو جلد حاضر کر وہ سنتے ہی اُٹھ دوڑی اور پل مارتے جا پہنچی (ص ۱۰۵)۔ حمالہ اُس کو مضطرب دیکھ کر پوچھنے لگی۔ اے بھینا خیر ہے۔ ایسی گھبرائی ہوئی کیوں آئی ہو۔ وہ بولی خیریت ہے لیکن بادشاہ زادی نے تمہیں یاد فرمایا ہے دیر نہ کرو شتابی چلو حمالہ ہڑ بڑا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور غیر وقت کے بلانے سے بید کے مانند کانپتی آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ بکاولی کی نرگس چشم فراق یار سے بیمار ہے اور ہر مثرہ فوارے کے مانند اشکبار۔ ماتم زدوں کی سی صورت اُس عشرت کدے میں بنائے بیٹھی ہے۔ آداب بجالا سر سے پاؤں تلک بلائیں لے کہنے لگی اے یاسمن چمن نشاط وائے نسترین گلبن انبساط۔ تیرا غنچۂ دل ایسا کیوں تنگ آیا جو تو نے اپنا یہہ رنگ بنایا۔ کاہے کو ایسی چپکی پھپکی روتی ہے کس لئے پھول سے مکھڑے کو گرم گرم آنسوؤں سے دھوتی ہے۔ تیری آئی بلا میرے جی کو لگے تو ہمیشہ ہنسی خوشی رہے۔ خدا کے واسطے کچھ بات کر بول اپنے دل کے بھید کو اب مجھ پر کھول۔ یہہ سن کر بکاولی نے کہا۔ اے پھھڑ دلالہ کٹنی کیوں باتیں بناتی ہے اور جان بوجھ کر بھولی ہوئی جاتی ہے۔ یہہ تیری ہی آگ لگائی اور بلا لائی ہوئی ہے۔ ان بٹے بازیوں سے ہاتھ اُٹھا اور اپنی لگائی کو بجھا۔ (ص ۱۰۶) یہہ کرتوت تیرے داماد کی ہے یا کسی اور کی اور اُس کو یہاں تک تو نے پہنچایا یا کوئی اور لایا۔ غرض میرے پردۂ ناموس میں رخنہ اُسی کے ہاتھ سے پڑا اور ننگے کھلے اُسی نے مجھے دیکھا۔ اگر اپنا بھلا چاہتی ہے تو جلد جا اور اُسے مجھ تلک لا۔ حمالہ یہہ بات سن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ واہ واہ تم نے اتنی ہی بات کے واسطے رو رو منہ سجایا ہے اور اپنا یہہ روپ بنایا ہے۔ اٹھو ہاتھ منہ دھوؤ ہنسو بولو اُس کا لانا کتنا کام ہے۔ میں ابھی کان پکڑ کر

لے آتی ہوں اور ایک آن میں تم سے ملاتی ہوں۔ آخر وہ گنگا[1] شرقستان کی طرف دوڑی گئی۔ بات کی بات میں تاج الملوک کے پاس جا پہنچی اور مسکرا کر اُس سے کہنے لگی اُٹھ رے او پتنگے اُڑ چل تجھے تیری شمع نے یاد کیا ہے۔ یہہ سنتے ہی شہزادہ بے اختیار اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ حمالہ نے اُس کا سر اُٹھا چھاتی سے لگایا پھر کاندھے پر بیٹھا کر بکاولی کے ملک کا رستہ لیا۔ اِس اثناء میں جمیلہ خاتون کے کان کہیں یہہ بھنک پڑی کہ تمہاری بیٹی بروگن سی بن گئی ہے۔ شاید کسی آدم زاد پر وہ پری زاد دیوانی ہوئی ہے۔ اس بات کے تحقیق کرنے کو وہ (ص ۱۰۷) بکاولی کے پاس آئی اور آثار عشق کے اُس کے چہرے میں دیکھ کر بہت جھنجھلائی۔ ندان اپنا منہ پیٹ کر بولی ارے کواری[2] پھٹکاری تو ابھی دنیا سے ناپید ہو جا۔ یہہ کس کے پیچھے بروگ لیا ہے اور کس لئے یہہ جوگ سادھا ہے۔ پریوں کا ننگ ناموس تو نے کھویا اور کل کا نام ڈبویا۔ اُس نے ان باتوں کو سن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لئے صاف مکر گئی۔ قسمیں سخت سخت کھانے لگی ندان ماں کے پاؤں پر گر کر کہنے لگی۔ میں نے تو عشق کا نام آج تک نہیں سنا اور آدمی کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ سچ بتاؤ کس نے یہہ طوطیا باندھا اور تم سے کون کہہ گیا۔ نہیں تو میں اپنا خون کروں گی اور جان دوں گی۔ یہہ حالت اُس کی دیکھ کر ماں ہی تو تھی دل میں پگھل گئی پر ظاہر میں رکھائی سے بولی چل چپ رہ اتنے چھنال گھنگوٹے مت کر ٹسوے مت بہا اتنے میں حمالہ اُس مشتاق کو وہاں لے پہنچی۔ سمن رو پری تو محرم راز تھی ہی وہیں اُس نے اِشارے سے جتا دیا کہ وہ مسافر بھی آن پہنچا۔ شہزادی نے بھی اشارے سے کہا کہ ایک مکان محفوظ میں چھپا رکھو۔ غرض پہر رات گئے تلک تو بکاولی چار و ناچار اپنی ماں کے پاس بیٹھی رہی نداں وہ پلنگ پر جا کر اٹھی سوگئی۔ جب بکاولی نے دیکھا کہ خوب غافل ہوئی تب وہاں سے اٹھی اور دبے پاؤں چلی۔ دل خوف سے دھڑکتا تھا اور جی شوق سے پھڑکتا تھا۔ قصہ کوتاہ اُسی صورت سے شہزادے کے پاس آ پہنچی۔ اُس کی نگاہ جونہیں اس سراپا ناز پر پڑی ہوش سے جاتا رہا غش ہو کر گر پڑا تب تو یہہ ہڑ بڑا کے دوڑی پھر اُس کے سر اُٹھا اپنے زانو پر رکھ لیا اور منہ سے منہ ملنے لگی اور گال سے گال رگڑنے۔ اُس غنچۂ دہن کے منہ کی باس کہ بہتر از گلاب تھی سونگھتے ہی شہزادے کو قوت آ گئی ہوش میں آیا آنکھیں کھول دیں۔ سر کو اپنے اُس زہرہ جبین کے زانو پر دیکھا بخت کے کوکب کو اوج پر پایا خوش و خرم اُٹھ بیٹھا۔ پھر تو پیار کی آنکھ طرفین سے پڑنے لگی یہاں تلک کہ ٹکٹکی بندھ گئی۔ آخر شراب شوق کا پیالا چلنے لگا اور نشہ اشتیاق دونوں کو چڑھا۔ پردہ حجاب کا بیچ سے اُٹھ گیا چالا کی و بے

---

[1] ''لٹکا'' نسخہ ب ص ۴۰

[2] کنواری تھنکاری تو اتنے ہی ناپید ہو۔ نسخہ ب ص ۴۰

باکی کا بازار گرم ہوا۔ شرم اور حیاء کنارے گیا نداں جام وصال دونوں نے پیا اور آتش فراق کو ٹھنڈا کیا۔

(۱۰۹) ابیات:

ہزار افسوس پھر یہہ چرخ پرنور
کرے ہے مشتری سے ماہ کو دور
جہاں دو شخص بیٹھے مل کے اک جا
وہیں سنگ جدائی اُس نے پھینکا
جو دے ٹک دل میں نور آشنائی
تو بخشے اُس کو سو داغ جدائی
غلط ہے یہہ کہاں اُس میں وفا ہے
کماں میں اُس کی بس تیر جفا ہے

اتفاقاً جمیلہ خاتون آدھی رات کے وقت چونک پڑی چاندنی کی بہار سے باغ بھی اُس وقت نور باغ بن رہا تھا بے اختیار اُٹھ کھڑی ہوئی اور سیر کرنے لگی۔ ناگاہ اُس جگہ جہاں وے دونوں خوابیدہ بخت لیٹے ہوئے بے خبر سوتے تھے جانکلی۔ اُس حالت کو دیکھتے ہی اُس کی آتش غیرت کا شعلہ بھڑ کا غصہ روکا نہ گیا۔ ندان تاج الملوک کو مانند سنگ فلاخن کے طلسم میں پھینکا اور بکاولی کے گل رخسار کو طمانچوں سے گل ارغوان بنادیا بعد اُس کے گلستان ارم میں کہ اُس کے باپ کا تخت گاہ تھا اپنے ساتھ لے گئی۔ اور جو اپنی آنکھوں دیکھا تھا سو فیروز شاہ سے کہا۔ (ص۱۱۰) اُس نے کتنی پریاں خوش بیاں چرب زبان اُس شمع رو کی مصاحبت میں مقرر کیں کہ اُس کو نصیحت کیا کریں اور انسان کا نقش الفت اُس کے لوح دل سے دھویا کریں چنانچہ وے اُسی کام میں دن رات مشغول تھیں لیکن بکاولی کے عشق کی دبی دبائی آگ اُن کی باتوں سے سلگ اُٹھتی تھی اور شعلۂ اشتیاق دونا بھڑک جاتا تھا۔ دن تو ہر کسی کے ساتھ بیٹھ کر کاٹتی اور رات بھر یار کے خیال میں اکیلی جاگتی اور یہ اشعار اپنے حسب حال پڑھتی۔

نہ کوئی ہو جیو یہاں مجھ سا مبتلائے فراق
گذر گئی ہے میری عمر در بلائے فراق

غریب و عاشق وبیدل فقیر و سرگردان
اُٹھا چکے ہیں سبھی رنج و داغ ہائے فراق
فراق کو تری فرقت کا مبتلا یہہ کرون
کہ صرف خون جگر رو ویں دیدہ ہائے فراق
کدھر فراق کہاں میں کہاں یہہ رنج و تعب
فلک کے ہاتھ سے اب ٹوٹ جائے پائے فراق
میں داد پاؤں کہاں کیا کروں کہوں کس سے (ص ۱۱۱)
فراق کو کوئی ہیگا جو دے سزائے فراق
ملے فراق مجھے گر تو جان سے ماروں
سرشک دیدہ سے بھر دوں میں خون بہائے فراق
یہہ بیدلی ہے کہ حافظ کے اور مرے منہ سے
برنگ مرغ سحر نکلے ہے صدائے فراق

جب پریوں نے اُس کے مزاج میں دن بدن سودا[1] کو بڑھتے پایا جانا کہ عشق نے اِس کے دل میں گھر بنایا۔ ناچار ہو فیروز شاہ سے عرض کیا کہ ہم نے اپنا بہترا مغز پھرایا پر فائدہ کچھ نہ پایا۔ وہ کسی طرح نہیں سمجھتی اور پتھر کو جونک نہیں لگتی خبر شرط تھی سو کی آگے جو ارشاد۔ فیروز شاہ نے اس ماجرے کو سن کر جانا' کہ بیٹی ہاتھ سے جا چکی نصیحتیں مطلق نہیں سنتی تب طلسمات میں قید کیا اور اُس سیم تن کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر کو بھر دیا۔

☆☆☆

---

۱ سودے نسخہ ب ص ۱۴۱

چودھواں قصہ تاج الملوک کے دریائے محیط میں پڑنے کا اور سلامت پہنچنے کا وہاں سے بیابان کے بیچ اور تبدیل ہو جانے میں صورت اصلی کے

کہتے ہیں کہ جب جمیلہ خاتون نے شہزادے کو ہوا پر پھینکا (ص ۱۱۲) تب وہ ایک دریائے عظیم میں جا پڑا اور اُس کے تلاطم سے تہہ و بالا ہونے لگا۔ کبھی موتی کے مانند نیچے جاتا اور کدھی کف دریا سا پانی پر تیر آتا۔ بعد چندروز کے کنارے پر پہنچا۔ سچ ہے کہ عاشقوں کی جان تلک عزرائیل کا ہاتھ یک بیک نہیں پہنچتا اور موت کا پنجہ اُس کے مرغ روح کی گردن دفعتاً مروڑ نہیں سکتا۔ کوئی رمق جان بے قرار باقی رہی تھی۔ غرض تری سے خشکی میں آیا آفتاب کی گرمی سے ہاتھ پانون کھلے حرکت کے قابل ہوئے اور بدن میں زور پیدا ہوا اُٹھ کر ٹک آگے بڑھا۔ سامنے ایک جزیرہ دکھائی دیا۔ اُس میں جا وارد ہوا۔ اقسام میوہ دار درخت اُس میں تھے اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ اتنے میں ایسا باغ نظر آیا کہ اُس کے درختوں کے پھل آدمیوں کے گلے تھے۔ جوں ہی اُن سے دو چار ہوا وے کھل کھلا کر ہنس پڑے پھر سب کے سب زمیں پر گرے۔ بعد ایک ساعت کے اور گلے اُن شاخوں میں پیدا ہوئے۔ شہزادہ یہہ تماشا خدا کی قدرت کا دیکھ کر نہایت حیران ہوا بلکہ ڈرا اور وہاں سے آگے بڑھا۔ ایک باغ انار کا ملا اُس میں ہر ایک انار گھڑے کے مانند تھا۔ تاج الملوک نے ایک انار توڑ کر جو چیرا اُس میں (ص ۱۱۳) سے چھوٹے چھوٹے پرندے خوش رنگ نکل پڑے پھر سب کے سب چڑیوں کے جھنڈ کی طرح[1] اڑ گئے۔ شاہ زادہ یہہ صنعت خالق کی دیکھ کر اور بھی دنگ ہو گیا۔ علی ہذا القیاس ایسے ہی[2] ایسے عجائب و غرائب چندروز تک دیکھا کیا۔ غرض اُس سرزمین میں جہاں تہاں ایک نیا ہی تماشا نظر آیا[3]۔ کسی طرح اپنی رہائی وہاں سے نہ دیکھی تو

۱؎ ''طرح'' نسخہ ب میں نہیں ہے ص ۴۲

۲؎ ایسے ایسے نسخہ ب ص ۴۲

۳؎ آتا نسخہ ب ص ۴۳

نہایت بہ تنگ ہوکر ہر طرف سے لکڑیاں جمع کیں پشتارہ باندھا پھر خدا کا نام لے دریا میں ڈال اُس پر چڑھ بیٹھا۔ بعد کئی روز کے ایک کنارے پر جالگا تب وہاں سے اُتر کر آگے چلا کہ ایک بیابان ہولناک میں جا وارد ہوا۔ شام کے وقت درندوں کے ڈر سے کسی پیڑ پر چڑھ بیٹھا۔ پھر ایک رات گئی ہوگی کہ ایک سناٹے کی آواز دکھن کی طرف سے اُس کے کان میں پہنچی ہر چند شاہزادے نے داہنے بائیں دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ آخرش ایک اژدہا پہاڑ سا نمودار ہوا اور اُسی درخت کے تلے جس پر شہزادہ تھا آیا اُس کی صورت دیکھتے ہی اِس کے تو حواس اُڑ گئے۔ درخت کی ڈالی سے لپٹ کر دم بخود ہو رہا۔ بعد ایک ساعت کے اُس (ص ۱۱۴) اژدہے نے ایک کالا اپنے منہ سے نکالا اور اُس نے ایک من آفتاب سا چمکتا ہوا اُگل کر اُس درخت کے نیچے رکھ دیا۔ اُس کی روشنی سے چار سو کوس کے عرصے تک جتنے جنگل پہاڑ تھے روشن ہوگئے اور وحوش وطیور اُس کے آگے آکر ناچنے لگے آخر مدہوش ہوکر گر پڑے۔ تب وہ اُن کو دم کی کشش سے کھینچ کھینچ نگلنے لگا۔ یہاں تک کہ اُس کا پیٹ بھر گیا۔ بعد اُس کے سانپ من کو نگل گیا اور وہ سانپ کو۔ پھر جدھر سے آیا تھا اُدھر کی راہ لی۔ شہزادے کے جی میں یہہ لہر آئی کہ ایسی کچھ تدبیر ٹھرائے جو یہہ من ہاتھ لگے۔ عقل دوڑانے لگا آخر سوچتے سوچتے صبح ہوگئی پھر دریا کی طرف گیا اور وہاں سے ایک بڑا سا لوندا کیچڑ کا اُٹھا لایا اور شام کے وقت درخت پر چڑھ کے اسی طرح بیٹھ رہا۔ اژدہا بھی اپنے وقت متعین پر آپہنچا اور بدستور سانپ کو اپنے منہ سے اُگل دیا اُس نے من کو۔ شہزادہ گھات لگائے بیٹھا تھا اِس ڈول سے اُس گل حکمت کا لوندا من کے اُوپر ڈالا کہ گل، حکمت کر دیا پھر تمام جنگل اندھیرا ہوگیا۔ ہاتھ کو ہاتھ سوجھنے سے رہا تب اژدہا اور سانپ سر پٹک پٹک مر گئے۔ شہزادے نے بڑ کے اُس پیڑ سے (ص ۱۱۰) اُتر اُس مہرۂ نورانی کو کیچڑ کے تلے سے نکال اپنی کمر میں باندھا اور آبادی کی توقع پر آگے چلا۔ تمام روز تو رواروی میں کٹا رات کو کسی درخت پر چڑھ رہا۔ غرض دن رات یونہیں بسر کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک رات یہہ جس درخت پر چڑھا ہوا بیٹھا تھا اُسی پر ایک بولتی ہوئی مینا کا گھونسلا بھی تھا۔ وہ اپنے بچوں کو اکثر نقلیں کہانیاں سنایا کرتی تھی اور ہر ایک فن کی کنہیں بنایا کرتی اِس لئے کہ کان پڑی بات ایک نہ ایک دن کام آرہتی ہے۔ اُس رات بچوں نے کہا۔ اماں[1] کوئی بات اس بیابان کی تو کہو۔ مینا بولی کہ اس جنگل میں گنج بے شمار جابجا گرا ہے اور اس کے سواء یہاں سے دکھن کی طرف ایک حوض کے کنارے ایک بڑا درخت ہے کہ سراج القرطب اُس کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی اُس کے پوست کی ٹوپی پہنے تو وہ کسی کو نظر نہ آوے اور وہ سب کو دیکھے لیکن اُس تک کوئی پہنچ نہیں سکتا کیوں کہ اُس کا ایک

[1] ماں نسخہ ب ص ۴۳

بڑا سانپ نگہبان ہے اُس پر تلوار اور تیر کچھ کارگر نہیں ہوتا۔ بچوں نے پوچھا کہ کس طرح کوئی وہاں پہنچے۔ مینا نے کہا ایسا کوئی جواں مرد ہو کہ ہڑ بڑا نہ جاوے اور ہمت باندھے ہوئے اُس حوض کے کنارے (ص ۱۱۶) تک اپنے تئیں پہنچا دے جب وہ سانپ لپک کر اُس پر آوے تب وہ حوض میں کود پڑے وونہین اُس کی صورت کوے کی سی ہو جائے گی۔ اُس کا اندیشہ نہ کرے اور اُڑ کر اُس درخت کی پچھمطرف کی ڈالی پر جا بیٹھے۔ اُس میں کتنے لال پھل لگے ہیں اگر ایک لال پھل توڑ کر کھا جاوے تو پھر اپنی صورت اصلی پر آجاوے اور سبز پھل کی یہہ خاصیت ہے کہ جو اُس کو سر پر رکھے تو کوئی حربہ بدن پر اثر نہ کرے۔ اگر کمر میں باندھے تو ہوا پر اُڑتا پھرے۔ اور اُس کے پتوں کا خواص یہہ ہے کہ جس زخم پر انہیں رکھے فوراً بھر آوے۔ اگر اُس کی لکڑی ہزار من لوہے کے قفل کو ذرا چھواوے تو فی الحال وہ کھل جاوے۔ تاج الملوک یہ عجیب وغریب باتیں سن کر اُس درخت کا مشتاق از حد زیادہ ہوا اور صبح ہوتے ہی اُسی پتے پر چلا۔ بہرصورت اپنے تئیں اُس حوض تک پہنچایا۔ سانپ بھی اُس کو دیکھتے ہی لپکا۔ پر شہزادہ مطلق نہ جھجکا حوض میں کود ہی پڑا۔ پھر کوا ہو کر اُس درخت کی اُسی میوہ دار ڈالی پر جا بیٹھا اور ایک لال پھل کھا پھر جیسا کا تیسا ہو گیا۔ بعد اُس کے کچھ ایک ہرے پھل توڑ کر کمر (ص ۱۱۷) میں باندھے اور ایک لکڑی بھی لاٹھی کے موافق لے لی۔ پھر تھوڑی سی چھال کہ جس میں ٹوپی بنے اور کچھ پتے لے کر وہاں سے اُڑا بعد چند روز کے جنگل سے باہر نکلا۔ آثار آبادی کے دکھائی دیئے تب ایک نوک دار لکڑی لے کر اپنی ران کو چیرا اور کالے کا من اُس میں رکھ کر وہی پتے زخم پر دھر دیئے فوراً اچھا ہو گیا پھر وہاں سے آبادی کی راہ لی۔

☆☆☆

پندرھویں داستان پہنچنے میں تاج الملوک کے ایک حوض پر اور اُس میں غوطہ مار کر متبدل ہونا اُس کی صورت کا

نقل ہے کہ تاج الملوک ایک سنگ مرمر کے حوض پر جس کے چار طرف رنگ برنگ کے پھول پھولے ہوئے تھے جا پہنچا۔ وہ سہانی جگہ اور ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر شہزادہ ایک آن کی آن سو گیا۔ جب آنکھ کھلی اور پانی کی صفائی ملاحظہ فرمائی ٹوپی اور عصا ایک درخت کے نیچے رکھ کر اُس میں اُترا اور غوطہ مارا۔ جونہیں پانی سے سر باہر نکالا تو اُس مکان اور حوض کو نہ پایا بلکہ ایک شہر کے متصل جا پہنچا۔ سوائے اِس کے دیکھتا کیا ہے کہ علامت مردی کی جاتی رہی اور صورت عورتوں کی سی ہوگئی۔ گل سے رخسارے کہ خط سبزہ زار تھے یاسمین کے مانند مصفا ہوگئے اور صندل سی چھاتی پر انار سی کچن[1] نمودار ہو آئیں۔ تاج الملوک اُس آفت ناگہانی سے نہایت گھبرایا پر سوائے صبر کے اور کچھ تدبیر نہ سوجھی لاچار شکیبائی اختیار کی اور ایک جگہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس میں ایک جوان وہاں آنکلا دیکھا اُس نے کہ ایک رنڈی نوجوان پاکیزہ رو بیٹھی ہے اگر اُسے حور کہے تو روا ہے اور پری سمجھے تو بجا ہے۔ غرض جوان کا دل اُس پر آ ہی گیا پوچھا کہ ای[2] نازنین تجھ پر ایسی کیا آفت پڑی جو تو اس ویرانے میں آ بیٹھی۔ اُس نے کہا میرا باپ تاجر تھا۔ جہاں کہیں تجارت کے واسطے جاتا مجھ کو اپنے ساتھ ہی رکھتا۔ کل اِس جنگل میں قافلے سمیت اُترا تھا آدھی رات کو ڈاکا پڑا سب مال لٹ گیا وہ رفیقوں سمیت مارا پڑا۔ تمام قافلے کے لوگ اپنی اپنی جان لے کر بھاگ گئے۔ فقط میں ہی اِس ویرانے میں بے کس رہ گئی۔ اب یہاں نہ کہیں رہنے کا ٹھکانا ہے نہ ٹھاؤں اور نہ بیٹھنے کی طاقت نہ چلنے کو پانو۔ جوان نے کہا کہ اے نازنین اگر تو مجھے قبول کرے تو میں تجھے اپنے

---

1. ''گچھیں''......نسخہ ب ص ۴۳
2. ''اے''......نسخہ ب ص ۴۳

گھر لے چلوں اور صاحب خانہ کر کے رکھوں۔ اِس کی بھی آتش شہوت جوان کے دیکھنے سے شعلہ زن (ص۱۱۹) ہوئی تھی۔ اِس بات پر راضی ہو کر اُس کے ساتھ گیا اور اُس کی جورو بنا۔ لیکن اس واردات عجب سے کبھی ہنستا کبھی روتا اور ہر طرح سے اپنے دن کاٹتا۔ اس اثناء میں حمل نمود ہوا بعد انقضائے ایام معہود لڑکا جنا چالیسویں روز ایک حوض میں کہ اُس کے گھر سے نزدیک تر تھا جا کے ایک غوطہ مارا جونہیں سر اٹھایا تو دیکھا نہ وہ سرزمین ہے اور نہ وہ صورت خدا کی قدرت سے اپنے تئیں ایک حبشی جوان کی شکل دیکھا کہا الحمدللہ اگرچہ جمال اصلی تو نہیں ملا لیکن عورت سے پھر مرد ہوا۔ غرض اِسی خیال میں تھا کہ ناگاہ ایک رنڈی کل مہنی اوپر کا ہونٹھ اُس کی ناک کی پھنک سے لگا ہوا اور نیچے کا تھوڑی کے تلے بڑا ہوا کان شانوں تلک چوچیاں رانوں تلک سر کھولے جیبھ سے ہونٹھ چاہتی ہوئی بھتنی سی نمود ہوئی۔ اور اُس کی کمر پکڑ کر پکار اُٹھی کہ ای بے حمیت تین دن سے لڑکے بھوکے پیاسے مرتے ہیں اور میں تیری تلاش میں سرگرداں بھٹکتی پھرتی ہوں تو کہاں چھپ رہا تھا۔ بھلا جو ہوا سو ہوا دو تین روز کی لکڑیاں تو لا کہ اُن کو بیچ کر لڑکے بالوں کے کھانے کو لاؤں۔ تاج الملوک نے آسمان کی طرف دیکھ کر (ص۱۲۰) کہا کہ بارخدایا کب تک مجھ کو اس عذاب میں گرفتار رکھے گا۔ ابھی دیو کے ہاتھ سے چھوٹ کر دم نہیں لیا تھا کہ پھر ایک بلا کے پنجے میں پھنسا۔ قصہ کوتاہ وہ ناپاک کشاں کشاں اپنے گھر لے گئی۔ چار طرف سے لڑکوں نے آگھیرا کہ بابا ہمارے واسطے کیا لائے شہزادہ چپکا ہوا ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ اتنے میں اُس چڑیل نے ایک کلھاڑی تاج الملوک کے ہاتھ میں دی کہ جا لکڑیاں کاٹ لا۔ شہزادہ اِس فرصت کو غنیمت سمجھا جنگل میں گیا لیکن اُس طلسمات عجیب کی حالات سے حیران تھا۔ ندان دل میں سوچا کہ دوبارہ حوض میں غوطہ مارنے سے ایک صورت دوسری صورت کے ساتھ تبدیل ہو چکی ہے تیسری دفع امتحان کیجئے اور دیکھئے کہ اب کیسی شکل بنتی ہے۔ پھر ایک حوض میں جا کر غوطہ مارا جب سر نکالا اپنے تئیں اُسی صورت اصلی میں پہلے حوض کے کنارے پر پایا۔ لاٹھی اور ٹوپی کو جہاں کی تہاں بلا تفاوت رکھے ہوئے دیکھا۔ سجدۂ شکر الٰہی کے بجالایا اور دل میں ٹھرایا کہ اب کسی حوض میں ہرگز غسل نہ کیجئے۔ بلکہ ہاتھ بھی نہ ڈالے۔ یہہ ٹھان کر لاٹھی ہاتھ میں لی اور ٹوپی سر پر رکھی پھر وہاں سے آگے روانہ ہوا۔ (ص۱۲۱) ای[۱] یار ٹک کان دھر کہ حق تعالیٰ نے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا اور عظمت[۲] کا عصا اس کے ہاتھ میں پکڑا طلسم گاہ دنیا میں کہ فررع آخرت ہے عاقبت کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔ پس انسان کو چاہئے کہ

---

۱ ''اے''، نسخہ ب ص۴۵

۲ ''عظیمت''، نسخہ ب ص۴۵

گل وخاروآب وسراب اُس کا خوب طرح پہچانے ہر ایک باغ کے پھول کو نہ سونگھے۔ ہر ایک نہر سے گھڑا نہ بھرے کہ یہاں کانٹے گل سے رنگین اکثر ہیں اور سراب بہ صورت آب جدھر تدھر ای عزیز اگر گو ہر دنیا کے لئے واسطے چشمۂ جہاں میں غوطہ مارے گا مقرر اُس کلاہ اور عصےٰ کو کھودے گا عاقبت کی نعمتوں کو ڈبو دے گا بہ حکم اِس بات کے کہ طالب دنیا مونث ہیں۔ تیرا پیکر معانی جو مانند مرد کامل کے ہے بصورت زن ناقص العقل کے ہو جاوے گا پس اُس وقت سوائے صبر وشکیبائی کے کچھ چارا نہیں۔ چاہئے کہ دم بخود ہو کر تو پھر دریائے ذکر الٰہی میں غوطہ مارے بعد اُس کے جو سر نکالے گا تو وہی عصا ہاتھ میں اور وہی ٹوپی سر پر دیکھے گا۔

☆☆☆

سولھویں داستان پہنچنے میں تاج الملوک کے دیو سیاہ پیکر کے مکان پر اور ملنے میں بکاولی کی چچازاد بہن روح افزاء سے اور دیو مذکور کی قید سے اُس کے چھڑانے میں اور جزیرۂ فردوس کے بیچ اُس کے ساتھ پہنچنے میں

(ص ۱۲۲) سخن کا نقاش اِس حکایت کی تصویر صفحہ بیان پر یوں کھینچتا ہے۔ جب تاج الملوک نے یہ صدمے اُٹھائے پھر زمین پر پانو رکھنا چھوڑ دیا۔ سبز میوے کی قوت سے جب تک کہ جی چاہتا ہوا ہی پر جاتا ایک روز ایک ایسے پہاڑ پر گذرا کہ کوہ قاف بھی اُس کے آگے ایک پشتہ سا نظر آتا اور بے ستون اُس کے ایک پتھر کے صدمے سے روڑا سا پس جاتا۔ اُس پہاڑ پر ایک سنگین حویلی نہایت بلند نظر آئی۔ شاہ زادہ تفتیش حال کے لئے اُس میں گیا۔ ہر چند پھرا لیکن ذی حیات کا اثر بھی وہاں نہ دیکھا۔ تب ہر ایک مکان کو دھونڈ ھنے لگا۔ ناگاہ ایک آواز دردناک اُس کے کان میں پہنچی۔ وہاں جا کر دیکھا تو ایک عورت حسین جس کے حسن کی صفائی پر نظر پھسلی جاتی ہے بلکہ اُس کے دیکھنے سے مور چھاگت چلی آتی ہے پلنگ پر لیٹی ہوئی ہچکیاں لے لے روتی ہے۔ شہزادے نے ٹوپی سر سے اُتار کر اُس سے پوچھا کہ ای آرام جان اِس جوانی کے عالم میں تیری جدائی تیرے عاشق بے دل کے دل پر ایک ستم (ص ۱۲۳) ہے اور تیرے تریاق وصل سے دوری اُس کے حق میں سم۔ تو نے اُسنے کنارا کیوں پکڑا اور داغ فراق کا اُس بیچارے مشتاق کے دل پر کس واسطے رکھا۔ وہ نازنین یہہ کلام رندانہ سن کر بہت لجائی اور اس چھیڑ چھاڑ کی باتوں سے نہایت شرمائی پھر دوپٹے کا آنچل منہ پر لے کر بولی۔ ارے تو کون ہے مگر متلاشی عزرائیل کا ہے بھاگ نہیں تو ابھی مارا پڑے گا۔ تاج الملوک بولا کہ اگر میرے سر کی جو فی الحقیقت میرے نزدیک ایک بار ہے تجھے رغبت ہو تو حاضر ہے اور جو کسی دشمن سے ڈراتی ہے تو ہرگز میں نہیں ڈرتا۔ بیت[1]

نہیں ڈرتا میں مرنے سے ڈراتی ہے تو کیا مجھ کو
کہ جی پر کھیلنا ہے سہل رندلاوبالی کو

---

[1] ''بیت''، نسخہ ب ص ۳۹

بہرحال مجھے اپنے احوال سے مطلع کر۔ اُس زہرہ جبین نے سر اٹھا کر کہا کہ میں پری ہوں اور نام میرا روح افزاء ہے مظفر شاہ تخت نشین جزیرۂ فردوس کا میرا باپ ہے۔ ایک روز میں اپنے چاچا کی بیٹی کی عیادت کے لئے (کہ نام اُس کا بکاولی ہے) گلستان ارم میں گئی تھی۔ پھرتے ہوئے ایک دیو سیارو نے راہ میں مجھے پکڑا اور یہاں لے آیا اب مجھ سے نزدیکی کیا (ص۱۲۴) چاہتا ہے اور میں دور بھاگتی ہوں۔ اس واسطے مجھ کو نئی نئی وضع سے ستاتا ہے اور ہر روز ایک آفت تازہ میرے سر پر لاتا ہے یہہ سن کر تاج الملوک نے پوچھا کہ تیرے چچا کی بیٹی کو کیا مرض ہے۔ کہا اُس نے وہ کسی آدم زاد سے عشق رکھتی تھی مگر مدت کے بعد اُسے وہ بہزار خواری ملا تھا ایسا بجوگ پڑا کہ پھر جدا ہو گیا۔ اب اُس کے فراق میں وہ اشک لیلیٰ مجنوں کے مانند دیوانی ہو رہی اور اپنی جان شیرین کو اُس فرہاد وقت کے غم میں کھو رہی ہے کچھ اِس کا تدراک نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے میرے چچا نے اُس کو قید کیا ہے اور بناچاری اُس کی اذیت کا صدمہ اپنے دل پر لیا ہے۔ اس ماجرے کو سن کر شہزادے کی حالت تغیر ہو گئی آنکھیں بھر آئیں۔ آہیں لب پر آئیں دل و دماغ میں خلل پڑا چہرہ متبدل ہو گیا۔ روح افزاء نے یہہ حالت دیکھ کر کہا باوجود اِن گرمیوں کے موجب آہ سرد کا کیا ہے۔ شہزادہ بولا میں وہی گرفتار بلائے دوری ہوں جس کی مہجوری سے تیرے چچا کی بیٹی کی وہ گت بنی ہے۔ اُدھر اُس کا قید میں دل گھبراتا ہے اِدھر میرا آوارگی میں جی جاتا ہے۔ غرض شہزادے نے اپنا (ص۱۲۵) تمام قصہ روح افزاء کے آگے کہا۔ وہ سن کر نہایت متعجب ہوئی اور دونوں کی محنت (کذا محبت) پر ہزار ہزار آفرین کرنے لگی۔ بعد اُس کے بولی کہ اگر میں اس دیو کی قید سے نجات پاتی تو تیرے جگر کے زخم پر خواہ مخواہ مرہم لگاتی۔ شہزادے نے کہا اب تجھ کو کون[1] روک سکتا ہے اس قید خانے سے ابھی نکل جا اور جس طرف چلا چاہتی ہے شوق سے چل۔ مگر اُس موذی کا تیرے دل میں جو ڈر ہے تو دیکھ لیجو کہ ایک ہی حملے میں اُس کا کیا حال بناتا ہوں۔ اور اُس کے پہاڑ سے ڈیل کے کیسے پُرزے اڑاتا ہوں۔ لیکن اندیشہ یہہ ہے کہ میرے پاس کوئی حربہ نہیں۔ تب روح افزاء نے دیو کا سلح خانہ اُس کو بتا دیا۔ اُس نے وہاں جا کر ایک تیغا آبدار اُٹھا لیا اور انہیں پانوں پھر اُس کے پاس آ کر سراج القرطب کا عصا پانو میں چھوایا۔ بیڑی بیر کی کٹ پڑی بعد اُس کے بعد دونوں نے جزیرۂ فردوس کی راہ لی۔ چندان دور نہ گئے تھے کہ ناگاہ ایک آواز مہیب پیچھے سے آئی۔ روح افزاء نے کہا ای شہزادے ہشیار ہو دشمن خونخوار آ پہنچا۔ فی الحال تاج الملوک نے کلاہ بغل سے نکال روح افزاء کے سر پر رکھ دی اور آپ دیو کی طرف متوجہ ہوا۔ دیو (ص۱۲۶) بھی سامنے

---

[1] روک سکے.....نسخہ ب ص۴۶

آیا۔شہزادے نے للکار کے کہا کہ او لعین خبردار آگے قدم نہ بڑھائیو نہیں تو ایک ہی ہاتھ ایسا مارونگا کہ مردار ہو جائے گا۔ دیو [1]سن کر بجلی کی طرح تڑپا اور دانت نکال کر بولا۔ عجب تماشے کی بات ہے کہ چیونٹی ہاتھی سے مقابلہ کیا چاہتی ہے اور چڑیا سیمرغ سے لڑنا چاہتی ہے مجھے ننگ آتا ہے کہ مکھی کے خون سے کیا ہاتھ بھروں اور جس کے ہاتھ کے طمانچے کا زور کوہ قاف کے منہ کو پھرا دے ایک مشت خاک پر اُسے کیا ماروں۔ خیر میری معشوقہ مجھ کو دے اور تو اپنی راہ لے کہ دل میرا اُس کے جمال کی شمع پر پروانے کے مانند جلتا ہے اور اُس کے سوز عشق سے دم بدم پگھلتا ہے۔شہزادے نے کہا اے مردود گندہ دہن لائق نہیں کہ تو روح افزاء کو اپنی معشوقہ کہے۔ خدا کا ترس کھاتا ہوں نہیں تو ابھی اُٹھ کر تیری زبان کاٹ لوں۔ دیو یہہ زبان درازی ولاف زنی شہزادے کی دیکھ کر دیگ کے مانند آتش غضب سے جوش میں آیا اور ایک سو من کا پتھر اُٹھا کر شہزادے کی طرف پھینکا وہ اُس سبز میوے کے زور سے اُچک کر ہوا پر جا تارہا اور سراج القرطب کا عصا ایسا دیو کی گردن پر مارا کہ تمام بدن اُس کا کانپ اُٹھا۔ (ص ۱۲۷) بعد اُس کے غصے سے کہا کہ دور ہو اے لعین اب کی بار تو میں نے رحم کیا اگر ایک ہاتھ مارتا تو دو ہی کر دیتا۔ جب دیو نے حریف کو نہایت شہ زور پایا تب ایسا شور مچایا کہ چاروں طرف سے ہزاروں دیو گاؤسر اور فیل تن آن پہنچے اور شہزادے کو گھیر لیا۔

تاج الملوک نے بھی اُس میدان میں جیسی چاہئے ویسی ہی جوان مردی کی داد دی اور دیوؤں کی لڑائی بات کی بات میں مار لی۔ بیت۔

چلائی یہہ تلوار اُس نے وہاں
زمیں ہل گئی کانپ اُٹھا آسماں
لڑائی نے ہر سمت گاڑے یہ پاؤں
کہیں صلح کے ہاتھ آئی نہ ٹھاؤں
کئے قتل اُس نے تو لاکھوں پلید
پہ تیغ اُس کی کہتی تھی ہل من مزید

وہ انسان دیوں سے ایسا لڑا — کہ مریخ احسنت کہنے لگا
گرے خاک پر بسکہ دے بے شمار — زمین ہوگئی خون کف رعشہ دار

---

[1] دیو یہہ سن کر...... نسخہ ب ص ۴۶

بہا تھا بدن سے ہر اک کے لہو　　　　کہ تھی کوہ پر خون کی آب جو

غرض جو بچے بھاگے پھرتی کے ساتھ　　　　رہا کھیت وہ شہزادے کے ہاتھ

لیکن لڑتے لڑتے اور چالاکیاں کرتے کرتے وہ ماندہ بہت ہو گیا تھا غش ہو کر گر پڑا۔ تب روح افزاء دوڑی آئی اور سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔ گلبرگ سا ہاتھ سینے پر پھیرا اور اپنے بوے دہن سے کہ (ص ۱۲۸) بہ رنگ غنچۂ گل کے تھا ہوش میں لائی ٹوپی سر سے اتار شہزادہ کے آگے رکھ دی اور اُس کی جواں مردی پر ہزار ہزار آفرین کی۔ من بعد اُٹھ کر جزیرۂ فردوس کی راہ پکڑی۔ جد دونوں شہر کے نزدیک پہنچے تد روح افزاء نے تاج الملوک کو ایک باغ میں کہ اُس کا نام بھی روح افزاء تھا بیٹھا کر آپ اپنے ماں باپ کی ملاقات کے لئے گئی۔ انہوں نے اُس کے آنے سے زندگانی دوبارہ پائی۔ ماتھا اور آنکھیں اُس کی چومیں پھر سر گذشت پوچھی۔ تب روح افزاء نے اذیت دیو ستم گار کی اور مروت و جواں مردی شہزادہ عالی تبار کی جوں کی توں کہہ سنائی۔ لیکن یہہ نہ کہا کہ بکاولی کا عاشق وہی ہے۔ مظفر شاہ سنتے ہی اُٹھ کر باغ میں گیا اور شہزادے کا شکر احسان بمرتبہ بجالایا مدارات بہت سی کی۔ ایک مسند پاکیزہ نئی اور بچھوادی پھر کتنی پریاں اور پری زاد اُس کی خدمت کے لئے معین کر کے اپنے دولت خانے میں آیا۔

☆☆☆

سترہویں کہانی خط لکھنے میں مظفر شاہ کے فیروز شاہ کو روح افزاء کے پہنچنے کا اور آنے میں بکاولی کے ماسمیت اس کی ملاقات کیلئے

(ص ۱۲۹) راوی شیرین زباں یوں بیان کرتا ہے کہ مظفر شاہ نے ایک خط روح افزاء کے پہنچنے کا فیروز شاہ کو لکھ کر گلستان ارم میں بھیجا۔ وہ اُس کو پڑھ کر نہایت شاد ہوا اور فرمایا کہ جمیلہ خاتون روح افزاء کے دیکھنے کو جلد جاوے اور اُس کو اپنی[1] آنکھوں دیکھ آوے۔ بکاولی نے جو (ماں) کے جانے کی خبر سنی کہلا بھیجا کہ میں بھی بہن کی ملاقات کے لئے تمہارے ساتھ چلوں گی۔ جمیلہ خاتون نے اس بات کو غنیمت جانا۔ اس واسطے کہ شاید وہاں کے جانے سے اُس کے دل کا غنچہ کھلے اور مکانات مختلفہ کی سیر سے زنگ کدورت آئینہ دل سے چھلے۔ پاؤں کی زنجیر کاٹ دی اور اپنے ساتھ لے کر جزیزۂ فردوس کی راہ لی۔ مظفر شاہ نے جب سنا کہ جمیلہ خاتون معہ بکاولی آتی ہے روح افزاء کو استقبال کے لئے بھیجا۔ جب اُسے وے دو چار ہوئیں تب روح افزاء نے چچی کو ٹھہر کر سلام کیا اور قدموں پر گر پڑی۔ اُس نے وو ہیں اُٹھا کر چھاتی سے لگالیا آنکھیں چومیں بلائیں لیں۔ پھر دونوں بہنیں آپس میں دیر تک گلے ملیں مبارک سلامت کی صدا طرفین سے بلند ہوئی۔ پھر اُس نے مسکرا کر بکاولی کے کان میں کہا تمہیں بھی اپنے چاہتے حکیم کا آنا مبارک ہو۔ اب اُس کو شوق سے نبض دکھاؤ اور ذوق سے (ص ۱۳۰) شربت وصل ملکر[2] پیو۔ یہہ سن کر بکاولی ماں کے خوف سے اُس وقت تو چپکی ہو رہی پوچھ نہ سکی پر دل ہی دل میں کچھ شاد کچھ مغموم ہوئی۔ القصہ روح افزاء دونوں کو اپنے گھر پہ آئیں شائستہ لائی۔ مظفر شاہ اور حسن آرا بھی جمیلہ خاتون اور بکاولی سے ملے نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے۔ پھر ادھر اُدھر کا مذکور نکلا دروازہ گفتگو کا کھلا۔

۱؎ اپنی...... نسخہ ب میں موجود نہیں ہے ص ۴۸

۲؎ ملکر..... نسخہ ب میں موجود نہیں ہے ص ۴۸

آخرش روح افزاء کی رہائی کا مذکور بھی درمیان آیا۔ اُس نے اُس کو اور ہی ڈھب سے ادا کیا۔ غرض جمیلہ خاتون تو رات کی رات ہی رہی دوسرے دن رخصت ہوئی۔ روح افزاء نے اُس وقت چچی[1] سے عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ چندروز بکاولی میرے ہی پاس رہے شاید یہاں کے رہنے سے اُس کے آئینہ طبع کا زنگ چھٹے، نور عقل اُس میں نمایاں ہو اور تاریکی سودا پنہاں۔ جمیلہ خاتون نے کہا اچھا کیا مضایقہ ہے۔ ندان ایک ہفتے کی اجازت دی اور آپ اُسنے[2] گلستان اِرم کی راہ پکڑی۔ تب روح افزاء بکاولی کو اکیلا لے بیٹھی باتیں عشق آمیز کرنے لگی طول بہت سا دیا آخر تاج الملوک کے بھی سوز و گداز سے کچھ کنایہ کیا۔ تب تو بکاولی ہم چشمی کے باعث سے کھیسانی ہوگئی اور مارے شرم کے پانی پانی۔ (ص ۱۳۱) پھر غصے سے منہ پھلا کر بولی واہ واہ مجھے یہہ ہنسی خوش نہیں آتی اور ایسی چھیڑ چھاڑ نہیں بھاتی۔ یہہ تم اپنی بیتی مجھے اِس پردے میں سناتی ہو۔ میں نے جانا کہ تم اُس دیو کا دل ہی دل میں غم کھاتی ہو۔ یہہ کہاوت تم پر پھب گئی ہاتھوں مہندی پاؤں مہندی اپنے لچھن اور دن دینڈی بس زیادہ ویادہ نہ بکو قسم ہے حضرت سلیمان کی میں ابھی اپنے گھر چلی جاؤں گی پھر کبھی تمہارے یہاں نہ آونگی۔ بھلا فانوس کی شمع کو پروانے سے کیا نسبت اور منہ مندی کلی کو بلبل سے کیا مناسبت۔ کہاں پری کہاں انسان، یہہ تمہارا ہی صرف گمان۔ روح افزاء نے جب دیکھا کہ کسی طرح ہاتھ نہیں آتی اور کسی وجہ دم نہیں کھاتی تب تو اِن رویوں پر آئی اور یوں کہنے لگی۔ اے بہن میں یہہ تو نہیں کہتی کہ تو کسی کو چاہتی ہے یا خدا نا خواستہ کسی کے درد سے کراہتی ہے بلکہ میں تو یہہ کہتی ہوں کہ تو شمع فانوس ہے کوئی پروانہ جو آپ سے آکر جلے تو جلے تجھ کو اُس کے جلنے سے کیا۔ اگر ہزاروں گل نیلوفر برہ کے تالاب میں ڈوبیں تو چاند کو کیا پروا۔ غرض اسی وضع کی باتیں اور بھی کر اُس کے غصے کو ٹال بھلاوے (ص ۱۳۲) میں ڈال ہاتھ میں ہاتھ لے اُس مکان کی روش پر جس میں تاج الملوک رہتا تھا آکر پھرنے لگی اور باغ کی دید کرنے۔ اتنے میں آواز دردناک اُس مریض عشق کی بکاولی کے کان میں پہنچی۔ نپٹ بے چین ہوئی آخر رہ نہ سکی روح افزاء سے پوچھا یہہ کس کی صدا ہے۔ کہا اُس نے ایک شکار نو گرفتار نالاں ہے۔ آ تجھے اُس کا تماشا دکھاؤں اور اچھی طرح سے اُس کی آواز سناؤں غرض بکاولی کو بتا دے کر شہزادے کے آگے لا کھڑا کیا تاج الملوک سے دوچار ہوتے ہی اختیار کی باگ اُس کے ہاتھ سے چھٹ گئی اور جنس صبر و قرار کی لٹ گئی۔ وہ بھی آتش شوق کا جلا ہوا صبر نہ کر سکا دوڑ کر اُس چشمہ خوبی سے بے اختیار لپٹ گیا بکاولی نے بھی

---

[1] چچی……نسخہ ب میں موجود نہیں ہے ص ۴۸

[2] اُسنے……نسخہ ب میں نہیں ہے ص ۴۸

دامن حیاء کو چھوڑ اپنا ہاتھ اُس کی گردن میں حائل کرلیا۔ پھر تو وے دونوں جلے ہوئے سوز فراق کے دل کھول کر روئے اور غم جدائی کے دفتر اپنے اپنے خوب دھوئے۔ روح افزاء یہہ حالت دیکھ قہقہا مار کر ہنسی اور کہنے لگی اے بھینا تو تو اب تک دنیا کی لذت سے واقف نہیں بیگانے مرد کا منہ بھی آج تک نہیں دیکھا پھر اس نامحرم مردوئے (ص۱۳۳) کے گلے لگ کر زار زار کیوں روتی ہے۔ اور اس کے غم سے اپنا ننھا سا جیوڑا کس لئے کھوتی ہے۔ تو نے میرے چچا کا نام ڈبایا اور سارے کنبے کو کلنک لگایا۔ یہہ سن کر بکاولی نے کہا اے روح افزاء اگر تو نے مجھ سینہ فگار کے زخم پر مرہم لگایا ہے تو ناخن طعن سے مت چھلوا اور جو دیدار کا شربت پلایا ہے تو زہر ملامت نہ کھلا۔ اب تو میرا راز بالکل تجھ پر ظاہر ہوا اور پردہ کھل گیا۔ میرے حق میں جو تو چاہے سو کر مختار، ہے۔ القصہ وو[1] عندلیب شیدا اور وو[2] گل رعنا چمن نشاط میں بخوبی ہنسے بولے اور اپنے اپنے اشتیاق کے ہر ایک نے دفتر کھولے۔ کئی دن بوس وکنار کی لذت خوب طرح اٹھائی اور جام وصل سے اپنی اپنی پیاس جی بھر کے بجھائی۔ آخر ایام وصال کا زمانہ آخر ہوا بکاولی کی روانگی کا دن آ پہنچا۔ تاج الملوک پھر بستر بے قراری پر گرا اور ماہی بے آب کے مانند تڑپھنے لگا۔ یہہ حالت دیکھ کر اُس نے بھی چاہا کہ حیاء کے پردے کو اٹھا کر ویسا ہی اپنا روپ بناوے کہ روح افزاء بولی زینہار اے بہن یہہ حرکت نہ کر ناحق رسوائی ہوگی اور جگ ہنسائی۔ چند روز اور صبر کر۔ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑے دنوں میں تجھ کو (ص۱۳۴) تیرے چاہنے والے سے یہ خوبی ملاتی ہوں اور شربت وصال دن رات پلاتی ہوں۔ زمانہ فراق کا اب تھوڑا رہا ہے اور دور وصال کا نزدیک آ پہنچا ہے۔ خاطر جمع رکھ ماباپ کی فرماں برداری کر اور جناب الٰہی میں الحاح وزاری۔ پھر دیکھ تو پردۂ غیب سے ظہور میں کیا آتا ہے اور میرا سعی وتردد کیا دکھاتا ہے بکاولی یہہ سنکر چارو ناچار گلستان اِرم کو گئی اور ماباپ کی خدمت میں مشغول ہوئی۔

☆☆☆

۱؎ ''وہ'' نسخہ ب ص۴۹

۲؎ ''وہ'' نسخہ ب ص۴۹

اٹھارواں قصہ روح افزاء کے ظاہر کرنے کا اپنی ماں سے تاج الملوک اور بکاولی کی کیفیت عشق کو اور جانے کا اُس کے جمیلہ خاتون کے پاس اُن دونوں کے بیاہ کی درخواست کیلئے

کہتے ہیں کہ جب بکاولی روح افزاء سے رخصت ہو کر اپنے گھر گئی تب روح افزاء نے شہزادے اور بکاولی کے عشق کی تمام وکمال کیفیت اپنی ماں سے ظاہر کی۔ حسن آرا یہہ سن کر دیر تک گریبان تفکر میں سر ڈالے رہی پھر سوچ کر بولی اگر جو ناتا رشتہ آدمی کا پری سے ہونا نہایت محال ہے لیکن اُسے نے تجھ کو قید شدید سے چھڑایا ہے مجھ کو بھی لازم ہے کہ میں بھی اُسے اِس زندان غم والم سے چھڑاؤں اور مطلب کو (ص ۱۳۵) پہنچاؤں۔ یہہ کہہ کر اُسی وقت ایک مصور شبیہ کش چالاک دست کو بلا شہزادے کی تصویر کھچوا گلستان اِرم میں لے گئی اور فیروز شاہ جمیلہ خاتون سے ملی بلکہ چند روز وہیں رہی۔ ایک دن کا مذکور ہے کہ جمیلہ خاتون سے باتیں کرتے کرتے مطلب کی بات پر آئی اور اس وضع سے کہنے لگی۔ اے بھینا اگر کوئی غنچۂ رنگین ابر آذری کے فیض سے کسی شاخ میں لگے اور اس کے پاس بلبل نہ بیٹھے تو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اگر ایک آب دار موتی کسی کے ہاتھ آوے اور وہ اُس کو رشتے سے الگ رکھے تو عقل سے باہر ہے۔ کب تلک تو بکاولی کو کنوارا رکھے گی۔ بہتر یہہ ہے کہ اس زہرہ جبین کو کسی ماہ رو کے پہلو بیٹھا اور اس غنچۂ خوبی کو مونس نسیم بہار کا بنا۔ جمیلہ خاتون نے یہہ سنکر کہا اے حسن آرا۔ تو نے سنا ہوگا کہ اُس نے ایک آدم زاد سے دل لگایا ہے۔ اور اُسی کا سودا اُس کے سر میں سمایا ہے۔ اپنے ہم جنس کو نہیں چاہتی اور غیر جنس کے واسطے دن رات ہی کراہتی۔ میں اِس امر میں لاچار ہوں بزرگوں کا چلن کیوں کر چھوڑوں اور اُس علامہ کی خاطر قدیم سلسلہ کو کس طرح توڑوں۔ ناتا نسبت اپنے (ص ۱۳۶) کف

کے ہوتے غیر قوم میں کسی نے کیا ہے جو میں کروں بھلا پری کا آدمی سے کبھو بیاہ ہوا ہے کہ میں بیاہوں۔حسن آرا نے کہا سچ کہتی ہے۔لطیف کو ہم صحبت کشیف کا کرنا البتہ دانائی سے بعید ہے لیکن تو حضرت انسان کے کمالوں سے اگر واقف ہوتی تو ایسے خیال فاسد دل میں ہرگز نہ لاتی۔سن اے نادان بشر خلقت یزدان میں اور اُس کی صنعت بے پایاں میں اشرف وافضل ہے۔اُس کے مرتبوں اور درجوں کی انتہا نہیں۔وہ ایک نہنگ دریا کا پینے والا ہے اور ایک قطرہ حقیقت میں دریا۔جامع ہے کمالات عالم کونی والٰہی کا یعنے مادیات ومجردات کا اور مجمع ہے مراتب بندگی و بادشاہی کا۔

انسان کی ذات برزخ جامع ہے بیگماں ظل خدا و صورت خلق اُس میں ہے عیان

جان کہ صوفیہ ہر ایک کو عالم ارواح کی نوعون میں سے باری تعالیٰ کے ایک ایک اسم وصفت کا ایک مظہر خاص جانتے ہیں اور اِس عالم صورت کو کہ حواس ظاہری و باطنی سے نسبت رکھتا ہے اُس عالم کا سایہ پس ہر ایک فرد کائنات کے ذرّوں میں سے روشن ایک تجلی ابدی (ص ۱۳۷) اور سیراب ایک قطرۂ سرمدی سے ہے۔بیت۔

نظر میں ہوشیاروں کی درخت سبز کا پتّا
خداوند جہاں کی معرفت کا ایک ورق ہیگا

اس عالم میں انسان کہ سارے افراد کون وفساد کے اُسی کے خادم ہیں وہ مظہر ہے خدا کے سارے اِسموں اور صفتوں کا اور اُس کی تجلیات خاص کا مقام۔تحقیق اِس مقدمے کی اس پر موقوف ہے کہ صفات اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہیں یا غیر یا نہ عین نہ غیر یعنے کسی وجہ سے عین اور کسی وجہ سے غیر چنانچہ متکلمین ظاہر بین کے نزدیک وجہ اخیر اولا ہے اور کرامین نے وجہ ثانی پر اعتماد کیا ہے۔لیکن ہر ایک کی دلیلیں جدی جدی ہیں۔بیان سے اُن کے کلام بڑھتا ہے لیکن فلاسفہ اور صوفیہ نے عقلی و کشفی دلیلوں سے یہہ ٹھہرایا ہے کہ صفتیں اُس کی عین ذات ہیں اس اعتبار سے کہ ہر متنفس جس چیز کو ایک صفت سے معلوم کرتا ہے اُس پر وہ بدون اُس کے آشکارا ہے۔مثلاً ہم ایک شئی کے دیکھنے میں محتاج قوت باصرہ کے ہیں اور سننے میں سامعہ کے اور معانی تحصیل میں قوت دراکہ سے احتیاج رکھتے ہیں۔(ص ۱۳۸) جناب اُس کی اِن اُمور کے حصول میں اشیائے مذکور سے احتیاج نہیں رکھتی۔یا کہ[1] بدون اُن کے اُس کے حضور سب اشیاء حاضر ہیں۔بنابر اِس کے صفات باری کو عین ذات کہتے ہیں۔جس وقت اِس تمہید کو پایا تو نے یہہ سمجھ کہ پہلے ممکنات کے پیدا ہونے سے وقت تسلط اسم ہو الباطن کا تھا۔اُس میں وہ

[1] بلکہ......نسخہ ب ص ۵۱

آپ ہی موجود تھا اور خورشید ذات کے نور کا پردہ پنہائی روئے ظہور پر پڑا تھا۔ بے مقابلہ غیر نرد عاشقی و معشوقی اپنے ساتھ اپنے ہی کھیل رہا تھا جب بہ خواہش تسلط اسم ہوالظاہر ارادہ کیا کہ اپنے جمال جہاں آرا کے آگے سے پردہ حجاب کا اٹھائے اور شراب اپنی صحبت کے عشق کی رنگ برنگ کے قرابوں میں دیکھے۔ جیسا کہ شاہد اُس کا ایک حدیث قدسی ہے اور معنے اُس کے یہ ہیں۔ تھا میں گنج مخفی پس یہہ چاہا میں نے کہ پہچانے مجھ کو تب خلق کیا خلقت کو۔ غرض اشخاص کی ماہتیوں کو کہ عبارت تقرر سے ہے اپنے علم اجمالی میں مستحصر کیا۔ چنانچہ یہی ماخذ شرح حکمت العین کی اُس عبارت کا ہے۔ (الماہیات غیر مجعولہ بجعل الجاعل (کذا)) یعنے ماہیات کو جعل جاعل کا نہیں لگتا کیونکہ اگر اِسے مانئے تو مجعولیت ذاتی لازم آتی ہے اور یہہ باطل ہے اِس لئے کہ یہہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ ماہیت کو ماہیت کیا یا ذات کو ذات بنایا اگرچہ تحقیق اشیاء نفس الامر میں مطابق ان معلومات کے علم ازلی میں نہ ہمارے خیال کے طور پر ہے کہ اُسے کچھ ثبات نہیں بلکہ اس طرح ہے کہ وہ ذات واحد جو زینت جلال و جمال سے آراستہ ہے اُس نے اپنی ذات وحدت مآب کو روبرو آئینہ عدم کے کر کے اپنا عکس اس میں ڈالا اور اس کا نام عالم رکھا بعد اس کے وہ عکس بسیط نہ مرکب کہ جز رکھتا ہے بہ اعتبار صفات وتعینات جزئی کے محل کثرت کا ہوا اور وہ محبوب آئینہ دیکھنے والا ہر متعین کے ساتھ اپنے حسن رنگا رنگ کو دیکھ کر عاشق ہوا۔ مثلاً بعضے ذرّے بہ اعتبار بینائی کی صفت کے جسم متصور ہوتے ہیں اور بہ اعتبار ظل کے ظل۔ علی ہذا القیاس انہیں صفتوں کا موجودات ظلی میں ایک مظہر خاص ہے لیکن انسان بحکم ایک آیہ کے کہ معنے اُس کے یہ ہیں۔ پیدا کیا ہم نے انسان کو بہتریں صورت پر۔ وہ اشرف مخلوقات اُس عکس میں بہ منزلہ چشم واقع ہے۔ کیوں کہ اشرف (ص ۱۴۰) بدن کا سر ہے اور اُسے شریف تر آنکھ۔ پس جانا تو نے کہ سب ذرات عالم عکس اُسی شاہد آئینہ دار کے ہیں۔ ہر ایک اُس کے عشق کا جوش رکھتا ہے اور اُس کے وصل کی راہ میں کوشش کرتا ہے لیکن نہیں پاتا مگر اُسی پرتو خاص کو کہ اُس کی ذات پر پڑا ہے اور انسان نے (کہ اُس عکس میں بجائے چشم ہے) اپنے دل میں جو پتلی کے مانند ہے اُس ماہ آئینہ پرداز کے نقشے کو جگہہ دی۔ خلق الانسان علی صورتہ یعنے پیدا کیا اُس نے آدمی کو اُوپر اپنی صورت کے اِسی بات پر آگاہی دیتا ہے اور شعر صاحب گلشن راز کا بھی اِسی پر دلالت کرتا ہے۔ معنے اُس کے یہ ہیں۔ عدم آئینہ عالم عکس وانسان ہے اُس کی چشم اور شخص اُس میں پنہاں اور ایک مقام پر یوں کہا ہے۔ بیت[ا]

ا ''بیت'' نسخہ ب ص ۳۹

دل عجب ہے کہ اس چھٹاپے پر
خالق دو جہاں کا ٹھرا گھر

اور قول حق تعالیٰ کا کہ اُس کے معنے موافق بعض مفسر کے یہ ہیں۔ جب ہم سونپنے لگے اپنی امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کو اِبا کیا انہوں نے اور نہ اُٹھایا اُس کو ڈر سے اُسے اور اُٹھایا اُسے انسان نے۔ سچ ہے کہ وہ عادل و عالم ہے اور ایک (ص ۱۴۱) حدیث کہ جس کے معنی یہ ہیں۔ جس نے پہچانا اپنی ذات کو اُس نے پہچانا اپنے پروردگار کو خبر دیتی ہے کہ شناخت اپنے نفس کی پہنچان اپنے رب کی ہے۔ اِس لئے معرفت نفس کی حق کی معرفت کا وسیلہ قریب ہے۔ نہ یہہ کہ معرفت اپنی ذات کی عین اُس کی معرفت ہے۔ چنانچہ بعضے ریاضتی کہ تجلیات نفس تک پہنچے ہیں اپنے تئیں عرفان حق کو پہنچنا جانتے ہیں۔ مثلاً آفتاب پر سبب چمک کے دیکھنے والوں کی نظر نہیں ٹھرنی چاہئے کہ وے پہلے ایک پانی کے پیالے میں اُس کا عکس دیکھیں کہ بعینہ وہی ہے۔ کیوں کہ عکس نور کا سوائے نور کے نہیں اس مرتبے کے حاصل ہونے کے بعد شاید آنکھ اُس کی دید کے قابل ہو جائے۔ یہیں سے ہے کہ بعضے شراب وصال کے مستوں نے حالت مستی میں انا الحق کہا ہے۔ ڈھونڈھتا تھا جس کو پایا عین اسکا اپنے تئیں۔ پس دریافت کیا تو نے کہ انسان مجمع جمیع اسما و صفات ایزدی کا بلکہ ماہیت انسانی عین حقیقت سجانی ہے بہ سبب مرتبہ امکانی کے فیما بین اُن کے دوری ہوگئی۔ جوممکن جھاڑ ڈالے گرد اِمکان۔ تو جز واجب نہ کچھ ہووے نمایاں۔ نقاب مہنہ پہ میرے یار کے نہیں حافظ۔ (ص ۱۴۲) تو اپنا آپ ہی پردہ ہے بیچ سے اُٹھ جا۔ کلام فضیلت انسان میں دریائے بے پایاں ہے یہاں اسی قدر پر اکتفاء کیا۔ اے جمیلہ خاتون وہ تو اصلی ہے اور ہمارا وجود طفیلی اور وہ مخدوم ہم خادم۔ زہے شرف کہ شریف ہم سے ارادہ وصلت کا کرے اور مخدوم خادم سے قصد قربت کا رکھے۔ القصہ اس آب و تاب کی باتوں سے انسان کے حسد کی آگ جو اُس کے دل میں تھی بجھ گئی۔ تب کہنے لگی اچھا پر اُس بدکار بد اطوار کا ذکر نہ کیجو کہ اپنی بیٹی ہرگز اُسے نہ دونگی اور ایسے خائن کو دامادی میں کبھو نہ لوں گی۔ آخر حسن آرا نے تاج الملوک کی تصویر جمیلہ خاتون کے ہاتھ میں دی اور کہا۔ یہی تصویر شرقستان کے شہزادے کی ہے۔ دیکھ ایسا نقشہ قلم تقدیر نے صفحۂ عالم پر آج تک نہیں کھینچا اور اس پرواز کا چہرہ ورق جہاں پر دوسرا نہیں بنایا۔ بہتر یہہ ہے کہ اس یاسمن گلشن محبوبی کو اُس گل خوبی کے ساتھ ملا اور اس زہرہ فلک حسن کو اس ماہ

برج سعادت کے پہلو بٹھا۔ الغرض وہ چار ناچار راضی ہوئی پر کہنے لگی اے بہنا۔ اُس کو کہاں ڈھونڈوں اور کس تدبیر سے لاؤں۔ (ص۱۴۳) تب حسن آرا نے کہا تم خاطر جمع سے شادی کی تیاری کرو۔ میں اُس کو فلانی تاریخ دولہا بنا کر برأت سمیت یہاں لے آتی ہوں۔ یہہ کہہ کر رخصت ہوئی اور پل مارتے جزیرۂ فردوس میں آن پہنچی اور یہہ ذکر من وعن شہزادے کے آگے کیا پھر وصل دائمی کا بھروسا دیا۔

اُنیسویں داستان تاج الملوک اور بکاولی کے بیاہ کی

باغبان اِس گلستان کا گل اور بلبل کی مواصلت یوں بیان کرتا ہے کہ جمیلہ خاتون نے جو گفتگو کہ حسن آرا میں اور اُس میں ہوئی تھی فیروز شاہ سے جا کر اظہار کی اور تصویر شہزادے کی دکھائی۔ اُس نے سمن رو کے ہاتھ بکاولی پاس بھیج دی کہ یہہ تصویر شرقستان کے شہزادے کی ہے۔ بالفعل اس زمانے میں ایسا جوان حسین کہیں نہیں۔تو کہ آدم زاد کے سودے میں دیوانی ہو رہی ہے اور اپنی جان لطیف ایک خاکی کثیف کے پیچھے کھو رہی ہے تیری مرضی ہو تو اُس کے ساتھ تیرا بیاہ کر دوں۔ میری دانست میں نوع انسان میں ایسا شخص کمتر ہوگا۔ بلکہ پریوں پر بھی حرف ہے۔ وہ خوشی خوشی تصویر لئے ہوئے شہزادی کے پاس آئی اور بادشاہ کی زبانی جتنی حقیقت سنی تھی کہہ سنائی۔ اُس محو جلوہ یار نے اُس کو نگار غور سے دیکھا تو اپنے ورق دل کی صورت کے مطابق۔ بلکہ خط و خال میں بھی سرمو فرق نہ دیکھا۔ تب جی میں سمجھی کہ یہہ کار پردازی اور نیرنگ سازی بوا روح افزاء کی ہے۔ واقعی وہ چھتیسی اپنے قول کی بڑی سچی ہے۔ ندان مسکرا کر سمن کہا دیکھ تو تجھے میرے سر کسوں سمن رو پری سے یہہ اُسی شخص کی تصویر ہے جس کی خزاں غم سے میرا گل نارسیدہ کمھلایا ہے اور غنچہ نومیدہ مرجھایا وہ ملاحظہ کر کے بے اختیار مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور بولی ہاں بادشاہ زادی بیشک یہہ تصویر شہزادے ہی کی ہے۔ اب ہنسو بولو خوشیاں کرو جو تمہارا مطلب تھا سو خدا نے پورا کیا۔ یہہ کہہ کر پھر بادشاہ کے حضور آئی اور یوں عرض کرنے لگی۔ حضرت فرزند ماباپ کے تابع ہیں اُن کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ والدین کی مرضی کے برخلاف کچھ کام نہ کریں اور ہر حال میں اُن کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھیں۔ اگر دیواُن کی پسند پڑے تو بیٹی اُس کو غلمان سمجھے اور جو وے ایک زنگی سیاہ اُس کے واسطے تجویز کریں تو اُس کو ماہ کنعان جانے فیروز شاہ اُس کی گفتگو سے نہایت شاد ہوا اور شادی کی تیاری کا حکم کیا۔ تمام جزیرۂ اِرم کی ہر ایک دوکان کو نقش و نگار تازہ سے آرائش دی۔ اندر باہر نئے نئے فرش بچھ گئے ناچ راگ ہونے لگا۔ چار طرف شادی کا رولا مچ گیا رقعے جا بجا بھجوائے پریوں کے جھنڈ کے جھنڈ

چار طرف سے آئے۔ مجلس نشاط آراستہ ہوئی شراب چلنے لگی۔ تورے جا بجا جانے لگے۔ لوگ ضیافتیں کھانے لگے۔ فیروز شاہ ہر ایک کی خاطر داری و مہمان داری موافق اُس کے رتبے کے خود بھی کرتا تھا بلکہ کتنے اہل کار بھی اس کام پر متعین کئے تھے تا کہ کام بخوبی سرانجام ہو۔ ادھر جزیرۂ فردوس میں مظفر شاہ نے بھی اُس وضع سے تاج الملوک کی شادی کی تیاری و مہمانداری شروع کی۔ پھر روز معین میں وزیروں امیروں کو حکم کیا کہ لباس نئے رنگین پر تکلف پہنیں اور سرداران لشکر کو بھی کہہ دیں کہ معہ فوج آراستہ ہوویں اور محل میں حسن آرا نے بھی مصاحبوں اور خواصوں کو پا ئیں[1] شائستہ آراستہ کیا اور آپ لباس و جواہر من مانا پہنا۔ بعد اُس کے سبھ گھڑی نیک ساعت دیکھ کر شہزادے کو ایک جڑاؤ چوکی پر نہلا کر شہانا جوڑا پہنایا اور جیغہ کلغی سرپیچ مرصع نورتن موتیوں کے مالے سجے باندھے پہنائے۔ ایک سہرا بھی مقشی موتیوں کا جھم جھما تا ساتھ اُس کے ایک پھولوں کا جھلوان گتھا ہوا سر سے اُس کے باندھا۔ پھر ایک پری پیکر گھوڑے پر سوار کیا بعد اُس کے مظفر شاہ کئی بادشاہوں سمیت شہزادے کو بیچ میں لئے اُمرا سردار داہنے بئیں سواروں کے پرے۔ آ ے زنانی سواریاں پیچھے بیاہنے چڑھا اور جزیرۂ ارم کو روانہ ہوا۔ یہاں بکاولی کو عورتیں آراستہ کرنے لگیں۔ ابیات[2]

پرستاروں نے یہہ اُس کو بنایا | کہ اُس کا حسن دونا کر دکھایا
کی اِس انداز سے بالوں میں کنگھی | کہ بکھرا دیکھنے والوں کا وہاں جی
لپٹ اُن کی جو آئی اُس دم یکبار | ہوئی کافور بوئے مشک تاتار
کھجوری گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی | اور اُس کے نیچے اک محبوب سینڈی
کئی لعلوں کے آویزے درخشاں | لگائے اُس میں پنہاں و نمایاں
چمک دیکھیں اگر ان کی سراسر | تصدق ہوں سب بلدا کے اختر
پھر اک شبنم کی انگیا چھپی لال | ہر اک تار اُس کا صد دل کا تھا جال
بنت اُس پر نہایت جھم جھماتی | پنت اسلوب سے دُہری ٹکی تھی
سجی جوں ہیں کلس سی چھاتیوں پر | سما اُس نے دکھایا یہہ تڑک کر
پڑی جس کی نظر اُس پر وہ بولا | شفق میں واہ واہ کیا چاند نکلا

---

[1] پا ئین......نسخہ ب میں موجود نہیں ہے۔ ص۵۳

[2] ابیات......نسخہ ب ص۵۴

پھر اُس پر پہنی ایک ویسی ہی کرتی — کرتا ہووے عیان رنگت بدن کی
شہمائی ڈانک کی ایک بھاری پشواز — پھر اُس نے پہنے باشد نازو انداز
مغرق تاش کا ایک پائجامہ — پہن کر پھر تو اک عالم کو روندا
بھری جب مانگ اُس کی موتیوں سے — ہوئے شرمندہ تارے کہکشاں کے
لگایا اُس کے جوں ماتھے پہ ٹیکا — ہوا غل چاند پر تارا ہے نکلا
بٹھایا کان میں اُس کے وہ جھمکا — کہ مدھم ہوگیا عقد ثریا
پنھا چنپاکلی باندھا جو دُلڑا — بنات النعش کو حیرت میں ڈالا
وہ نتھ کی جھونک مالے کا دمکنا — وہ مہ سے منہ کا گھونگھٹ میں چمکنا
بناتا تھا ہر ایک کو نقش دیوار — جو تھا ذی روح وہاں تھا محو دیدار
سوا اِن کے بہت سا اُس نے گہنا — مناسب جس جگہہ تھا وہاں بھی پہنا
چڑھی مکھڑے پر اُس کے ایسی شیرین — کہ پھیکی پڑگئی یکبار شیرین
نہ گہنے سے بڑھا کچھ حسن اُس کا — ہوئی زیور کو بلکہ اُس سے سوبھا
لباس و زیور و حسن و ادا کا — بیان سارا کروں یہہ کب ہے یارا

القصہ جب برات قریب پہنچی تب فیروز شاہ نے کتنے ارکان دولت استقبال کے لئے بھیجے۔ وے نہایت تعظیم وتکریم سے لے آئے۔ اور جس جگہہ مجلس نشاط کی تھی وہاں ہر ایک کو بڑی آو بھگت سے بٹھایا اور حسن آرا کے ساتھ بھی اُسی سلوک سے جمیلہ خاتون پیش آئی اور سارے طریقے سمندھنوں کے بجالائے۔ غرض پچھلے بہر تلک ناچ راگ کی صحبت رہی بعد اس کے اُس گوہر یکتا کا اُس لعل بے بہا کے ساتھ عقد باندھا مبارک سلامت کا اندر باہر غل پڑ گیا۔ پھر شربت پلانے لگے اور ہار پان دیئے۔ اتنے میں دولہا کو ریت رسم کے واسطے اندر بلایا اور دلہن کو خلوت خانے میں پہنچا دیا اور آپ ہر ایک نے کنارا پکڑا۔ جو جو ٹوٹکے کرتے تھے کئے اور ٹونے بھی ڈومنیوں سے جتنے معمول تھے گوائے۔ پھر دولہا دلہن کو خلوت خانے میں پہنچا دیا اور آپ ہر ایک نے کنارا پکڑا۔[1]

عاشق و معشوق بہم ہوں جہاں — شوق نپٹ جوش میں آوے وہاں
شمع کو پروانہ جو دیکھے کہیں — رہ نہ سکے گر پڑے اُس پر وو نہیں

---

۱ ''نظم''......نسخہ ب ص ۵۵

صبر کرے پھول سے بلبل کہاں — لے ہی لے آغوش میں مانند جان
طوطی جہاں دیکھے ہے آئینے کو — رہ نہیں سکتی ہے بنا گفتگو
دیکھا جوشہزادے نے اُس دم وہاں — اُس گل بے خار کو بے باغبان
لیکے بغل میں لئے بوسے کئی — شوق نے ٹک صبر کی رخصت نہ دی
لے چکا جب پستۂ لب کا مزا — سیب زنخداں کی طرف جھک پڑا
عارض گلرنگ پہ پھر میل کی — اُس کی بھی لی خوب طرح چاشنی
اُٹھی ہوئی چھاتیاں وہ سخت سخت — گیند کے مانند جو پائیں کرخت
رہ نہ سکا ڈال دیا اُن پر ہاتھ — بلکہ بڑھی اُس سے بھی کچھ زیادہ بات
گوہر و الماس ہوئے پھر بہم — لینے لگے دونوں مزے دم بدم

جب خوب جھک گئے ماندے ہوئے پھر ہرایک نے اپنا ساعدسیمین دوسرے کا تکیا بنایا منہ سے منہ ملایا اور سینے سے سینہ لگایا۔غرض اسی ہیئت سے آرام فرمایا۔ جب صبح ہوئی مرغ نے بانگ دی' شہزادے نے اُٹھ کر حمام کی راہ لی اورروح افزاءاُس عشرت گاہ میں آئی بکاولی کودیکھارات کی جاگی رس سلی ملی[1] ولی غافل سوتی ہے۔ بال چھوٹے ہوئے ہیں ہارٹوٹے پڑے ہیں۔ ہونٹھوں پر لاکھا نام کونہیں رہا۔ کاجل آنکھوں کا سارا پھیل گیا۔ گالوں پرنشان دانتوں کےاور چھاتیوں پر ہاتھوں کے پڑے ہیں۔یہہ عالم دیکھ کررہ نہ سکی جلداُس کو جگا دیااور مسکرا کرکہااے بہن اُس روزتو مجھے کہتی تھی کہ تونے دیومکار[2] کے مدرسہ ٔکنار میں شرح لونڈی پڑھی ہے۔

آج تو تیرے اطوار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس رات تو یار کے مکتب آغوش میں اپنے مطلب کی کتابوں کوبخوبی مطالعہ کرکے بڑی علامہ[3] ہوئی ہے۔ دیرتک تونے مصدر ملابستہ کومختلف صیغوں کے ساتھ گردانا اورعشرت کے مزید فعلوں کوالف وصل سے ربط دیا۔نشان فاعل وعلامت مفعول کماینبغی دریافت کی اور مقام تحریر سے اپنے پانو باہر رکھے۔ بلکہ خلوت میں قفیۂ موجبہ ٔمباشرات کوعکس مستوی بنایااوراشکال مختلفہ کی ضروب معینہ سے نتیجہ موافق مطلوب کے پایا۔وصل فصل کا بھی طریقہ لے لیااوراپنے مثلث کے نقطہ پر خط عمود کوقائم

---

1. رس سلی ملی......نسخہ ب ص ۵۵
2. مکارہ......نسخہ ب ۵۵
3. ہورہی ہے......نسخہ ب ص ۵۵

کیا۔ بکاولی یہہ سن کر مسکرائی اور کہنے لگی بوا بھلا تمہارے منہ میں پانی کیوں بھر آتا ہے۔ مجھ کو صاف ان کنایہ آمیز باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا ابھی یہی ارادہ ہے۔ بہت بہتر میں راضی ہوں شوق سے اپنی وصلی اُس مشاق[1] کے آگے رکھو پھر اُس کے قلم کی روانگی اور قوت دیکھو کہ کس کس طرح سے توڑ جوڑ لگاتا ہے اور کیا کیا گل بوٹا بناتا ہے۔ حاصل یہہ ہے کہ باہم اِسی طرح ہنیتاں بولیتاں رہیں۔ آخر روح افزاء اپنے ماباپ سمیت رخصت ہو کر گھر گئی اور تاج الملوک نے بود و باش اپنی وہیں اختیار کی۔

---

[1] ''مشتاق''......نسخہ ب ص ۵۶

بیسویں کہانی رخصت ہونے کی تاج الملوک اور بکاولی کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے اور پہنچنے میں ملک شرقستان کے بیچ

ایک روز تاج الملوک اور بکاولی نے مشورت کر کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے رخصت مانگی۔ انہوں نے کہا بہت بہتر اور ہزاروں غلام قمر طلعت اور سینکڑوں لونڈیاں خوب صورت عنایت کیں۔ اور دان دہیز کے سواء اتنا کچھ نقد وجنس دلواز مہ سفر کا دیا کہ اُس کی تفصیل اگر لکھوں تو یقین ہے کہ ایک کتاب اور تیار ہو جائے اس واسطے قلم انداز کیا۔ القصہ شہزادہ بڑی شان وشوکت وجاہ وحشمت سے بکاولی سمیت اپنے ملک میں پہنچا۔ دلبر اور محمودہ کی جان میں جان آئی کشت اُمید سوکھی ہوئی پھر لہلہائی۔ اُس کا آنا اِن کے حق میں ایسا ہوا جیسے بیمار کے واسطے مسیحا کا۔ لیکن بکاولی کو جو اِس حسن وجمال مال ومنال سے دیکھا دھم ہو گئیں۔ آتے ہوئے ہوش جاتے رہے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ پریزاد نے جو یہہ رنگ ڈھنگ اُن کا دیکھا ہر ایک کو گلے سے لگایا دلا سا دیا۔ اور فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو میں تمہارے عیش میں مطلق خلل انداز نہ ہوں گی بلکہ اپنی خوشی پر تمہاری نشاط کو مقدم جانوں گی۔ چنانچہ ہمہ شیر وشکر کی طرح آپس میں سب کی سب ملی جلی رہیں اور سوتیا واہ کسو کو نہ ہوئی۔ شہزادہ بھی اُن غنچہ دہنوں کے ساتھ شگفتگی سے اوقات کا ٹتا تھا اور دن رات عیش وعشرت میں رہتا۔

اکیسواں قصہ بکاولی کے جانے کا راجا اندر کی سبھا میں اور ناچنا گانا اُس کے حضور اور تفرقہ پڑنا تاج الملوک میں اور اُس میں

اہل ہند کی کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ امر نگر نام ایک شہر ادھر میں بستا ہے وہاں کے باشندے ہمیشہ جیا کرتے ہیں اور راجا اندر وہاں کا راج کرتا ہے۔ دن رات حوروں کے ساتھ عیش و عشرت میں رہتا ہے کام اُس کا یہی ہے اور غذا اُس کی ناچ راگ۔ عالم جنات بھی اُس کے تابع ہے ساری پریاں اُس کی مجلس میں جاتی ہیں اور رات دن ناچتی گاتی ہیں۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ راجا نے فرمایا بکاولی فیروز شاہ کی بیٹی مدت سے ہماری مجلس میں نہیں آتی اس کا سبب کیا ہے اور یہاں کے آنے کا مانع کون ہے۔ پریوں میں سے ایک نے عرض کی کہ وہ ایک انسان کے دام عشق میں گرفتار ہوئی ہے۔ بلبل بے قرار کے مانند نالہ وفریاد کیا کرتی ہے اور مدام اُس کے سودائے عشق میں سرشار رہا کرتی ہے۔ اپنے بیگانے سے اُس کو نفرت ہے فقط اُسی سے صحبت ہے۔ شراب وصل اُس کے ساتھ پیتی ہے اور اُسی کے دم سے جیتی ہے یہہ ماجرا سن کر راجا کا شعلہ غضب اور بھی بھڑکا' کئی پریوں کی طرف اشارہ کیا کہ اُس کو اِسی وقت حاضر کرو۔ وے تخت رواں لے کر دونہیں تاج الملوک کے باغ میں آئیں اور بکاولی کو جگا کر راجا کی اعتراضی وغضبائی کا احوال بیان کیا۔ تب چار و نا چار اُس پر سوار ہو امر گھر میں گئی اور ہانپتی کانپتی راجا کے سامنے آداب بجالائی اور ہاتھ باندھ کر کھڑی رہی۔ مہاراج نے نگاہ قہر سے اُسے دیکھا اور بہت جھڑکا آخر فرمایا کہ اِس کو آگ میں ڈال دو کہ انسان کے بدن کی بو باس اِس میں نہ رہے اور یہاں کی صحبت کے قابل ہووے۔ پریوں نے دونہیں اُس نسترن باغ لطافت کو اور یاسمین چمن نزاکت کو ہاتھوں ہاتھ وہاں سے باہر لا کر آتش کدے میں ڈال دیا جل بل کر راکھ ہوگئی۔

جل گیا عاشق تو کیا غم ہے کہ اُس کی چشم تر   دیکھتی ہے یار کو گلشن میں مانند خلیل

بعد اُس کے پانی پر کچھ منتر سا پڑھ کر اُس پر چھڑ کا فی الفور جی اُٹھی اور ہیئت اصلی پر آ مجلس میں ناچنے لگی۔ پہلی ہی ٹھوکر سے اہل مجلس کے دلوں کو پامال کیا اور ایک ہی آمد و رفت میں تماشائیوں کی جانوں کو روند ڈالا۔غرض ناچنے گانے کا جو حق تھا سوادا کیا مجلس کی مجلس کو محو کر دیا۔ پھر تو واہ واہ کی صدا ہر طرف سے بلند ہوئی۔ تب بکاولی آداب بجالا کر راجہ سے رخصت ہوئی اور اُسی تخت پر بیٹھ اپنے باغ میں آئی۔ بعد اُس کے گلاب کے حوض میں نہا دھو کر شہزادے کے بغل میں سو رہی۔ فجر کو اپنے معمول پر اُٹھی سنگار کیا لوگ بھی اندر باہر کے اپنے اپنے کام دھندے میں لگ گئے۔ القصہ ہر رات وہ غیرت حور امر نگر میں جاتی پہلے تو اپنی کایا آگ میں جلاتی پھر راجا کے حضور میں ناچتی گاتی۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہتی تب رخصت ہو کر اپنے گھر آتی اور گلاب کے حوض میں نہا کر اُس دریائے خوبی سے ہم آغوش ہوتی اور اپنے جی کو ٹھنڈا کرتی۔ نظم[۱]

قبول اُس نے کیا جلنا سدا کا — نہ چھوڑا وصل لیکن دلربا کا
سر یہ اپنے کو وہ ہر شب جلاتی — سدا تن کو وہ خاکستر بناتی
پر عاشق سے نہ کرتی تھی کنارا — فراق اُس کا نہ تھا ہرگز گوارا
جو جل مرنے کو اپنے دل پہ ٹھانے — وہ ہر آتش کدے کو آب جانے
گوارا تن پہ ہووے نار سوزاں — سہا جاتا نہیں پر سوز ہجراں
جسے ہو شمع رویوں کی صحبت — وہی جانے ہے نت جلنے کی لذت

شہزادے کو ہرگز اِس بات کی خبر نہ تھی ایک رات کا ذکر ہے کہ بکاولی تو اپنے معمول پر وہاں اِندر کے آکھاڑے میں گئی تھی یہاں شہزادے کی آنکھ کھل گئی۔ پلنگ پر اُسے نہ دیکھا ہر طرف قصر و باغ میں جا کر ڈھونڈھا کہیں اُس کا کھوج نہ ملا۔ تب نہایت بہ تنگ ہو کر اُسی خلوت کدے میں آن بیٹھا اور یہاں تک راہ تکی کہ آنکھیں پتھرا گئیں آخرش اُسی حالت میں سو گیا۔ بعد اُس کے بکاولی بھی اپنے وقت پر آ کر اُس کے ساتھ سو رہی۔ صبح کو تاج الملوک نے بدستور جو اُس کو اپنے ساتھ سوتے دیکھا زیادہ تر متعجب ہوا لیکن دم نہ مارا اور اس راز کو مطلق نہ کھولا مگر اُس کی تحقیقات کے واسطے دوسری رات اپنی ایک اُنگلی چیر کر نمک چھڑک دیا کہ مبادا آنکھ لگ جائے اور وہ بھید چھپے کا چھپا رہے۔ غرض آدھی رات گئے تخت پھر آ موجود ہوا بکاولی اُٹھ کر بناؤ کرنے لگی اور شہزادہ چھپے چھپے جا کر اُس کا پایا پکڑ بیٹھ رہا۔ اتنے میں وہ بھی آ کر سوار ہوئی۔ اور پریوں نے اُسے ادھر اُڑایا۔ تاج الملوک

[۱] نظم...... نسخہ ب ص ۵۷

اُسی پائے میں لٹک گیا پھر اِس قدر بلند ہوا کہ زمین اُسے نظر آنے سے رہ گئی۔ نداں راجا اندر کے دروازے پر جا اُتارا۔ بکاولی اُتر کر ایک طرف کھڑی ہو رہی اور یہہ بھی الگ ہو کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھنے لگا۔ غرض جس طرف آنکھ پڑتی تھی اُدھر پریوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہی دیکھائی دیتے تھے اور ہر طرف سے آواز قسم قسم کے سازوں کی اور راگوں کی جو تمام عمر نہ سنی تھی متصل چلی آتی ہے۔ حاصل یہہ ہے کہ تاج الملوک نے وہ کچھ دیکھا جو کبھو نہ دیکھا تھا اور وہ سنا جو کبھی نہ سنا تھا۔ بھچک سا رہ گیا۔ اتنے میں کتنی پریاں دوڑیں اور بکاولی کو اُٹھا کر انہوں نے آتش کدے میں ڈال دیا۔ وہ جل کر راکھ ہوگئی۔ وہ اس حادثے کو دیکھ کر سب کچھ بھول گیا بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا اور اپنے جی میں یوں کہے حیف ہے کہ اِس وقت میں پروانے کی مانند بھی طاقت نہیں رکھتا کہ اُس شمع رو کے ساتھ جلتا اور اپنے بدن کو راکھ کر کے اُس سے جا ملتا کیا کروں کچھ بس نہیں نہ قدرت فریاد کی ہے نہ جگہہ داد کی۔ یہہ تو اُسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ اُنہیں میں سے ایک پری نے پانی پر کچھ پڑھ کے اُس کی راکھ پر چھڑکا فی الفور زندہ ہوئی اور راجا کی مجلس میں آئی۔ شہزادہ بھی اُس کے پیچھے لگا ہوا چلا آیا از بسکہ اژدہام تھا کوئی کسی کو پہچانتا نہ تھا۔ کسی نے نہ جانا کہ یہہ کون ہے اور کیوں کھڑا ہے اتفاقاً بکاولی کا پکھاوجی بڈھا ضعیف تھا بسبب ناتوانی کے اچھی طرح بجا نہ سکتا تھا۔ وہ رکی رکی ناچتی تھی اور بار بار تیوری چڑھاتی۔ شہزادہ یہہ حال دیکھ کر بے چین ہوا آخر رہ نہ سکا سازندے کے کان میں جھک کر کہا اگر تیری مرضی ہو تو ایک دو گیتی میں بجاؤں کہ اِس کام میں چالاک دست ہوں۔ اُس نے اسبات کو غنیمت جانا پکھاوج کو وونہیں اُس کے حوالے کیا۔ یہہ تو اُس کام کا بانی کار تھا اور اُس کے دام محبت میں گرفتار۔ موافق اُس کی خواہش کے بجانے لگا۔ پھر تو کیفیت ناچ کی ایسی بڑھی کہ در و دیوار سے واہ واہ کی صدا آنے لگی۔ راجا بھی یہاں تلک محظوظ ہوا کہ اپنے گلے کا نولکھا ہار اُتار کر بکاولی کو عنایت کیا۔ وہ ناچتے ناچتے جو پیچھے ہٹی بہ جنس پکھاوجی کے حوالے کیا۔ بعد اُس کے مجلس راگ رنگ کی برخاست ہوئی۔ شہزادہ جس طرح گیا تھا اُسی طرح اپنے باغ میں آیا۔ بکاولی گلاب کے حوض کی طرف گئی یہہ خواب گاہ میں جا سو رہا۔ لیکن صبح کے وقت مسکراتا اُٹھا۔ پری نے پوچھا کہ غیر عادت مسکرانا کس سبب ہے۔ اُس نے کہا کہ رات کو ایک عجائب خواب دیکھا ہے اِس واسطے ہر گھڑی مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ خدا خوب کرے پر میں بھی تو سنوں کیا دیکھا ہے تاج الملوک بولا یہہ دیکھا ہے کہ آدھی رات کو تو کہیں جاتی ہے اور مجھے خبر نہیں کرتی۔ بکاولی یہہ سن کر ڈری کہ مبادا یہہ بھید اس پر کھلا ہو اور احیاناً یہہ بھی میرے ساتھ وہاں گیا ہو لگ

پڑی کہ کس طرح سارا سنے پھر کہنے لگی اور بھی کچھ دیکھا ہے یا نہیں۔شہزادہ بولا گویا آج کی رات میں تیرے ہمراہ گیا ہوں اس طرح کہ پریاں ایک تخت لائیں تو اس پر سوار ہوئی اور میں پائے سے لٹکتا ہوا چلا گیا۔بس آگے نہیں کہتا کہ خواب کی بات بے سرو پا ہوتی ہے اعتبار نہیں رکھتی خواب خیال ہے بے فائدہ کون بکے بکاولی بولی کہ تجھے میرے سر کی سون جو دیکھا ہے سب کا سب کہہ غرض تاج الملوک تھوڑا سا کہتا پھر چپکا ہو رہتا اور وہ سوگندیں دے دے پوچھتی جاتی۔آخر سارا ماجرا اول سے آخر تک ہو بہو کہہ سنایا اور وہ ہار راجا کا بخشا ہوا تکئے کے تلے سے نکال کر دکھلایا۔تب تو پری نے اپنا ماتھا پیٹ لیا اور سن ہوگئی۔بعد ایک دم کے بولی اے شہزادے یہہ تو نے کیا کیا اپنا دشمن تو آپ بنا۔دیکھ تو میں نے تیرے کارن ماباپ کے ہاتھ سے کیا کیا رنج اُٹھائے اور اپنے بیگانے کے کنائے طعنے ہزاروں سہے یہاں تلک کے ہر رات آگ میں جلنا بھی قبول کیا پر تجھے نہ چھوڑا اور تیری چاہ سے منہ نہ موڑا چنانچہ تو نے اپنی آنکھوں بھی یہہ تماشا دیکھ لیا کچھ کہنے کی حاجت نہیں کاش کے تو اُس مجلس میں نہ جاتا اور اتنی دیر ہر رات میری جدائی کا صدمہ اُٹھاتا تو بہت بہتر تھا کیوں کہ اس کام کا انجام اچھا نہیں اب حیراں ہوں اگر تجھے نہ لیجاؤں تو بنتی نہیں اور جو لیجاؤں تو چھپائے کہاں تلک رکھوں۔خیر جو کچھ تقدیر میں ہے سو ہوگا قسمت کا لکھا امٹ ہے۔پر آج اپنے طالع کو آزماتی ہوں تجھے ساتھ لئے جاتی ہوں اپنے سے کر گذرتی ہوں آگے جو مرضی خدا کی۔چنانچہ موافق معمول کے بروقت تاج الملوک سمیت گئی اور راجا سے بعد سلام مجرے کے عرض کی آج ایک بجانے والا بہت چالاک اپنے ساتھ لائی ہوئی اگر حکم ہو تو یہاں آکر بجاوے۔راجا نے فرمایا کہ بہت اچھا ہماری عین خوشی ہے الغرض وہ بجانے لگا اور وہ نازنین ناچنے لگی آخر یہہ کیفیت ہوئی کہ سبھا کی سبھا کو مورچھا گت آگئی۔راجا بھی اچیت ہوگیا اور اُسی عالم میں فرمایا کہ مانگ جو مانگا چاہتی ہے ابھی پائیگی محروم نہ جائے گی۔یہ سن کر بکاولی نے آداب بجالا کر عرض کی مہاراج کی بدولت لونڈی کو کسی چیز کی کمی نہیں اور کچھ ہوس دل میں باقی نہیں مگر اسی پکھاوجی کو بخشئے کہ یہی آرزو ہے۔سنتے ہی اِس سخن کا راجا برہم ہوا۔اور شہزادے کی طرف غضب سے دیکھ کر بولا اے آدم زاد تو ہی اس کو چاہتا ہے اور یہہ تجھے چاہتی ہے۔بہت اچھا ٹک تو اس کا مزا چکھ اور کچھ تو لذت اُٹھا۔تو چاہتا ہے کہ بکاولی سی پری کو بے محنت مشقت یہاں سے لے جاوے اور اپنی بغل گرم کرے سو ہرگز نہ ہوگا۔پھر بکاولی کی طرف سے منہ پھیر کے کہا اے شتاہ کیا کروں میں تجھ سے بچن ہار چکا ہوں جا اسے تجھ کو ہی بخشا لیکن بارہ برس تلک تیرا نیچے کا دھڑ پتھر کا رہے گا۔یہ

حرف جونہیں اُس سنگ دل کے منہ سے نکلا وو ہیں وہ سیم تن اُسی ہیئت کی ہو کر الوپ ہوگئی۔

نظم[1]

ہیہات ازل سے ہے یہ عالم	شادی و غمی ہوئی ہے تو ام
ٹک باد بہار یہاں بہے ہے	پھر باغ میں بس خزاں رہے ہے
گہہ سر پہ ہو تیرے تاج شاہی	کہ خاک پہ بستر تباہی
گل سے کبھی دل فراغ دیکھے	گہہ دل پہ ہزار داغ دیکھے
یکدم جو نشاط و عیش ہووے	خمیازہ نت اُس کا طیش ہووے

[1] ''نظم''......نسخہ ب ص۵۹

بائیسویں حکایت تاج الملوک کے سراندیپ میں پہنچنے کی اور بکاولی سے ملنے کی اور چتر اوت راجہ کی بیٹی کے عاشق ہونے کی

کہتے ہیں کہ بکاولی تو راجا اندر کے سراپ سے پتھر کی ہو کر وہاں سے غائب ہوگئی اور شہزادہ مانند سیماب کے بے تاب ہو کر لوٹنے لگا۔ تب اُس کو پریوں نے اُٹھا کر نیچے ڈال دیا۔ وہ ایک جنگل میں جا پڑا تین روز تلک تو بے ہوش رہا چوتھے دن جو آنکھ کھلی تو بجائے دلدار پہلو میں خار دیکھے۔ ہر طرف شور و فریاد جا جا کرنے لگا اور بکاولی کی خبر ہر ایک درخت سے پوچھنے لگا ایک دن اُسی طرح ایک سنگ مرمر کے تالاب پر جا پہنچا۔ چاروں طرف اُس کی سیڑھیاں نہایت پاکیزہ و خوب صورت بنی ہوئیں تھیں اور میوے دار درخت بھی بہت سے اُس کے گرد لگے تھے۔ شہزادے نے ایک ساعت وہاں دم لیا بعد اُس کے نہا کر ایک سایہ دار پیڑ کے تلے پڑا رہا اور اپنی محبوبہ کے تصور میں سو گیا۔ ناگاہ کئی پریاں کہ اُس کے احوال سے واقف تھیں وے بھی وہاں آ پہنچیں اور اُسی تالاب میں نہا دھو کر اپنے بال سکھانے لگیں۔ اُن میں سے ایک کی نظر جو شہزادے پر جا پڑی اپنی ساتھیوں سے کہنے لگی بکاولی کا پکھاوجی یہی ہے۔ تاج الملوک کے کان میں یہہ آواز جو نہی پڑی آنکھیں کھول دیں اور پریوں سے با چشم خون بار پوچھا۔ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ بکاولی کہاں ہے۔ اُن کا دل اِس کا حال زار دیکھ کر بھر آیا بولیں آنکھوں سے تو نہیں دیکھا مگر سنا ہے کہ سنگل دیپ میں ایک بتخانے کے بیچ ہے۔ پر نیچے کا دھڑ ناف تک پتھر کا ہو گیا ہے تمام دن اُس مندر کا دروازہ مندا رہتا ہے اور بعد پہر رات کے صبح تلک کھلا۔ شہزادے نے پوچھا کہ وہ ملک کس طرف ہے اور کتنی دور انہوں نے جواب دیا، راہ کی مصیبت تو ایک طرف پر آدمی اگر ساری عمر چلے تب بھی وہاں تک پہنچ نہ سکے۔ تاج الملوک یہہ سن کر مایوس ہوا اور اپنی زندگی سے ہاتھ اُٹھا ٹکریں مارنے لگا اور پتھروں سے سر پھوڑنے پر یوں نے اُس کے حال پر رَحم کھا کر آپس میں مصلحت کی کہ اس آفت رسیدہ کو وہاں

تک پہنچایا چاہئے آگے اُس کی قسمت میں جو ہونا ہے سو ہو رہے گا[1]۔ ندان اُسے لے اُڑیں اور بات کی بات میں وہاں پہنچا دیا۔ بعد ایک لمحے کے اُس مایوس کو جوٹک حواس آئے تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شہر رشک بہشت زمین پر آباد ہے اور عجائب اُس کا سواد ہے۔ رنڈی، مرد وہاں کوئی بدصورت نظر نہیں آتا بلکہ درخت بھی وہاں کے ایسے قد موزوں رکھتے ہیں کہ دیکھنے والے اُن کے نظارے سے بھی ھچک رہتے ہیں۔ آخر یہہ سیر کرتے کرتے بازار کی طرف جانکلا راہ میں ایک برہمن پجاری ملا اُسے پوچھا کہ دیوتا تم کون سے ٹھاکر دوارے کے پجاری ہو۔ پھر تاج الملوک نے پوچھا کہ اس شہر میں کتنے ٹھاکروں کے مندر ہیں۔ جتنے کی معروف مشہور تھے برہمن نے بتادئے۔ پھر یہہ کہا تھوڑے دنوں سے دکھن کی طرف دریا کنارے ایک نیا منڈپ ہوا ہے دن بھر اُس کا دروازہ نہیں کھلتا کوئی نہیں جانتا اُس میں کیا ہے۔ شہزادہ یہہ بات سن کر خوش ہوا اور اُس طرف جا کر دریا کے کنارے دیول کے دروازے پر بیٹھ رہا۔ پہر رات جاتے ہی اُس استھان کے کواڑے یکا یک کھل گئے۔ تاج الملوک اندر گیا دیکھا کہ بکاولی آدھی بہ صورت پتھر کے اور آدھی بہ صورت اصلی دیوار کا تکیا لگائے پانوں پھیلائے بیٹھی ہے۔ اُس کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا تو یہاں کیوں کر آیا۔ اُس نے تمام ماجرا کہہ سنایا پھر ساری رات دونوں باتوں میں مشغول رہے جب صبح ہونے لگی بکاولی نے شہزادے سے کہا۔ اب تو یہاں سے جا اگر آفتاب نکل آوے گا تو میری طرح تو بھی ہو جاوے گا۔ بعد اُس کے ایک موتی اپنے کان سے نکال کر اُس کو دیا کہ بالفعل اسے بیچ کر اپنا اسباب درست کر اور چندے اوقات کاٹ۔ تاج الملوک لے کر شہر میں آیا اور اُسے کئی ہزار روپئے کو بیچ کر ایک حویلی پختہ مول لی۔ اسباب ضروری بھی بنالیا اور کئی خدمت گار نوکر رکھے۔ جب رات ہوتی بکاولی کے پاس جاتا اور صبح کو اپنے مکان میں آتا اس طرح ایک مدت گذر گئی۔ بعضے بعضے اشخاص ہمسائے کہ شہزادے سے آشنا ہو گئے تھے۔ اُس کو سیر شہر کی کروانے لگے۔ ایک روز تاج الملوک انہیں کے ساتھ سیر کو نکلا تھا ایک گروہ سروپا برہنہ حالت تباہ نظر آیا۔ شہزادے نے یاروں سے پوچھا یہ اشخاص اگرچہ لباس فقیری رکھتے ہیں لیکن بصورت امیر معلوم ہوتے ہیں خدا جانے اس کا سبب کیا ہے۔ اُن میں سے ایک بولا اِن میں بعضے تو شہزادے ہیں اور کتنے امیر زادے۔ لیکن سب کے سب جلے ہوئے آتش عشق واشتیاق کے اور بدھے ہوئے ناوک فراق کے ہیں۔ قصہ ان کا یوں ہے کہ راجا چترسین کی ایک بیٹی مہ پارہ بلکہ آسمان خوبی کا ستارہ ہے اُس کی مانند کوئی عورت حسین اِس سرزمین میں نہیں۔

---

[1] سو ہوگا...... نسخہ ب ص ۶۰

نظم[1]

ہے بھرا ناز قدّ موزوں میں	بادہ چھلکے ہے چشم می گوں میں
سینکڑوں کشتے اُس کی ابرو کے	لاکھ بندھوے ہیں تارگیسو کے
زلف اُس کی ہے جس قدر شب گوں	ہے سینہ بخت اتنا ہی مفتوں
امرت اور زہر آنکھ میں اُس کی	پل میں مارے بھی اور جلاوے بھی
ننگ ناموس پہلے کھو دیوے	اُس کے کوچے کی راہ تب لے وے

قصہ مختصر ایک تو وہ پری پیکر آپ ہی قاتل گبر و مسلمان ہے۔ دوسرے اُس کے ساتھ اور بھی دو کافرین غارت گر ایمان ہے۔ ایک تنبولی کی نرملا نام اور دوسری مالی کی چپلا اِسم باسمی ہے۔ غرض تینوں آپس میں پیار اِخلاص دلی رکھتی ہیں۔ سونا بیٹھنا دن رات ایک ہی جا گہہ ہے اور اپنے اپنے بیاہ کی بھی ہر ایک مختار ہے جسے پسند کرے اُسی سے ہو۔ کسی کو اُس میں دخل نہیں۔ لیکن اب تلک کوئی اُن کا منظور نظر نہیں ہوا اور اُن کی آنکھوں میں کوئی نہیں ٹھرا۔ شہزادہ یہہ سن کر چپکا[2] ہو رہا۔ اتفاقاً ایک روز وہ آوارۂ بیابان عشق اُس حور سرشت کے محل تلے جا نکلا۔ تماشائی اُس کے گل رخسارہ کو بلبل وار تکتے تھے اور دیوانوں کے مانند آپس میں کچھ کچھ بکتے تھے۔ اور وہ پری زاد بیٹھی جھروکے میں سے دیکھ رہی تھی۔ شہزادہ اُس سے دوچار ہوا وہیں عشق کا تیر اُس کے کلیجے کے پار ہوا۔ سدھ بدھ کی ڈوری ہاتھ سے چھوٹ گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی[3]۔ نرملا اور چپلا نے دوڑ کر اُٹھایا منہ پر گلاب چھڑ کا عطر سنگھایا۔ تب ایک ذرہ ٹھہری لیکن سکتے کی سی حالت رہی۔ ہر چند انہوں نے احوال پوچھا لیکن اُس نے حیرت کی مہر کو منہ پر جوں کا توں رہنے دیا۔ تب نرملا نے کھڑکی سے نیچے جھانک کر شہزادے کو دیکھا اور چتراوت کی بے تابی کا سبب دریافت کیا۔ پھر تسلی دے کر کہنے لگی۔ اے رانی تیری بے قراری نے ہم کو دیوانہ بنایا اور اضطرابی نے دامن صبر کو چھڑایا۔ اتنی کیوں گھبراتی ہے اور کس واسطے جھٹ پٹاتی ہے۔ تیرے باپ نے بیاہ کی تجویز موقوف تجھ پر ہی رکھی ہے۔ جسے تو پسند کرے گی۔ اُسی سے وہ تیری شادی کر دے گا۔ خاطر جمع رکھ یہہ دیدار و جوان ابلق سوار جس کو دیکھ تیری حالت تغیر ہوئی ہے اگر فرشتہ ہے تو بھی تیرے دام سے جا نہیں سکتا اور

---

۱ ''نظم''

۲ ''چپکا''...... نسخہ ب ص ۶۱

۳ ہو گر پڑی...... نسخہ ب ص ۶۱

کوئی اُس کو چھڑا نہیں سکتا۔ دیکھ تو ایسا ہی جال مارتی ہوں کہ ہل نہ سکے اور ایک قدم آگے نہ بڑھے یہہ کہہ کر اُس نے ایک کٹنی اُس کے احوال کی تحقیقات کے واسطے بھیجی۔ وہ عجب ایک شوخی وطنازی سے آئی اور آتے ہی شہزادے کے گھوڑے کا شکار بند پکڑ کہنے لگی۔ تو نہیں جانتا کہ یہ شہر مقتل غربا ہے اور یہاں عاشقوں کو سولی دینا روا ہے۔ یہاں کے پری رو مرغ زیرک کو بھی ایک تار زلف کی ادا سے پھنسا لیتے ہیں اور ایک نگاہ ناز سے خاک پر گرا دیتے ہیں۔ پس تو کس جرات اور دلیری سے اِدھر اُدھر پھرتا ہے اور بادشاہوں کے محلوں پر دید بازی کرتا ہے۔ مگر تو کیا آتش کا پرکالہ ہے جو شمع رخوں کے دلوں کو پگھلاتا ہے اور سنگدلوں کے کلیجوں کو نرماتا ہے۔ بارے کہہ کدھر سے آیا ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے۔ اپنے حسب ونسب اور وطن سے آگاہ کر[1]۔ تاج الملوک اُس کی باتوں سے تاڑ گیا کہ کسی کی بھیجی ہوئی ہے۔ بولا اے چمک چاندنی بت بنی۔ بہت باتیں مت بنا۔ میرے داغ دل سے روئی کو مت اُٹھا۔ جا اپنے کسی اور مجروح کے زخم پر مرہم لگا۔ سن وطن تو میرا مطلع خورشید سے روشن تر ہے اور نام میرا بادشاہوں کے سر کا افسر جس کی تو بھیجی آئی ہے اُس سے جا کر کہہ مجھ مسافر وحشت زدے کی طرف خیال نہ کرے اور مجھ سے سودائی پر ہرگز اپنا دھیان نہ دھرے۔ بیت[2]

اُس کنے جا جس کو تیرا دھیان ہو　　　ناز کر اُس پر تو جو خواہاں ہو

......مشاطہ جان گئی کہ وطن اس کا شرقستان ہے اور نام تاج الملوک عالی نسب اور والاحسب ہے۔ غرض کلہم احوال دریافت کر چتراوت سے آ بیان کیا۔ پھر تو شہزادہ رنگ برنگ کا لباس بدلتا اور اُس کے زیر جھروکے ہو نکلتا۔ چتراوت اُس کے فرق سے چودھویں رات کے چاند کے مانند گھلنے لگی اور اُس کے درد وغم سے دل ہی دل میں گھٹنے چند روز تو راز چھپا رہا آخرش کھل گیا۔ یہاں تک کہ ماں باپ نے بھی سنا۔ تب راجا نے ایک دلالہ بڑی ہوشیار پختہ کار بلائی اور شہزادے کے پاس بھیجی کہ لڑکی کی نسبت کا پیغام اُس کو دیوے اور اُس کے دل کو ہر طرح سے لبھالیوے القصہ اُس نے جا کر چترسین کا پیغام شہزادے کو دیا اور اُس گل اندام کے حسن کا بیان اُس کے آگے کیا۔ اُس نے تمام وکمال ماجرا[3] سن کر یہہ جواب دیا۔ تو میری طرف سے بعد سلام نیاز کے راجا کی خدمت میں عرض کر یو کہ جو کوئی قبائے شاہی اور تاج شہنشاہی چھوڑ کر رنج سفر کا اور خرقہ فقر کا اختیار کرے اور اپنے

---

[1] مجھے آگاہ کر......نسخہ ب ص ٦٢

[2] ''بیت''......نسخہ ب ص ٦٢

[3] ماجرا......نسخہ ب میں موجود نہیں ہے ص ٦٢

بیگانے سے کنارہ پکڑے اُس کی پابندی کا خیال کرنا فی الحقیقت پانی پر نقش بنانا اور ہوا کو گرہ میں باندھنا ہے۔ یہہ کہا اور اُس کو رخصت کیا۔ دلالہ نے تاج الملوک کے انکار کرنے کی کیفیت راجا سے آ کر عرض کی۔ چترسین اُس کے اغماض کرنے سے متفکر ہوا اور وزیر سے اِس کی مشورت کی۔ اُس نے عرض کی کہ ایک غریب بے خان و مان کو اگر بادشاہ اپنا مطیع کیا چاہے تو بڑی بات نہیں۔ آپ دیکھئے میں اُس کو کس گھاٹ اُتارتا ہوں اور کیا اڑ کھاڑ مارتا ہوں۔ الغرض وہ مکار اس بات کے درپے ہوا کہ شہزادے کو چوری کی تہمت لگائے گنہگار ٹھرائے اور اپنا کام اُس کے ہاتھ سے یوں نکالئے۔ سچ ہے کہ جو کوئی حکیم مطلق کی حکمت گوناگوں کو تامل کی نظر سے دیکھے تو کسی سر کو خالی شر سے نہ پاوے اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے۔ اے عزیز حق تعالیٰ نے عالم ارواح کو بدن سے نسبت دی ہے پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت میں روح سے ہے۔ غرض جو فساد کہ اِس عالم[1] میں ہووے تو اُسی کی طرف سے جان۔ لیکن شرمت سمجھ کہ در پردہ وہ خیر ہے کیوں کہ شر کی وہاں گنجائش نہیں۔ القصہ تاج الملوک کو خرچ کی احتیاج ہوئی چاہا کہ کچھ بکاولی سے مانگے اِس میں وہ سانپ کا من اپنی ران کا رکھا ہوا یاد آیا۔ جراح کو بلوا کر ران چِروائی اور مہرہ نکال کر زخم پر مرہم لگوایا۔ جب چنگا ہوا بازار میں اُسے لے گیا۔ جوہری دیکھ کر حیران ہوئے وزیر کو جا کر خبر کی کہ ایک شخص ایسا جوہر بیچنے لایا ہے کہ ہم نے ساری عمر نہیں دیکھا اور سوائے بادشاہ کے کوئی اس کی قیمت بھی نہیں دے سکتا۔ سنتے ہی وزیر نے کئی جوان اُس کے ساتھ کر دیئے اور اس مشتہر غریب کو ناحق پکڑ وا منگایا۔ دیکھا تو وہی شخص ہے فی الفور اُسے چوری کی تہمت لگا کر قید کیا اور راجا کو یہہ مژدہ دیا کہ جون سا پرندہ دام توڑ کر گیا تھا آج اس فریب میں میں نے اُسے پھر پکڑا اب یقین ہے کہ جو اسے کہے گا سو قبول کرے گا۔

---

[1] عالمِ فساد......نسخہ ب ص ۶۳

تیسواں قصہ بیاہ ہونے میں تاج الملوک کے چتر اوت کے ساتھ اور کھودنے میں اُس دیرے کے جس میں بکاولی تھی

جب شہزادے کو راجا چترسین نے پنڈت خانے میں نہایت تنگ کیا کہ چتر اوت سے شادی قبول کرے لیکن وہ قید کی سختیاں ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا مگر بکاولی کے فراق سے شب و روز بے قرار رہتا اور در و دیوار سے سر مارا کرتا۔ ایک دن وہاں کے داروغہ نے راجا کی خدمت مس ے جا عرض کیا کہ وہ تو گرفتار جو مانند مرغ نیم بسمل کے رات دن خاک پر لوٹتا ہے۔ اگر اُسے جلد آزاد نہ کیجئے گا تو چند روز میں تڑپھ تڑپھ کر مر جائے گا۔ مہاراج نے اُسے تو کچھ جواب نہ دیا لیکن بیٹی کو کہلا بھیجا کہ تو جا کر اپنے جمال کی شمع کا پرتو اُس پر ڈال شاید تجھ پر پروانہ وار پگھل جائے اور متاع غرور اُس کی جل جائے۔ چتر اوت یہہ بات سن کر نہایت شاد ہوئی اور جلد اپنے تئیں آراستہ کر کے حسن مادر زاد کو زیب و زینت سے دونا کر دیا۔ پھر نرملا اور چپلا بھی بن ٹھن کر زہرہ و مشتری کے مانند اُس ماہ رو کے ساتھ ہو لیں۔ غرض تینوں شہزادے کے پاس آ پہنچی۔ ابیات[1]

گئی زندان میں وہ رشک زلیخا
وہاں وہ یوسف ثانی جو دیکھا

برائے زنداں میں وہ لائی تھی جو جو
رکھا فی الفور اُس کے آگے اُن کو

وہ کیا تھے یعنے داندان مثل گوہر
عقیق لب بھی برگ گل سے خوش تر

پھر ایسے ساعد سیمین دکھائے
کہ چاندنی چاند کی جن سے سجائے

رخ گل رنگ کا وہ زر دکھایا
چمک نے جس کی سورج کو جلایا

سنگھائی عطر سی باس اپنے تن کی
مہک شرمندہ کی مشکِ ختن کی

---

[1] ''ابیات''......نسخہ ب ص ۶۴

پھر آنکھوں کے اُسے دکھلائے بادام | عوض عنبر کے زلف عنبریں فام
رکھا سیب ذقن پھر اُس کے آگو | کہ اُس کا بھی مزا چکھے وہ گل رو
ولے رکھے انار سینہ مخفی | اطاعت اتنی کی شرم و حیا کی

مگر شہزادے کی نظر قبول اُن میں سے کسی پر نہ پڑی اور کوئی چیز اُس کی نظروں میں نہ کھبی۔ فی الواقع اگر چترا وت کی آتش باطنی تاثیروار نہوتی تو یہہ تحفۂ ظاہری اُس کے سب کے سب اکارت ہوتے۔ سن اے عزیز ہر گاہ[1] رسول مقبول نے اپنی عبادت کو بادشاہ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا۔ عجز سے کہا کہ عبادت تیری میں نے جیسی چاہے ویسی نہیں کی۔ پھر کس کا منہ ہے کہ اپنی عبادت پر نازاں ہو۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے تئیں اُس کی محبت کی کٹھالی میں یہاں تک گلائے کہ مانند اکسیر کے خاک ہوجائے۔ تا شاہان اکسیر پسند کی نظروں میں سونے سے زیادہ خوب لگے۔ القصہ جب چترا وت نے دیکھا کہ چشم جادو اور تیغ ابرو سے کچھ نہ ہوسکا تب بے طاقت ہوکر شہزادے کے آگے گر پڑی اور تڑپنے لگی۔ یہاں تک کہ شہزادے کے دل کو بھی کچھ صدمہ پہنچا بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کو اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ بلکہ شادی بھی قبول کی کیوں کہ بددن اس کی خاطر داری اور رضامندی کے کسی طرح اپنی رہائی نہ دیکھی اور اُس نرملا نے فی الفور یہہ خوش خبری راجا کو پہنچائی کہ چترا وت گل مراد سے اپنی جھولی بھر گھر میں آئی۔ چترسین نے وہیں شہزادے کو بندی خانے سے نکلوا کر حمام کروایا اور خلعت شاہانہ مرحمت فرمایا۔ پھر ایک مکان دلچسپ رہنے کو دیا اور نیک ساعت دیکھ کر اپنے خاندان کی رسم کے موافق اُس دُرناسفتہ کو اُس لعل گران بہاء کے ساتھ بیاہ دیا۔ بعد اُس کے تاج الملوک چترا وت کے خلوت کدے میں آیا۔ نرملا اور چپلا اپنے عہدے پر آکھڑی ہوئی اور انہوں نے بھی گرمیاں لگاوتیں بہتری کیں۔ لیکن شہزادے نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا سر نیچے کئے رہا۔ جب پہر رات گئی اُٹھ کھڑا ہوا اور بکاولی کے مندر کی طرف چلا۔ اُس نے چندروز سے جو اُس گرفتار دام بلا کو نہ دیکھا تھا تڑپ رہی تھی اور سر وے دے مارتی تھی۔ اتنے میں شہزادہ بھی بے تابانہ جا پہنچا۔ دیکھتے ہی شاد ہوگئی اور سنبھل بیٹھی۔ لیکن ہاتھ پانوں کی مہندی دیکھ کر منہ اُس کا مارے غصے کے لال ہوگیا اور دل کو صدمہ عظیم پہنچا۔ طاقت خموشی کی جاتی رہی پھر یوں کہنے لگی۔ واہ واہ شہزادے اتنے دنوں کے بعد تو آئے پر خوب ہی رنگ لائے۔ عاشقوں کا نام تو نے ڈبایا وفا کو داغ لگایا۔ زنہار عاشقی کا دم اب کبھو نہ بھرنا اور اپنا عشق کسی سے اظہار نہ کرنا۔

---

[1] ''گاہ''......نسخہ میں مٹ گیا ہے ص ۶۴

ابیات:

ارے سنگدل تو نے یہہ کیا کیا
کر انصاف اپنے ہی دل میں ذرا

میرا جسم گلرنگ ہوجائے سنگ
حنا کا ہو پھر تیرے ہاتھوں پہ رنگ

میں پتھر کی ہوکر رہوں یہاں پڑی
کرے عیش وعشرت تو وہاں ہر گھڑی

میرا غنچۂ دل ترا داغ کھائے
کسی اور گل کو تو چھاتی لگائے

غضب ہے کہ معشوق غم سے گلے
شب و روز سوزالم سے جلے

اور عاشق پڑا رنگ رلیاں منائے
وہ ماتم نشین ہو یہہ شادی رچائے

نہ لے نام چاہت کا تو ائے کٹر
پڑیں آہ پتھر تری چاہ پر

اٹھے میرے سینے سے نت غم کی ہوک
کرے چین تو حیف تاج الملوک

یہ رنجش کی باتیں سنی اُس نے جو
لگا بید سا کانپنے ڈر کے وہ

غرض اپنے تئیں پھیر جوں توں سنبھال
پری سے لگا کرنے یوں قیل و قال

گیا ہے ترا کس طرف آج دھیان
خیال ایسے دل میں نہ لا میری جان

اگرچہ ہوں شہزادہ نام دار
ترا ہوں ولے بندۂ جاں نثار

بلاشبہ ہوں مالک تخت و جاہ
یہ تیرا ہوں مملوک ای رشک ماہ

مرا گوشت اور پوست سب ہی تیرا
تیرے ہاتھوں میں تو بدل بک چکا

یہہ جلوے نے تیرے دوانا کیا
سب اپنوں سے مجھ کو بگانا کیا

میرے دل کو جس دن سے بھائی ہے تو
اور آنکھوں میں جب سے سمائی ہے تو

تجھی سے کوئی جی کو بھاتی نہیں
نظر میں بھی کوئی سماتی نہیں

تیرے پانوں سا منہ نہیں چاند کا
تصدق ہوں تجھپر سے سوا چھپرا

بجز تیرے پھر کس پہ اے دلربا
یہہ عاشق تیرا ہوئے گا مبتلا

نہیں جگ میں تجھ سی کوئی دوسری
پڑے آنکھ کس پر بھلا پھر میری

کبھو مجھ سے مت ہو جیئو بدگمان
میں عاشق بدل ہوں تیرا میری جان

اگر تو کہے آگ میں جل مروں ۔۔۔ جو فرمائے جھٹ سے کوئے میں گروں
تعلق کسی اور کے ساتھ ہے ۔۔۔ مرا جینا مرنا تیرے ہاتھ ہے
ولے کیا کروں سخت لاچار تھا ۔۔۔ پڑے قید میں میں گرفتار تھا
مجھے خواہش کدخدائی نہ تھی ۔۔۔ پر اُس کے کئے بن رہائی نہ تھی
نہ کرتا جو اس کام کو مین بھلا ۔۔۔ تو آکر تجھے کس طرح دیکھتا
میں اُس قیدخانے میں مرتا اُدھر ۔۔۔ تو اِسی بت کدے میں تڑپتی اِدھر
پہنچتی نہ میری خبر تجھ تلک ۔۔۔ نہ حالت تیرے درد کی مجھ تلک
فقط اپنا ہین[1] دیکھتا جو ضرر ۔۔۔ تو کرتا نہ یہہ بات ای سیمبر
مجھے اپنا جی اتنا پیارا نہ تھا ۔۔۔ یہ نقصان تیرا گوارا نہ تھا
یقین تھا میرے دل کو اس بات کا ۔۔۔ نہ جیویگی تو بھی جو میں مرگیا
اسی سوچ میں پیچ یہہ پڑگیا ۔۔۔ مجھے ورنہ شادی سے کیا کام تھا
پری نے یہہ سن کر غضب سے کہا ۔۔۔ بھلا جھوٹھ اتنا ہے کیوں بولتا
کوئی بیاہ کرتا ہے مجبور ہو ۔۔۔ ارے میرے آگے سے چل دور ہو
وفا اور محبت تیری دیکھ لی ۔۔۔ یہہ دو دن کی چاہت تری دیکھ لی
تجھے عیش و عشرت مبارک رہے ۔۔۔ مجھے رنج و زحمت مبارک رہے
تجھے مجھ سے اس حال میں کام کیا ۔۔۔ برے وقت کا کون ہے جُز خدا
سنا اُس نے اِس طرح کا جب کلام ۔۔۔ لیا اپنا دل دونوں ہاتھوں سے تھام
دم سرد بھر بھر کے رونے لگا ۔۔۔ وہ دل دادہ[2] جی اپنا کھونے لگا
پری نے جو دیکھا اُسے اشکبار ۔۔۔ لگی آپ بھی رونے بے اختیار
یہہ حالت بہت دیر طاری رہی ۔۔۔ کہ طرفین سے آہ وزاری رہی
پھر آخر کو وہ عاشق بے قرار ۔۔۔ گرا اُس کے پانوں پہ ایک آہ مار
پری بھی تحمل نہ ٹک کر سکی ۔۔۔ اُٹھا اُس کے سر کو گلے لگ گئی

---

۱ ''ہین''......نسخہ ب میں موجود نہیں ہے ص ۶۵

۲ دل داد......نسخہ ب ص ۶۵

کہ میں تجھ سے جی میں نہیں کچھ خفا
یہہ شکوہ زبانی فقط ہے مرا[1]

ہے منظور بس مجھ کو تیری خوشی
خفا ہونے والی میں صدقے ہوئی

کیا تو نے جو تھا وہی مصلحت
میں عورت ہوں آخر میری کیا ہے مت

ہوا تجھ سے جو مجھ کو ہے سب قبول
نہ ہو تو ذرا اپنے دل میں ملول

ہزاروں ہوں گلرو اگر تیرے پاس
تو ہی جان و دل سے و لے میرے پاس

القصہ اِسی وضع کا کلام آپس میں رہا۔ ہر گھڑی اُدھر سے ناز تھا اور اِدھر سے نیاز۔ اُس طرف سے شکایت اس طرف سے معذرت ندان تاج الملوک نے ماجرا اپنے قید پڑنے کا اور چترا وت سے شاری کرنے کا مفصل بیان کیا اور اُس آئینہ رو کے دل سے غبار کدورت کا بالکل کھودیا۔ اتنے میں صبح نمود ہوئی تاج الملوک گھر آیا اور چترا وت کے پلنگ پر جا سو رہا۔ اِسی طرح بلا ناغہ ہر شب بکاولی پاس جاتا اور دن چترا وٹ کے ساتھ نقل وحکایت میں کانٹتا۔ وہ شہزادے کی اس چال ڈھال سے نہایت حیران تھی اور اپنے دل میں یوں کہتی تھی۔ یا الٰہی یہہ طرفہ ماجرا ہے کہ باوجود اس قرب کے میرے دل کی آگ شہزادے کے پنبہ زار کو سلگاتی نہیں اور اُس کے خرمن تحمل کو جلاتی نہیں۔ تعجب ہے کہ بیدل[2] ودلا آرام ایک گھر میں رہیں[3] اور اُن میں تفاوت پورب پچھّم کا سا رہے۔ اے عزیز جب تک تیرے دل کی آنکھیں اغیار کے حسن دیکھتی ہیں تب تک تجھے یار کی صورت دکھائی نہ دے گی۔ ہر چند کے بے پردہ ہو۔ پہلے تو خار رغبت اغیار کو دل کی سرزمین سے اُکھاڑ ڈال پھر گل رخسار یار کو سج میں دیکھ لے۔ اگر تو اپنے گلشن وجود کو نظر تامل دیکھے تو اُس کے رنگ و بو کے سواء کچھ اور نہ پاوے۔ القصہ ایک دن چترا وت نے شہزادے کا گلہ بہت سا اپنے باپ سے کیا اور اُس کی بے التفاتی کا سارا احوال کہا۔ تب راجا نے کتنے جاسوس شہزادے کے پیچھے لگائے تا کہ اُس بات کو جلد تحقیق کریں کہ یہہ تمام رات کہاں رہتا ہے۔ وے اِسی ٹوہ میں تھے کہ یہہ اپنے وقت پر گھر سے نکلا اور اُسی ڈیرے میں گیا رات بھر رہا اور صبح ہوتے پھر محل میں داخل ہوا۔ وو ہیں انہوں نے جا کر راجا سے عرض کیا کہ شہزادہ فلانے دیول میں صبح تک رہتا ہے۔ اُس سیاہ دل نے کئی سنگ تراش چالاک دست اُسی وقت بھیجے کہ اُس کو کھود کر بہا دیویں۔ انہوں نے موجب حکم کے اُس

ا کیا...... نسخہ ب ص ٦٦

۲ بے دل...... نسخہ ب ص ٦٦

۳ گھر میں ہیں...... نسخہ ب ص ٦٦

مندر کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ تاج الملوک اپنی عادت پر جو وہاں گیا تو اُس کا نشان بھی نہ پایا۔ تب دیوانوں کے مانند وہاں کی خاک پر لوٹنے لگا اور یہ رباعیاں پڑھنے لگا۔

رباعی۔[1]

اس سے اب پوچھوں یا میں اُسے پوچھوں
منہ دیکھ رہے ہیں آہ جس سے پوچھوں
افسوس اُدھر کا کوئی آیا نہ اِدھر
اے جان تیری خبر میں کس سے پوچھوں

رباعی۔

دن رات رہے ہے میرے جی کو سامنا
کیا ٹوٹ گئی ہے آہ من کی آسا
کس سے پوچھوں میں آہ کیوں کر ڈھونڈھوں
وہ ملک جہاں تو نے لیا ہے باسا

رباعی۔

اے جان تیرا کھوج اگر پانوں میں
گر[2] پڑکے بھی اپنے تئیں پہنچاؤں میں
کچھ ہو نہیں سکتا ہے گروں کیا اے کاش
پھاٹے جو زمین یہاں کی سما جاؤں میں

آخر ناامید ہو کر داڑھیں مار مار رویا اور پھر آیا۔ چند روز تو اُس کو بےقراری کی شدت اور آہ و زاری کی کثرت رہی جب اُس صنم کے وصل سے بالکل مایوس ہوا۔ رونے کا بھی حاصل کچھ نہ دیکھا۔ تب صبر کا پتھر اپنی چھاتی پر لیا اور چتر اوت کی جادو بھری باتوں پر دھیان کیا۔ ندان نسیم وار اُس کے غنچۂ اُمید کی شگفتگی بخشی اور نیسان وصال سے اُس صدف کو پُر گہر کی۔

---

1. رباعیات......نسخہ ب ص ٦٧
2. مرپڑکے......نسخہ ب ص ٦٧

چوبیسویں داستان بکاولی کے پیدا ہونے کی ایک کسان کے گھر میں اور ملنے میں تاج الملوک کے چتر اوت سے اور پہنچنے کی شرقستان میں

کہتے ہیں کہ اُس بت خانے کی سرزمین کو ایک کسان نے جوتا اور وہاں سرسوں بوئی۔ تاج الملوک کبھی کبھی اُس کی سبزی دیکھنے جاتا اور اپنے دل بے قرار کو وہاں کی سیر سے تسکین دیتا[1]۔ جب وہ پھولی اور اُس نے بہار کی تب شہزادہ دونوں وقت وہاں جانے لگا اور یہہ رباعی پڑھی۔

کیا رنگ تمہارا ہے کہو تو پھولو
آتی ہے مجھے عشق کی اس رنگ سے بو
نکلے ہو زمین سے اِس لئے پوچھوں ہوں
گلشن سے مرے کچھ بھی خبر رکھتے ہو

القصہ وہ کھیت پکا اور کسان نے کاٹ پیٹ کر اُسایا[2] پھر اُس کا تیل نکالا از بس کہ کسانوں کا چلن یہہ ہے کہ جو چیز کھیت میں اُگتی ہے تو اُس کو پہلے آپ کھاتے ہیں اس لئے وہ اُس کی جورو کے کھانے میں آیا۔ باوجود اس کے کہ وہ بانجھ تھی خدا کی قدرت کاملہ سے حاملہ ہوئی اور نو مہینے کے بعد ایک لڑکی پری پیکر جنی۔ کسان کا گھر بن چراغ اندھیرا تھا اُس شمع کے پرتو سے روشن ہوگیا۔ ہر طرف دھوم پڑ گئی کہ ایک بانجھ کے گھر سرسوں کے تیل کی تاثیر سے ایک لڑکی ایسی حسین پیدا ہوئی ہے کہ اُس کے حسن کی تقریر و تحریر کسی سے نہیں ہوسکتی۔ چودہ دن کی ایسی ہے کہ اُس کے منہ کی چمک نے چودھویں رات کے چاند کی جوت پھیکی کردی۔ جب چودہ برس کی ہوگی تب

۱؎ دے لاتا......نسخہ ب ص ٦٧

۲؎ نرایا......نسخہ ب ص ٦٧

سورج کو بھی داغ دیوے گی۔ رفتہ رفتہ یہہ بات تاج الملوک کے بھی کان پڑی۔ جانا کہ یہہ تاثیر اُسی سرسوں کی ہے۔ کسان کو اُس کی بیٹی سمیت بلوا بھیجا۔ جونہیں نظر اُس لڑکی پر پڑی شکل اُس کی مطابق اپنی معشوقہ کی صورت کے پائی۔ نہایت شاد ہوا سمجھا کہ اُسی نے اس کے یہاں جنم لیا ہے۔ بہت سے روپئے اُس کسان کو دے کر رخصت کیا اور کہا کہ اس لڑکی کو بخوبی پرورش کر۔ جب وہ سات برس کی ہوئی تب ہر طرف سے اُس کی شادی کے پیغام کسان کو آنے لگے لیکن وہ اِس اندیشے سے کہ شہزادے نے اِس کی پرورش کے واسطے تاکید شدید کی تھی اب خدا جانے آگے کیا اُسے منظور ہے ایسا نہ ہو کہ میری جان پر آبنے۔ سب کو صاف جواب دیتا اور بہانہ یہہ کرتا کہ جس وقت وہ سیانی ہوگی جسے وہ پسند کرے گی اُسی سے بیاہ دونگا۔ قصہ مختصر جب اُس نے دسویں برس میں پانو رکھا۔ تاج الملوک نے ایک مشاطہ کے ہاتھ اُس دہقانی کے پاس یہہ پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دے۔ یہ سن کے وہ بیچارہ تھر تھر کانپنے لگا اور بولا کہ مجھ غریب عاجز کا یہہ منہ کہاں جو بادشاہ کے داماد کو اپنا داماد کروں۔ اُس کا آخر یہی پھل ملے گا۔ کہ میری بیٹی لونڈی ہو کر رہے گی۔ پس ہزار افسوس کہ ایسی مہا سندر کو راجا کی بیٹی کی چیری بناؤں اور اُس کے آگے اسے گنواؤں یہہ سن کر لڑکی نے کہا سنو بابا میرا نام بکاولی ہے۔ میں پری ہوں تم ایسے اندیشے نہ کرو سب طرح خاطر جمع رکھو کچھ وسواس نہیں۔ کہ گل رنگین کی جگہ آخر سر پر ہے اور در بے بہا کا مکان شاہوں کا افسر ہے۔ تم شہزادے کو کہلا بھیجو کہ چندے اور بھی توقف[1] کر لے۔ کسان بیچارہ چپ ہو رہا۔ مشاطہ نے آ کر سب ماجرا حضور میں عرض کیا۔ تاج الملوک سنتے ہی مارے خوشی کے پھول گیا اور اُس کو بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ جب نحوست کے دن بکاولی کے آخر ہوئے تب سینکڑوں پریاں ہر چہار[2] طرف سے وہاں آئیں اور سمن روپڑی بھی پوشاک پر تکلف و جواہرات بیش قیمت لے کر مع تخت زریں آ حاضر ہوئی۔ بادشاہ زادی نے کپڑے بدلے گہنا پہنا جب بن ٹھن چکی ماباپ سے کہا کہ میں اتنے دنوں تمہارے گھر میں مہمان تھی اب رخصت ہوتی ہوں بعد اُس کے باپ کا ہاتھ پکڑ گھر کے پچھواڑے لے گئی اور اشرفیوں کا ایک ہنڈا کسی زمانے کا گڑا اگڑا ایا بتا دیا کہ اس کو نکال کر اپنے خرچ میں لاؤ پھر رخصت ہوئی اور تخت پر سوار ہو بیٹھی۔ پریاں فی الفور اُس کو اٹھا کر لے اُڑیں اور جس جگہ کہ تاج المموک چتراوت و نرملا و چپلا کو لئے بیٹھا تھا اتریں بکاولی نے سب کو وہیں چھوڑا اور آپ اکیلی اندر جا گھسی اور یکا یک چتراوت کا ہاتھ پکڑ کر بہنوں کی

---

[1] توقف...... نسخہ ب میں نظر نہیں آ رہا ص ٦٨

[2] ہر طرف سے...... نسخہ ب ص ٦٨

طرح پیار سے گلے لگ گئی۔ وہ اِس کی سج دھج دیکھ کر بے حواس ہوئی کہ مسند سے دب کر بیٹھی۔ بعد اُس کے پری نے تمام اپنی سرگزشت شہزادے سے کہی اور اُس کی سنی۔ پھر چترا وت سے کہا کہ اگر شہزادے کی رفاقت منظور ہے تو بسم اللہ اٹھ کھڑی ہو وہ تیرا گھر ہے کچھ اندیشہ نہ کر۔ چترا وت نے کہا کہ میری جان تو شہزادے کے ہاتھ ہے پھر اس جسم خاکی کو کیوں کر میں رکھ سکوں گی بہ دل[1] حاضر ہوں۔ اس وقت بکاولی نے پریوں کو اشارت سے کہا کہ تم ظاہر ہو نقل کرتے ہیں کہ چپا بھر زمین سنگلدیپ کی پھر پریوں سے خالی نہ رہی شہر میں دھوم پڑ گئی۔ لوگ ہڑ بڑا گئے۔ یہاں تک کہ راجا مضطرب ہو کر بیٹی کے محل میں دوڑا آیا۔ دیکھتے ہی اُس کو شہزادا استقبال کے لئے اٹھ کر چند قدم آگے بڑھا اور اپنی مسند پر لا کر بٹھلایا۔ پھر اپنا اور بکاولی کا احوال مفصل کہہ سنایا۔ وہ پہلے تو بہت سا کڑھا پھر نہایت خوش ہوا اور چترا وت کا ہاتھ پکڑ بکاولی کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہہ میری اکلوتی بیٹی ہے اب تیری پرستاری کے واسطے دیتا ہوں۔ توقع یہہ ہے کہ اس پر نظر مہربانی کی رکھیو اور اپنی لونڈی جانیو۔ یہہ کہہ کر رخصت کیا۔ تاج الملوک تخت پر سوار ہوا بکاولی اور چترا وت دہنے بائیں بیٹھیں نرملا اور چپلا ادب سے سامنے۔ بعد اُس کے پریاں تخت کو لے اُڑیں بات کی بات میں تاج الملوک کے محل کی دیوڑھی پر رکھ دیا۔ بکاولی اور چترا وت جونہیں اندر گئیں وونہیں زین الملوک کے وزیر کا بیٹا بہرام نام کہ ملک نگارین و باغ و قصر کا علاقہ اُسی کو تھا نذر لے کر دوڑا آیا اور آداب بجا لا کر اپنا۔ نام و نشان بتایا۔ پھر دولت خانے میں داخل ہوا۔ دلبر اور محمودہ دیکھتے ہی شہزادے کو نہایت شاد ہوئیں۔ پھر بکاولی اور چترا وت سے بھی ہنسی خوشی سے ملیں۔

---

[1] بہ دل...... نسخہ ب ص ۶۸

پچیسواں قصہ تاج الملوک کے نامہ لکھنے میں فیروز شاہ مظفر شاہ اور اپنے باپ کو اور آنے میں اُن کے واسطے ملاقات کے اور روح افزاء پر بہرام وزیر زادے کے عاشق ہونے کا

مصور نگارستان عشق کا اِس قصے کی تصویر صفحہ کاغذ پر یوں کھینچتا ہے کہ تاج الملوک نے فیروز شاہ مظفر شاہ وزین الملوک کو مژدہ اپنے پہنچنے کا لکھ بھیجا۔ پڑھ کر اُس کو ہر ایک کا دل افسردہ تر و تازہ ہوا۔ چنانچہ فیروز شاہ نے مع جمیلہ خاتون بڑی جاہ وحشمت سے شرقستان کی طرف کوچ کیا اور مظفر شاہ حسن آرا اور روح افزاء سمیت اُسی تجمل سے روانہ ہوا۔ زین الملوک بھی خاص محل کو اپنے ہمراہ بڑے کروفر لاؤلشکر سے چلا غرض اندک زمانے میں ملک نگارین اور اُس کی گرد نواح کے بیچ انسان و پریزاد کی ایسی کثرت ہوئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ بارے تاج الملوک اور بکاولی کے دیدار سے سب کے سب مسرور ہوئے۔ اور ہر ایک کے دل سے رنج والم ایک لخت دور ہوئے۔ تین روز تلک جشن رہا ناچ راگ دن رات ہوا کیا۔ چوتھے دن ہر ایک شاد و خرم رخصت ہو کر اپنے اپنے ملک کو روانہ ہوا۔ مگر بکاولی نے روح افزاء کو نہ چھوڑا کہ چندے اور بھی اُس کی صحبت سے حظ زندگانی اُٹھاوے اور ایام جدائی کی سختیاں سب کی سب دل سے بھلاوے۔ عقیق کا دالان اُس کی خواب گاہ کے لئے مقرر کیا۔ وہ پری پیکر اس حور سرشت کے ساتھ پہر رات گئے تلک سرگرم گفت گو رہتی۔ بعد اُس کے خواب گاہ میں آ کر سو جاتی۔ ایک رات کی نقل ہے کہ روح افزاء کی چونٹی سوتے میں کھڑکی کے باہر اتفاقاً جا پڑی تھی اور اُس کے مباف میں ایک گوہر شب چراغ چمک رہا تھا۔ بہرام بھی کہیں اس وقت چاندنی کی سیر کرتا ہوا اُدھر جا نکلا۔ جونہیں نگاہ اُس پر جا پڑی پہلے تو سمجھا کہ کالا اپنا من منہ میں لئے چڑھا جاتا ہے پھر بغور جو دیکھا تو معلوم کیا کہ کسی کی چونٹی میں لعل چمکتا ہے۔ جی میں سوچا کہ شاید بکاولی یہاں سوتی ہو اور اُس کی چونٹی لٹک پڑی ہو لیکن دل

اُس کا تمام رات پیچ وتاب کھاتا رہا آخر رہ نہ سکا صبح کو سمن روپری سے پوچھ بیٹھا کہ فلانے مکان میں کون سوتا ہے۔اس نے کہا کہ وہ روح افزاء کی خواب گاہ ہے۔ سنتے ہی اُس کے عشق کا سودا بہرام کے سر میں پیدا ہوااورا س کی زنجیر محبت میں اس کا دل پھنس گیا۔ چنانچہ دوسرے دن آدھی رات کے وقت کمند مار کے اُس کے مکان میں جا اُترااور دالان کے اندر بے تابانہ چلا گیا کیا دیکھتا کہ وہ رشک زہرہ ایک سونے کے پلنگ پر چت ناز سے سوتی ہے۔ یہہ کیفیت اُس کی دیکھ کر کیفنیوں کے مانند بے خود ہوگیا۔اُس نے تو کبھواس شراب کو چکھا نہ تھا نشہ اُس کا سنبھال نہ سکا بدمستوں کی طرح اُس پری پیکر سے ہم آغوش ہوکر مچھیاں لینے لگا۔ وہیں آنکھ اس کی کھل گئی دیکھا کہ بہرام ہے۔اگر چہ سنگ عشق اس کے اِس کے شیشہ دل کو بھی چور کر چکا تھا لیکن اتنی چالاکی و بیباکی اُس کی طبع نازک کو خوش نہ آئی۔ بہت سا جھنجھلائی۔آخر دو تین طمانچے مار کر ایسا دھکا دیا کہ کھڑکی میں سے نیچے گر پڑااور زارزار روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔صبح ہوتے ہی روح افزاء نے بکاولی سے رخصت مانگی۔اُس نے ہر چند استماجت[1] ومنت کی کہ چندروز اور بھی رہو لیکن روح افزاء نے نہ مانا۔اس واسطے کہ اگر رات کی بات ظاہر ہوگی تو بکاولی مجھے ہنسی میں لیوے گی اور بے طرح چھیڑتے[2] گی۔آخرش نہ ٹھری اور جزیرۂ فردوس کو گئی۔لیکن بہرام کے عشق سے دن کو چین سے ایک جگہ نہ بیٹھتی اور رات کو ایک دم آرام سے نہ سوتی۔ بلکہ اکثر اوقات شمع فانوس کے مانند چھپے چھپے روتی ساعت بساعت سموم غم سے پھول سی مرجھاتی اور اپنی نرگس مخمور میں پل پل آنسو بھر بھر لاتی۔ سچ ہے کہ جو کوئی دیدۂ غور سے ملاحظہ کرے تو عشق کی بے تابی معشوق میں زیادہ دیکھے اور رشتۂ کشش قلب کا بھی اُس کے ہاتھ میں پاوئے۔ یہہ وہ گروہ ہے کہ کسی کے گلے میں عشق کی کمند ڈال کر دور سے اپنے حضور کھینچ لے اور کسی کو فلاخن ہجر سے دور پھینک دے۔

---

1. استماجت......نسخہ ب میں نہیں ص۷۰
2. بہت چھیڑے......نسخہ ب ص۷۰

چھبیسویں کہانی جزیرہ فردوس میں بہرام کے پہنچنے کی سمن رو کی مدد سے اور روح افزاء کے ملنے میں توجہ سے بنفشہ کی

کہتے ہیں کہ بہرام روح افزاء کے فراق سے یہاں تک لٹ گیا کہ دبلا پے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ لیکن اس بات سے سوائے سمن رو کے اور کسی کو اطلاع نہ تھی۔ چنانچہ وہ مدام اُس کو نصیحت کیا کرتی۔ کہ اے بہرام تو اس خیال خام سے درگذر اور اپنے دل سے یہہ اندیشہ فاسد دور کر کیونکہ ناجنس کا شجر محبت سوائے فراق کے کچھ ثمر نہیں دیتا۔ خاک میں ملے ایسی دوستی جس سے ہمیشہ خرابی و اضطرابی جی کو رہے اور آدمی ناحق ایک بے پرواہ کے پیچھے اتنے دکھ درد سہے۔ تو تاج الملوک کی بات پر نجا کہ وہ نادر ہے یہہ اتفاقاً ہو گیا کہ بکاولی کی طبیعت اُس پر آ گئی والا آدمی اور پری میں کیا مناسبت لطیف و کثیف میں ملاپ کی کون سی صورت لیکن بہرام چپکا سنا کرتا کچھ جواب نہ دیتا مگر یہہ بیت پڑھتا۔

بیت[۱]

نصیحت کرتے ہو ناحق تم اتنی　　　نہیں جائے گی زنگی سے سیاہی

جب سمن رو نے دیکھا کہ عشق کا کانٹا بہرام کے جگر میں ایسا چبھا ہے کہ نکلنا اُس کا نپٹ دشوار ہے۔ کہا اے خود فراموش اِس مہم میں مجھ سے تیری کچھ اور مدد تو نہیں ہو سکتی لیکن اگر تو کہے تو میں جزیرۂ فردوس میں تجھے پہنچا دوں، پھر آگے تیری قسمت ہے۔ وہ اس بات پر بھی بخوشی راضی ہوا۔ تب سمن رو نے اُس کو زنانے کپڑے اور گہنا جتنا کہ مناسب تھا پہنایا۔ بہرام مرد تھا ہو بہو ایک رنڈی پری پیکر بن کر اُڑ چلا۔ پھر اُس کا ہاتھ پکڑ جزیرۂ فردوس کو لے اُڑی اور اپنی منہ بولی بہن کے گھر میں کہ نام اُس کا بنفشہ تھا اور وہی مشاطہ روح افزاء کی تھی آ

---

[۱] ''بیت''......نسخہ ب ص۷۱

اُتری۔ وہ سمن رو کے آنے سے نہایت مسرور ہوئی اور پوچھنے لگی کہ یہہ نوجوان لڑکی تمہارے ساتھ کون ہے۔ اُس نے کہا کہ یہہ بھی میری دینی بہن ہے۔ اس کا جی اس سرزمین کی سیر کو بہت چاہتا تھا۔ اس واسطے میں تمہارے پاس لائی ہوں اسے خوب طرح سیر کرواؤ۔ اُس نے کہا بہت اچھا سر کے زور آنکھوں سے۔ پھر سمن روتو رخصت ہوکر بکاولی کے پاس آئی۔ اور بہرام بنفشہ کے گھر میں رہا۔ وہ اس کو دنیا کی نعمتیں کھلاتی اور شفقت و مہربانی سے دن کو ہر ایک باغ میں لے جاتی جابجا تماشا دکھاتی شام کے وقت گھر آتی پھر اپنی مشاطگی کا اسباب لے کر روح افزاء کی خدمت میں جا حاضر ہوتی۔ اسی طرح چند روز گذرے۔ ایک روز بنفشہ کہیں گئی تھی۔ بہرام نے جو گھر خالی پایا اُس کی مشاطگی کے اسباب میں سے آئینہ نکال کر اُس کی پشت پر یہہ ریختہ لکھا اور جہاں کا تہاں دھر دیا۔

ریختہ[1]

روشن نہ تھا یہہ کچھ رخ بنکوے آئینہ	چمکا ہی تیرے عکس سے کیا روئے آئینہ
مشاطہ آئینے کو ترے آگے باادب	بٹھلا ہی دیوے کھینچ کے زانوے آئینہ
غیرت یہہ کہتی ہے کہ اسے چور ہی کروں	کیوں دیکھا تو نے جان مری سوئے آئینہ
سن مکھ جو تیرے ہووے کسی اور طور سے	نظروں سے گر پڑے رخ دل جو سے آئینہ
آئینہ ایک دم نہ ٹھرتا ترے حضور	پکڑا ہے تیرے عکس ہی نے روئے آئینہ

الغرض بنفشہ اپنے وقت پر مقابا اور سنگاردانی لے کر روح افزاء کے پاس جا حاضر ہوئی پھر کنگھی چوٹی کر کے آئینہ جو اُس کے ہاتھ میں دیا شہزادی کی نظر اُس کی پشت کے اوپر جا پڑی نوشتہ دیکھا اور دل میں اُس کو پڑھ کر معلوم کیا کہ ہر چند راقم اُس کا سوائے بہرام کے اور کوئی نہیں لیکن اِس بات کو اِس طرح دریافت کیجئے تاکہ اُس کے آنے کا یقین ہو جائے اور دغدغہ دل میں نہ رہے۔ مشاطہ سے یوں مخاطب ہوئی کہ ای بنفشہ جو چیز ہمیشہ ہے وہ کیا ہے اور وہ شیئے جو مدام غم کے ساتھ ہے کون سی ہے۔ اُس نے ہر چند غور کی لیکن جواب معقول نہ سوجھا تب عرض کی کہ اس کا جواب لونڈی کل دیویگی اِس وقت معاف کیجئے۔ یہہ کہہ کر گھر آئی پھر اُس پہلی کے بوجھنے میں نہایت متفکر و متردد تھی۔ اُس کی گھبرائی صورت دیکھ کر بہرام نے پوچھا۔ بوا آج اتنی بے حواس کیوں ہو۔ تب بنفشہ نے سوال روح افزاء کا اُس کے روبرو بیان کیا اور کہا کہ مجھ کو اُس کے جواب میں سوائے اِس کے

---

[1] ریختہ...... نسخہ ب ص ۷۱

کچھ نہیں سوجھتا ہے۔

یعنے اُس حکیم مطلق کی حکمت رنگا رنگ کو دوام ہے اور شادی وغمی سے وہی وابستہ مدام ہے۔ بہرام نے سن کر کہا کہ اس سوال کا یہہ جواب ہرگز نہیں۔ بلکہ یوں ہے کہ جس عاشق کے منہ پر معشوق کے ہاتھ کے طمانچے لگے ہیں وہ ہمیشہ سرخ رو ہے اور سدا ز ہرنا خوشی سے تلخ کام وہ ہے کہ جس کا مطلوب محبوب ہے اور وہ ہر ایک کو اپنا محبوب سمجھتا ہے۔نقل مشہور ہے کہ کسی نے مجنون سے پوچھا کہ خلافت بعد پیغمبر صلی علیہ اللہ وسلم کے خلفائے راشدین میں سے حق کس کا تھا۔اُس نے جواب دیا کہ لیلیٰ کا۔

القصہ بنفشہ نے اُسی کا جواب دیا صبح کو روح افزاء کے حضور جا کر تقریر کیا۔ سنتے ہی اُس کو بہرام کے آنے کا یقین ہوا اور بنفشہ سے پوچھنے لگی کہ سچ کہو یہہ جواب کس نے دیا۔اُس نے ہر چند کہا کہ رات کو میرے ہی خیال میں گذرا تھا۔لیکن پری نے ہرگز نہ مانا۔تب بنفشہ نے مجبور ہو کر کہا کہ سمن روپڑی اپنی منہ بولی بہن کو اس سرزمین کی سیر کے واسطے میرے گھر چھوڑ گئی ہے' اُسی نے یہہ جواب مجھ کو سکھایا ہے۔روح افزاء نے کہا تو اُس کو ہمارے یہاں کبھو نہ لائی بھلا آج تو ساتھ لیتی آئیو ایک ذرہ ہم بھی دیکھیں۔اُس نے کہا بہت اچھا اُس کی میری دونوں کی سعادت ہے۔چنانچہ شام کے وقت اُسے پہنا اُڑھا کر اپنے ہمراہ لے گئی۔

روح افزاء نے دیکھتے ہی پہنچان لیا کہ بہرام ہے لیکن اغماض کیا اور کچھ متوجہ نہوئی وہ سمجھا کہ اُس نے ہنوز مجھے نہیں پہنچانا شاید آئینے کی پشت نہیں دیکھی اور میرا لکھا ملاحظہ نہیں کیا۔

قصہ کوتاہ جب بنفشہ چونٹی گوندھ چکی شہزادی نے آئینہ مانگا۔ بہرام نے جلدی سے اُٹھا کر پشت کی طرف سے اُسے دکھا دیا۔وہ غنچہ دہن بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بنفشہ سے کہنے لگی کہ تمہاری بہن نپٹ کوڑھی[1] ہے کہ اب تک آرسی کی پشت ورد نہیں جانتی۔آج کی رات اسے یہیں چھوڑ جاؤ۔ہم اس کے ساتھ ہنسیں بولیں چل کریں۔اُس نے عرض کیا میری عین خوشی ہے اور اس کی سراسر سرفرازی یہہ کہہ کر وہ اپنے گھر آئی اور بہرام اپنی دلارام کے خلوت خانہ میں رہا۔داناؤں پر ظاہر ہو کہ اگر بہرام زنا لباس نہ پہنتا تو ہرگز اپنی معشوقہ سے اتنا جلد نہ ملتا اور اپنے مطلب کو نہ پہنچتا۔فی الواقع جو عاشق کہ معشوق کا رنگ پکڑتا ہے معشوق اُس کا خود عاشق ہو جاتا ہے۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسی وضع کا کلام فرمایا ہے۔ حاصل اُس کا یہہ ہے کہ خصایل خدا کی پیروی کرو تا قرب اُسے حاصل ہووے۔جب امور عالم کے انتظام دینے والوں نے نقاب ظلمائی سے چہرۂ روز

---

[1] ''کورہی''......نسخہ ب ص ۴۷

کو چھپایا اور چادر مہتاب کا فرش نورانی سطح زمین پر بچھایا۔ روح افزاء پریوں کی مجلس سے اُٹھ کر خلوت سرا میں آئی اور بہرام کو اکیلا لے بیٹھی اور آشنا صورت سے اجنبیوں کی طرح سر رشتہ سخن کا یوں نکالا۔ کہو بی بی تمہارا کیا نام ہے۔ اُس نے کہا کو چہ ننگ و نام تو مجھ سے کب کا چھوٹ چکا ہے۔ سوائے تیرے نام کے کچھ یاد نہیں پری نے پھر پوچھا کہ یہاں کس واسطے آئے ہو جواب دیا کہ پروانے کے آنے کا سبب شمع پر یہ خوبی روشن ہے۔ اُس سے پوچھا چاہیئے۔ روح افزاء بہرام کی میٹھی میٹھی باتوں سے دل میں تو بہت محظوظ ہوئی لیکن ظاہر میں ترش ہو کر بولی۔ اے مکر ہائے عیارے تیری باتوں سے میں نے پہچانا کہ تو رنڈی نہیں بلکہ مرد ہے۔ یہہ بھگل نکال کر تو یہاں درآمد ہوا اور میری ناموس کو برباد دیا۔ دیکھ تو اس دلیری کی کیسی سزا دیتی ہوں اور اس ڈھٹھائی کا بدلا کیا لیتی ہوں۔ وہ ناکردہ کار نیش ونوش کے رنج وحلاوت سے واقف نہ تھا۔ ناز و نیاز کے بھید اُس پر کھلے نہ تھے۔ علاوہ اس کے طمانچوں کا صدمہ آگے اُٹھا ہی چکا تھا وے نازکی باتیں سچی سمجھا۔ یقین ہوا کہ اب پھر مار کھاؤنگا اور نکالا جاؤنگا مارے ڈر کے تھر تھر کانپنے لگا اور اس بیت کو پڑھ کر بے حواس ہو گیا۔

بیت[1]

کر قتل پھر آ کہ تیرے آگے مرنا　　　　بہتر نہ کہ دور زندگانی کرنا

تب تو پریزاد سہم گئی کہ مبادا اِس ڈر سے اِس کی جان پر آ جائے اور جفا کاروں میں میرا نام لکھا جائے۔ ندان بے اختیار دوڑ پڑی اور اُس کا سر زانو پر رکھ کے رخ گلفام کی پاس یہاں تک سنگھائی کہ اُس کو پھر ہوش میں لائی۔ اے عزیز اگر تو اپنے نور عقل کو جگنوں سے زیادہ نہ چمکائے گا تو تجلی یار سے فائدہ نہ پائے گا۔ اگر تو نے یہہ ہستی موہوم نہ چھوڑی تو حیات ابدی کب تیرے ہاتھ لگے اور جو راہ عشق میں آپ سے نگذرا تو پھر منزل مقصود میں کب پہنچا۔ القصہ بہرام نے جو آنکھ کھولی تو اپنا مرتبہ برنگ گل دیکھا اور مجبوبہ کا بسان بلبل۔ مارے خوشی کے بھول گیا اور اگلی پچھلی باتیں بھول گیا۔ پھر تو بے کھٹکے اپنے ہونٹھ (کہ رشک گل برگ تر تھے)[2] اُس کے دہن سے (کہ غیرت غنچۂ یاسمن تھا)[3] ملائے اور خوب ہی مزے اُڑائے۔ ازبسکہ وہ گل پیراہن بھی اشتیاق میں بھری ہوئی تھی اپنے تئیں روک نہ سکی گھ ہی گئی۔ آخر نسیم نے کلی کو پھول بنایا اور آپس میں نئی نئی طرح سے لطف اُٹھایا۔ پھر تو

---

[1] ''بیت''، نسخہ ب ص ۷۳

[2] (　　　)......نسخہ ب ص ۷۳

[3] ایضاً

روح افزاء کا یہہ جی لگا کہ ایک ساعت بھی جدا رہنا اُسے دشوار ہوا۔ پھر یہہ ارادہ کیا کہ اِس کو حرز جان کی طرح گلے سے لگائے رکھے ہر دشمنوں کی نظروں سے چھپائے رکھے۔ آخر ایک طلسم اُسکے گلے میں باندھا اور قمری بنا کر ایک سونے کے پنجرے میں رکھا دن بھر تو وہ سرو گل اندام اسکو اپنے روبرو لٹکائے رکھتی اور رات کو پنجرے سے نکال پھر آدمی بناتی اور صبح تلک اُس کی صحبت سے انواع واقسام کی کیفیتیں اُٹھاتی۔ چندمدت اِسی طرح گذر گئی اور یہہ بات چھپی رہی۔ آخر عشق ومشک بن ظاہر ہوئے نہیں رہتا کچھ بو باس یہاں کی حسن آرا تک پہنچی۔ ایک دن نور کے تڑکے اُسی کی سن گن لینے اناچت روح افزاء کے پاس آنکلی دیکھا کہ اُس کی زلف مشکین کا طور بے طور ہے اور سیب زنخدان کا رنگ ہی اور ہے۔ نسترن رخسار کی رنگت گل کی سی دیکھی اور نرگس نیم خواب کی کیفیت گل کی سی[1]۔ پشواز کی چولی کی حالت اور طرح کی پائی اور انگیا کی صورت کچھ اور ہی نظر آئی۔ تب جی میں سمجھی کہ اس کا یاقوت کسی کے الماس سے مقرر کندہ ہوا اور جھوکا نسیم کا بلاشبہ اس کے غنچے کو لگا۔ دڑ کر غصے سے ایک دو ہتھڑ پیٹھ میں ماری اور کہنے لگی۔ ارے علامہ آفت کا ٹکڑا کل کھویا نام ڈبویا کیا غضب تو نے کیا۔ کوار پنے میں کس سے آنکھ لگائی تجھے غیر مرد سے کچھ لاج نہ آئی۔ حیف تیری زیست پر چپنے بھر پانی میں ڈوب مر۔ تیری رسوائی کا دمامہ بج گیا تو نے تو باپ کا نام خراب کیا۔ سچ بتا کہ یہہ کیا ماجرا ہے نہیں تو تیرا گلا گھونٹ ڈالونگی اور جیتا نہ رکھوں گی۔ روح افزاء مارے ڈر کے تھرا اٹھی اور یوں کہنے لگی۔ اما مجھے تمہارے سر کی اور باوا جان کے قدموں کی قسم ہے جو میں نے کسی مرد کو دور سے بھی دیکھا ہوں تو ان آنکھوں ہی کے آگے آوئے جو جھوٹھ کہتی ہوں۔ یہہ تیری تہمت ہے اور صاف بندش۔ تم کیسی ماں ہو کہ بیٹی کو عیب لگاتی ہو اور لوگوں کے کہنے سننے پر جاتی ہو۔ غرض ان نے ہر چند سخت سخت قسمیں کھائیں اور بہتری باتیں بنائیں پر اُس نے ہرگز باور نہ کیا۔ در پے ہوئی کہ جس چور نے اِس گھر میں کونبھل دی ہے اُسے پکڑا چاہئے اور سزاء کو اچھی طرح پہنچائیے۔ ہزاروں جاسوسوں اور عیاروں نے زمین و آسمان تک ڈھونڈھ مارا لیکن گھر کے پنجرے کا بھید کسی پر نہ کھلا۔ اے عزیز تو عرش پر کسی کے ڈھونڈھنے کا ارادہ رکھتا ہے جو تیرے خانۂ دل میں ہے اُس کی تو تجھے کچھ خبر ہی نہیں۔ واہ واہ دور کا دھیان اور نزدیک سے انجان[2]۔

بیت[3]

کون ہے گھر میں نہیں اِتنی بھی تجکو خبر — پھر تو کیا جانے کیا ہیگا فلک کے اوج پر

۱ گل کی سی دیکھی......نسخہ ب ص ۷۳

۲ نزدیک اُسے نہ جانا......نسخہ ب ص ۷۴

۳ ''بیت''......نسخہ ب ص ۷۴

القصہ حسن آرا نے مجبور ہو کر روح افزاء کی خواصوں کو بہت سا دھمکایا اور مظفر شاہ کے غضب سے ڈرایا۔ تب ایک خواص کہ نام اُس کا گلرخ تھا نزدیک اُس کے آ کر یوں کہنے لگی۔ اس خلوت سرا کا بھید ہم پر کیوں کر کھلے۔ نہ وہاں تک گذارا نہ دیدۂ باطن بینا۔

فرد[1]

اُس کے منہ کے دیکھنے کو دیدۂ دل چاہئے　　　چشم ظاہر بین ہماری دید کر سکتی ہے کب

لیکن ان دنوں ہماری صاحب زادی صبح و شام اُس قمری سے مشغول رہتی ہے اور اُس کے پنجرے کو ایک دم آنکھ سے اوجھل نہیں رکھتی۔ ظاہر میں تو یہہ پرندہ اتنی لیاقت نہیں رکھتا باطن سے ہم کو آ گاہی نہیں۔ بس اپنا طائر قیاس آگے اُڑ نہیں سکتا مگر ملکہ اڑتی چڑیا پہچانتی ہیں اِس کی کنہہ سمجھ لیویں۔ اے نادان انسان کہ بہ سبب علاقہ روح سبزہ زار دنیا کی سیر کو آیا ہے جب تک یہہ مربع طلسم عناصر اُس کے گلے پڑا ہے اور قفس وجود میں طوق بندگی اُس کا گلو گیر ہے۔ چشم ظاہر میں سوائے مشت خاک کے کچھ نہیں دیکھتی۔ جس دن یہہ طلسم ٹوٹ گیا کیفیت اُس کی کھل جائے گی کہ وہ کون ہے اور یہہ نیرنگ کیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ جب لوگ مریں گے اپنے احوال سے آگاہ ہوویں گے۔ وجود مطلق ایک دریا ہے اور پھر موجود مثل حباب جب بلبلے سے باؤ نکل گئی سوائے دریا کے کچھ نہیں بس تامل سے دیکھ کہ اصل ہستی حباب کی عین ہستی دریا کی ہے لیکن فرق مرتبے کا البتہ ہے۔ حباب کو کوئی دریا نہ کہے گا اور نہ دریا کو حباب۔ کعبے کو قبلہ کہتے ہیں اور بت خانے کو کنشت جہنم کو دوزخ اور جنت کو بہشت۔

فرد[2]

ہے حکم وجود اور ہی ہر مرتبے کے بیچ　　　زندیق ہے جو حفظ مراتب کرے نہ تو

واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسائل ہے بہترے اس بحر عمیق میں گر کے مذہب جبری کے بھنور میں جا پڑے اور اکثر مسلک دہری کے گرداب میں ڈوبے۔ ہادی یہاں فضل الٰہی اور کرم رسالت پناہی کے سواء کوئی نہیں۔ قصہ کوتا حسن آرا نے روح افزاء کی نشست گاہ میں جا کر پنجرے کو اُتار لیا اور ارادہ جانے کا کیا۔ روح افزاء اس کو شاہین کے چنگل میں دیکھ کر کلیجہ پکڑ کر رہ گئی۔ منہ سے تو مارے لحاظ کے بول نہ سکی پر طائر روح اُس کا

---

[1] ''فرد''......نسخہ ب ص۴۷

[2] ایضاً

قفس تن میں پھڑکنے لگا۔ ہر چند تڑپا لیکن صیاد قضا و قدر کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ سچ ہے کہ آدمی اِس امر میں بہت ناچار ہے ہر چند کہ ایسی حالت میں اُس کو جینا ناگوار ہے۔ پر بن آئے مر نہیں سکتا۔ ندان اُس بے پر کو وہ پری لے اُڑی اور مظفر شاہ کے روبرو اُس کا پنجرا لا کر رکھ دیا۔ شاہ نے نکال کر اُس کو بال و پر تمام ٹٹولے آخر گلے پر جو ہاتھ جا پڑا تو ایک تعویذ بندھا نظر آیا۔ جونہیں اُسے کھولا بہرام آدمی ہو گیا۔ حاضرین مجلس سخت متعجب ہوئے۔ بادشاہ آتش غیرت سے بھن کر کباب ہو گیا اور کہنے لگا۔ اے بدذات ناپکار تو غضب سلطانی سے نہ ڈرا اور اپنے جی میں کچھ نہ سوچا۔ سچ کہہ اس دریا میں تجھے کون لایا اور بادشاہوں کے محلوں میں کس نے پہنچایا۔ اس ڈھٹھائی اور بے پروائی کا ثمرہ تو بہ جز ہلاکت کے نپاوے گا[1] اور اس کی سزاء میں اپنی جان سے جاوے گا۔ بہرام بولا کہ عاشقوں کا رہنما جذبہ اشتیاق ہے اور انہیں کے سزوار تکلیف مالا یطاق عشق کی زنجیر وہ نہیں کہ کوئی آپ سے پانوں میں ڈالے اور بااختیار خود گرفتار ہووئے۔ عاشقوں نے رشتہ رشتہ اختیار سے توڑا ہے اور بے اختیاری سے جوڑا ہے۔ جس نے زندگی سے ہاتھ دھوئے اُسے موت سے کیا خطرہ ہے اور جان کی کیا پرواہ ہے۔ مگر حسرت دیدار میرے جی میں رہے گی اور آنکھوں سے سیل خون گور میں بھی بہے گی۔

شعر[2]

موت سے ہرگز نہیں ڈرتا نہ کچھ غم ہے ولے   گل رخوں کی دید سے محروم میں رہ جاؤنگا

آخر مظفر شاہ کا شعلہ غضب ایسا بھڑکا کہ لوگوں سے فرمایا اِس آتش کے پرکالے کو جلد شہر سے دور لے جا کر آگ میں ڈال دو اور جلا کر خاک سیاہ کر دو۔ اتفاقاً تاج الملوک اور بکاولی گلستان اِرم کی سیر کو آتے تھے۔ جس مقام سے کہ جزیرۂ فردوس نزدیک رہ جاتا ہے وہاں پہنچے۔ جی میں آیا کہ چلو روح افزاء کو بھی دیکھتے چلیں اور ایک دو دن یہاں کی بھی سیر کر لیں۔

القصہ جزیرۂ فردوس کی طرف پھر پڑے اور وہاں آ نکلے جہاں لکڑیوں کا انبار لگا تھا اور بہرام اُس میں بیٹھا تھا۔ بلکہ چار طرف سے آگ بھی دے چکے تھے۔ جونہیں بکاولی نے لوگوں کی بہت بھیڑ دیکھی اور آگ بھڑکی ہوئی اُسے نظر پڑی۔ تخت اپنا قریب لے کر پوچھنے لگی کہ یہہ کیا ہنگامہ ہے۔

اور کیا رولا۔ کوئی بول اُٹھا روح افزاء کے عاشق کو جلاتے ہیں۔ سنتے ہی اس بات کے جلد تخت سے اُتر

---

1. ''نہ پاوئے گا''......نسخہ ب ص ۷۵
2. ''شعر''......نسخہ ب ص ۷۵

آگے بڑھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ بہرام ہے۔ فی الفور پکار اُٹھی ارے جلد اس آگ کو بجھاؤ اور اس جوان کو نکالو۔ اگر اس کا ایک رواں جلا تو سینکڑوں کے سر جلاؤں گی بلکہ اُن کا گھر کا گھر خاک میں ملاؤں گی۔ لوگ یہہ سنکر ڈر گئے ''نہیں آگ کو بجھا دیا اور بہرام کو نکال شہزادی کے حوالے کیا۔ وہ اس کو ہمراہ لے ایک باغ میں آ اُتری پھر تاج الملوک کو اور اُسے وہیں چھوڑ آپ مظفر شاہ اور حسن آرا کے پاس آئی۔ جھک کر سلام کیا۔ انہوں نے سر اس کا چھاتی سے لگایا خیر و عافیت پوچھی اور آنے کی حقیقت۔ بولی کہ میرا بے اختیار آپ کے اور چچی کے دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ سوائے اس کے سب خیریت ہے۔ لیکن راہ میں عجب ماجرا دیکھا کہ میرے سسرے کے وزیرزادے کو لوگ جلایا چاہتے تھے اگر میرے آنے میں ایک دم کا اور وقفہ ہوتا تو وہ جل کر راکھ ہو جاتا اور ماباپ کو دنیا سے کھو جاتا۔ اگرچہ مرنا سب کا برا ہے خصوصاً ایسے جوان شکیل کا فی الواقع تقصیر بھی اُس سے ایسی ہی ہوئی تھی لیکن اس طرح کی سزاء اب فائدہ نہیں رکھتی جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا۔ میں نے فرض کیا کہ اُسے آپنے مارا لیکن کلنک کا ٹیکہ تو نہ مٹے گا۔ اب سو جانتے ہیں تب ہزار جان جائینگے۔ اس سے بہتر یہہ ہے کہ اس کی تقصیر معاف کیجئے اور روح افزاء کو اُسی کے ساتھ بیاہ دیجئے۔ کیوں کہ بہرام نہایت طرحدار اور قابل ہے کچھ اُس میں میکھ نہیں۔ وزیر بادشاہ میں ناتا رشتہ ہوتا آیا ہے کیا مضائقہ ہے اور جو انسان کو آپ حقیر جانتے ہیں تو پھر مجھ کو کیوں تاج الملوک سے بیاہا۔ بیٹی اور بھتیجی میں کیا فرق ہے جیسی میں ویسی وہ۔ مظفر شاہ نے یے باتیں سن کر سر نیچا کر لیا اور کہا بہت بہتر تم اِس کی مختار ہو۔ پھر وہاں سے روح افزاء کے پاس آئی دیکھا کہ وہ آنسو آنکھوں میں ڈبڈبائے سر جھاڑ منہ پہاڑ بنائے اٹوٹی کھٹواتی لئے پڑی ہے۔ ہنس کر کہنے لگی واہ وارے گھسکی کہاں جا سرنگ لگائی۔ پناہ مانگئے تجھ سے اور ڈرے تیرے دیدے[۱] سے۔ لے اب اٹھ کھڑی ہو کیوں مکر پھیلا رہی ہے اور شرارت سے آنسو بہا رہی ہے۔ اب ہنس بول کپڑے بدل حجرے سے باہر نکل۔ میں تیرے چاہتے کو سلامت لے آئی ہوں۔ اب کوئی دن میں دل کھول کے ملیو اور من مانے عیش کیجو۔ روح افزاء بہن کی باتوں سے مسکرا کر اُٹھ بیٹھی اور بلائیں لے کر گلے سے لپٹ گئی۔ رات کی رات تو بکاولی وہیں رہی صبح کو روح افزاء کے تئیں مظفر شاہ اور حسن آرا پاس لے گئی اور تقصیر معاف کروائی۔ پھر اُس کو مائیوں بیٹھا کر تاج الملوک کو بہرام سمیت ساتھ[۲] لیکر جزیرۂ ارم میں آ پہنچی اور اِس ماجرے کو من وعن اپنے ماباپ کے گوش گذار کیا۔ پھر اُن سے

---

۱ ''دبدبے''......نسخہ ب ص ۶۷

۲ ''ساتھ لیکر''......نسخہ ب میں موجود ہے۔ ص ۴۷

درخواست کی کہ جس دھوم سے وے تاج الملوک کو لے کر بیاہنے آئے تھے۔اسی طرح تم بھی اِس کو بیاہنے لے چلواور کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے ویسی ہی مہمان داری اور تیاری اندر باہر کی۔ پھر اُسی تجمل سے بہرام کوخلعت شاہانہ پہنا جواہر میں لادموتیوں کا سہرا باندھ بڑی کروفر سے جزیرۂ فردوس کوروانہ ہوئے۔وہاں کی تیاری کا کیا پوچھنا ہےاورروح افزاء کے بناؤ کا کیا کہنا ہے۔طلسم کی سوبھا اور پری کا بناؤ زبان کیا بیان کرے اورقلم کب لکھ سکے غرض براتیوں کو دولہا سمیت مظفر شاہ کی طرف کے لوگوں نے پیشوا لیا اور نہایت عظیم الشان طریقہ سے مجلس نشاط میں بٹھایا۔اور زنانی سواریوں کو اِسی وضع سے حسن آرا کی علاقہ مندبی بیان اُتروا کر بڑے مان مہت سے مجلس میں لے آئیں۔ پہر رات رہے تک تو اندر باہر ناچ راگ کی صحبت رہی آتش بازی انوع واقسام کی چھوٹا کی پھر اپنے خاندان کے چلن کے موافق اُس پری پیکر کا نکاح اُس رشک قمر کے ساتھ بندھوایا۔ بعد ہار پان کی رسم کے نوشہ کو ریت رسم کے واسطے محل میں بھجوایا۔ بکاولی نے بھی بہنوں کی سی وضع بہرام کے ساتھ کی اورٹونے ٹوٹکے کرتے ہوئے اُس کی طرف سے خوب جھگڑی۔ پھر آرسی مصحف دکھایا اور دولہہ کو دلہن کا جھوٹا شربت پلایا۔ بعد اِس کے مظفر شاہ اورحسن آرا نے روح افزاء کو بہت سا دان دہیز نقد و جنس لونڈی غلام دے بہ تجمل تمام رخصت کیا۔ برات کو اُسی رونق سے فیروز شاہ و تاج الملوک ساتھ لئے ہوئے شادوخرم جزیرۂ اِرم میں داخل ہوئے۔کئی دن وہاں چہل رہی۔ پھر بکاولی وتاج الملوک روح افزاء و بہرام کو اُسی طم طراق سےلیکر ملک نگارین کوروانہ ہوئے۔اندک عرصے میں وہاں جا پہنچے۔ پھر بہرام کے ماں باپ کو بلوا کر تمام قصہ کہہ سنایا اور دونوں کا دیدار اُسی روپ سے دکھایا۔ وے بہو بیٹے کو دیکھ کر بہت خرسند ہوئے اور بکاولی کے جان ودل سے احسان مند بنے[1]۔من بعد وزیر نے مجلس نشاط کی وہیں تیاری کی۔ بادشاہ کو جا کر لے آیا اور جتنے چھوٹے بڑے امیر تھے۔اُن کو بھی بلایا اور جس قدر شہر میں اہل طرب تھے اُن کو بھی طلب کیا۔غرض کئی دن تلک ناچ راگ کی صحبت رکھی مہمان داری سب کی بخوبی کی۔ بادشاہ و بادشاہ زادے کے حضور سینکڑوں کشتیاں جواہر و پوشاک کی رکھیں اور محل میں بھی اُسی قبیل سے بھجوائیں انعام واکرام لوگوں کو بہت سا دیا نقد وجنس انگنت بانٹا بعد اس کے حضرت اعلی قلعہ مبارک میں تشریف لے گئے سب مہمان بھی رخصت ہوئے۔ پھر بکاولی نے حمالہ کو کہلا بھیجا کہ جلد میرے باغ ومحل کو اکھیڑ وا کر یہاں لے آ۔ دو چار ہی دن کے عرصے میں وہ لے پہنچی۔ فی الفور اُس کو متصل اپنی دولت سرا کے نہایت آراستگی کے ساتھ قائم کروا کر روح افزاء اور بہرام کے حوالے کیا۔

---

[1] ''احسان مند ہوئے''......نسخہ ب ص ۷۷

الحمدللہ خدا کے فضل سے سب کے سب شاد ہوئے اور بخوبی آباد ہوئے۔ تمام شد۔

بیت

غرض جس طرح دی انھوں کی مراد
ہماری بھی دے یا الٰہی مراد

تاریخ سال ہجری

یہہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
تو پھر فکر تاریخ تھی صبح و شام
اچانک سنی میں نے آواز غیب
کہ ہے مذہب عشق تاریخ و نام

تاریخ عیسوی

ہوئی پھر یہہ خواہش کہ کلک و زبان
کریں عیسوی سال کو بھی بیان
تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
کرے مشرب و جام گر اختیار
تو راز نہاں اُس پہ ہو آشکار

☆☆☆

فرہنگ

(الف)

اکڑ تکڑ = اینٹھن، تاؤ، گھمنڈ، ڈھٹائی

انوٹھا = انوکھا، خوبصورت ، بڑھیا، طرفہ

اغلب = یقینی، غالب تر

انجل = لب، دعا کی طرح ملے ہوئے ہات

آب جو = ندی نہر چشمہ

اوپچی = ہتھیار بند، ہتھیاروں سے سجا ہوا، بانکا سپاہی

ابرآدری = بہار کا بادل جو برستا کم ہے، گرجتا زیادہ ہے۔

آیہ = آیت

ابا کیا = انکار کیا، نافرمانی کی

اطلس = ایک قسم کا ریشمی کپڑا

اناالحق = میں ہی حق ہوں

امٹ = نہ مٹنے والا لافانی

الوپ = غائب، پوشیدہ

ابلق = سیاہ سفید رنگ کا گھوڑا، دورنگا

اغماض = توجہ نہ دینا، روگردانی، چشم پوشی

اندک = کم، زرا، تھوڑا، قلیل

اثاثلیت = گھر کا سامان

(ب)

بجوگ = جدائی، مصیبت، صدمہ

بادمرمر = ایسی ہوا جو آندھی کی طرح چلے

بخت = قسمت

بدون = بلا، بغیر، بجیز

بھگل = مکر، فریب، ہاری ہوئی بزدل

بریاں = جلا ہوا، بھنا ہوا

بھسمت = وہ چیز جو بھسم ہوگئی ہو، جل کر خاکستر ہونا

بنا = بنا سنورا، دولہا

بادلہ = سونے چاندی کے تارے سے بنا کپڑا، زربفت

بہزار خواری = کافی ذلت

بسیط = کشادہ، وسیع

بنات النعش = سات ستاروں کا جھمکا

بھیچک = حیران

بھانت بھانت کے = قسم قسم کے گوناگوں

بروگن = فراق زدہ عورت

بدرقہ = وہ شخص جو مسافر کی حفاظت کرے، ایسی دوا جو کسی دوسری دوا کی معاون

بکاول = باورچی خانہ کا داروغہ، بھنڈاری

بھوگ = جدائی، مصیبت، بدنصیبی

(پ)

پیرزال = بڑھیا

پیک = قاصد، ہرکارہ، نامہ بر

پکھاوج = ایک قسم کا ڈھول

پرا = جھنڈ

پیوند = جوڑ

پشتارہ = ڈھیر، انبار

پآئین = پائنتی، نیچے

(ت)

تقید = تاکید، تنبیہ،

تصدیع = دکھ تکلیف

تورے = مختلف کھانوں کے خوان

توام = دونوں، جوڑ

تملق = خوشامد

تد = تب

پیک = قاصد، نامہ پر

تملق = چاپلوسی، خوشامد

(ٹ)

ٹوٹکے = جادو، ٹونا، سحر

ٹپ ٹاپ = اونچے درجہ کی چیز

(ج)

جاضرور = پیخانہ، براز، بیت الخلا

جیتی ماننا = زندہ تصور کرنا

جیوڑا = دل، جی، خوشی

جنم لگن = جنم کنڈلی

جلائے وافر = زیادہ روشنی

جد = جب

جھپ جھپ = جلدی جلدی

جد = جب

(چ)

چھور = کنارہ سرحد

چوٹی = کٹہ کوہ، پہاڑ کا اپری حصہ

چل = مستی، بے قراری

چشم میگوں = دیکھنا

چیری = باندی

چکور = وہ شکاری پرندہ جس نے اب تک شکار نہ سیکھا ہو۔

(ح)

حزان = غم، رنج

حرفہ = صنعت، کاریگری، پیشہ

حرز جان = جان کی حفاظت (تعویذ)

حتکا = سونٹ، گدکا

(خ)

خانماں = گھر کا اسباب، اثاث البیت۔ اٹالا

خادم پارہ = کچی ٹوٹی ہوئی چھال، ایک قسم کی چھوٹی توپ

خورش = غذا کھانا

خواہر = بہن، ہمشیرہ

خٹکا = سونٹا، گدگا، ڈنڈا

خورسند = خوش وخرم

خلقت یزداں = اللہ کی مخلوق

خائن = خیانت کرنے والا

(د)

درجک = زیور رکھنے کا ڈبہ

دائم الحبس = ہمیشہ کی قید

دغل فعل = دھوکہ دھڑی

دزد = چوری کرنے والا

دفتر = لمبی کہانی، لمبا قد

داروگیر = لوگوں پر اپنی طاقت کا زور بڑھانا

دغل = دھوکہ

دیبا = ایک قسم کا ریشمی کپڑا

دواب = دریا کے درمیان زمین

(ڈ)

ڈومنی = زن مطرب، میراثن

(ر)

رولا = غل مچانا

(ز)

زنہار = ہرگز نہیں، خبردار

(س)

سر موتصدیع = ذرا سی بھی تکلیف، دکھ، دردسر

سرمو = ذرا بھی

سرس = بہتر عمدہ، خالص

سراج القرطب = ایک بڑا درخت اس کے پوست کی ٹوپی کوئی پہنے تو وہ کسی کو نظر نہ آئے اور وہ سب کو دیکھ سکے

سیمرغ = ایک بڑے سے مرغ (پرندے) کا نام

سرکسوں = دیکھنا

سیم تن = چاندی جیسا بدن

سنجاب = چوہے سے ذرا بڑا جانور جس کی ملائم پشم دار کھال پوستین بناتے ہیں

سراب = بددعا

ساعد سیمین = خوبصورت کلائی، سفید کلائی

سموم غم = زہریلی غمناک ہوا، لو، گرم ہوا

(ش)

شمشا = معشوق

شدائد = تکلیفیں، مشقت

شتابی = فوری

شتسا = بدکار، بدوضع عورت

(ص)

صرصر = آندھی، بادشند، جھکڑ

صاحب گلشن زار = گلشن زار کے لکھنے والے

(ض)

ضرور = ضرورت

(ط)

طرفتہ العین = پلک جھپکاتے میں

طپش = تڑپ، جلن

طوطیا باندھنا = تہمت لگانا، بدنام کرنا

طنابیں کھینچنا = خیمے کی رسی۔ دوری یا فاصلے کو کم کرنا

(ع)

عماری = ہاتھی کا ہودا، ہودج

(غ)

غریق = ڈوبا ہوا

(ف)

فتور = خرابی

فتیلہ سوز = آگ سلگانے کی روئی (فتیلہ)

فھو المراد = جس کی مراد بر آئے

(ق)

قبیل = قبیلہ، قسم، جنس، نوع

قہر درویش بر جان درویش = غریب کا غصہ اپنے اوپر ہی چلتا ہے

تاقم = ایک قسم کا نیولا جس کی کھال سے پوستین بناتے ہیں۔

(ک)

کعبتین = ہڈی کے دو مربع شش پہلو پائے جن سے چوسر اور جوا کھیلا جاتا ہے۔

کلبہ = چھوٹا گھر، غریبوں کا جھونپڑا

کانپ = لچکدار پتلی قمچی جو پتنگ پر لگائی جاتی ہے۔

کشفی = غیب کی باتوں کا اظہار، الہام

کار نیش ونوش = کھانے پینے کا کام

کونبھل = وہ شگاف جو دیوار میں کر کے اندر گھستا ہے، نقیب

کدھی = کبھی

کہن = پرانا

کشور = ولایت، اقلیم، لڑکا جوان، ہندوؤں کے نام کا آخری جزو

کدھی کدھی = کبھی کبھی

کبھو = کبھی

کنچن = سوتا، زر، ایک قوم کا نام

کلابتوں = چاندی یا سونے کے تار جو ریشم پر چڑھا کر بنے جاتے ہیں۔ چاندی یا سونے کے تاروں کی ڈول

کھانڈ = شکر چینی، بورا

کشور = ولایت، اقلیم، ملک دیس

کمند = ایک قسم کی چرمی رسی جو کسی کی گردن یا منڈیر میں ڈال دیتے ہیں۔ رسی کی سیڑھی جس سے چور مکان پر چڑھتے ہیں۔

کون وفساد = موجود ہونا روایتاہ ہوجانا دنیا

(گ)

گل غدار = پھول جیسے رخسار

گوبر گنیش = احمق، کند ذہن، بدصورت، بدنما

(ل)

لعائین = ہونٹ، منہ

لیک	=	لیکن
لعین	=	لعنت زدہ

(م)

مشکی گھوڑا	=	کالا سیاہ مشک کے رنگ کا سیاہ رنگ کا گھوڑا
معہود	=	عہد کیا ہوا
محظوظ	=	مسرور، خوش وخرم، شاد ماں
متلزن	=	کسی چیز سے لذت اٹھانا
مادیات	=	مادی ہونے کی کیفیت، علم فلسفہ کا جس کے بموجب مادہ حقیقی اور قدیم ہے۔
مجردات	=	غیر جسمانی وجود، غیر محسوس چیزیں، ملائیکا، ارواح
مستمند	=	غمگین، حاجت مند
مدید	=	دیر سے آمد، زمانہ دراز
مہرۂ سیمیں	=	چاندی جیسا چہرہ
مدارالمہارم	=	وہ شخص جس پر سلطنت کا دارومدار ہو
مدحت	=	تعریف
مادی	=	ذاتی، طبعی، قدرتی
مجرد	=	بن بیاہا، غیر شادی شدہ
مناہی	=	منع کرنے، کہوانے، کہلانے
معہود	=	عہد کیا گیا مشروط، مقررہ
مخل بالطبع	=	باہم، بے تکلف
مطربوں	=	گانا گانے والیاں
مژہ	=	پلکیں
مرنج احنست	=	وہ شخص جس سے کسی کو رنج نہ پہنچے، سب سے ہنس بول کر رہنے والا

مرغِ نیم بسمل = تڑپنے والا پرندہ

مشکِ ختن = وہ خوشبودار مادہ جو ہرن کی ناف سے نکلتا ہے (ختن مقام کا نام)

مہاف = ربن

مقابہ = سنگھاردان، آرائش کا صندوقچہ

مان مہت = ناز وغمزہ، نازنخرہ

(ن)

نپٹ = محض، سراسر، تمام

ندان = اچانک

ندھڑک = بے خوف

ناوک = تیر

نسترن باغ لطافت = سیوتی (سفید) پھولوں کا باغ جس میں پاکیزگی اور خوبصورتی ہو۔

نمط = مثل، مانند، وضع قطع، ڈھنگ، مانند، ہتما، نظیر

نوعوں = نوع، قسم، کئی اقسام کے

ندھڑک = بے دھڑک، بغیر کسی خطرے اور اندیشے کے

نسترن = سفید پھولوں کی پھلوری (سیوتی)

(و)

ولے = لیکن، مگر

وحوش = جنگلی جانور

اونہیں = جونہی

(ہ)

ہین = کلمۂ تنبہ، ممانعت

کتابیات

	مصنف/مرتب	کتاب کا نام	ناشر	سن اشاعت
1	انور سدید ڈاکٹر	اردو ادب کی مختصر تاریخ	مقتدرہ قومی زبان	۱۹۹۲ء
2	ایضاً	اردو ادب کی تحریکیں	ایضاً	۲۰۰۸ء
3	ابن کنول ڈاکٹر	ہندوستانی تہذیب (بوستان خیال کے تناظر میں	سیما آفسٹ دہلی	۱۹۸۸ء
4	جمیل جالبی	تاریخ ادب اردو (جلد سوم)	مجلس تاریخ ادب لاہور	مارچ ۱۹۷۷ء
5	حامد حسن قادری	داستان تاریخ اردو	انجمن پریس کراچی	۱۹۶۶ء
6	حیات اللہ انصاری	اصلی گل بکاولی	رسالہ آج کل (نئی دہلی)	نومبر ۱۹۸۶ء
7	راجندر ناتھ شیدا	وثائق فورٹ ولیم کالج	آستانہ بک ڈپو پوسٹ بکس	۱۹۵۶ء
8	رشید حسن خان مرتب	گلزار نسیم	اانجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی	۱۹۹۵ء
9	ایضاً	باغ و بہار	ثمر آفسٹ پرنٹرز نئی دہلی	۱۹۹۲
10	ایضاً	فسانہ عجائب	ایضاً	۱۹۹۰ء
11	ایضاً تصنیف	ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ	اتر پردیش اردو اکیڈیمی لکھنو	۱۹۹۰ء
12	رام بابو سکسینہ تصنیف	تاریخ ادب اردو	کاسمو پبلشنگ	۱۹۸۴ء
13	سید محمد پروفیسر تصنیف	ارباب نثر اردو	نعمانی پریس دہلی	۱۹۷۷ء
14	سید محمد عقیل رضوی تصنیف	اردو مثنوی کا ارتقا شمالی ہند میں	انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی	۱۹۲۸ء
15	سید وقار عظیم	ہماری داستانیں	ادارۂ فروغ اردو لاہور	۱۹۵۶ء
16	سید عبداللہ	وجہی سے عبدالحق تک	پبلشنگ ہاؤز پہاڑی بھوجلہ پلی	طبع دوم
17	سید اعجاز حسین	مختصر تاریخ ادب اردو	انڈین پریس لمیٹڈ، الہ آباد	۱۹۴۰ء

18	سید فیاض محمود کیپٹن	تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند	پنجاب یونیورسٹی لاہور	۱۹۷۸ء
19	شہباز انجم ڈاکٹر تصنیف	ادبی نثر کا ارتقاء شمالی ہند میں	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	۱۹۸۵ء
20	صغیر افراہیم ڈاکٹر تصنیف	نثری داستانوں کا سفر	ایجوکیشنل بک ہاوز	۱۹۹۵ء
21	عبیدہ بیگم تصنیف	فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات	فائن آفسٹ الہ آباد	۱۹۸۳ء
22	عتیق صدیقی تصنیف	گل کرسٹ اور عبس کا عہد	ایجوکیشنل بک ہاؤز علی گڑھ	۱۹۶۰ء
23	فرمان فتحپوری تصنیف	اردو کی منظوم داستانیں	انجمن ترقی اردو پاکستان	۱۹۷۱ء
24	کلیم الحق قریشی مقالہ	خیابان ریحان کی تدوین	سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد	۱۹۹۰ء
25	گوپی چند نارگ	ہندوستانی کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو، دہلی	۱۹۶۲ء
26	نادم سیتاپوری	فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی	ادارۂ فروغ اردو لکھنو	۱۹۵۹ء
27	نورالحسن نقوی	تاریخ ادب اردو	ایجوکیشنل بک ہاؤز علی گڑھ	۱۹۹۶ء
28	وقار عظیم تصنیف	داستان سے افسانے تک	جمال پریس جامعہ	۱۹۷۲ء
29	ایضاً تصنیف	ہماری داستانیں	ادارۂ فروغ اردو لاہور	۱۹۵۶ء
30	وفا راشدی	بنگال میں اردو	پبلشنگ ہاوس اردو	۱۹۵۴ء

فہرست

1	جائزہ مخطوطات اردو (جلد اول)	مشفق خواجہ، لاہور ۱۹۷۹ء
2	تذکرہ مخطوطات (جلد سوم)	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، حیدرآباد، ۱۹۵۷ء
3	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات (جلد اول)	نصیر الدین ہاشمی، حیدرآباد، ۱۹۶۱ء
4	کتب خانہ نواب سالار جنگ کی اردو قلمی کتابوں کی	نصیر الدین ہاشمی، حیدرآباد ۱۹۵۷ء
5	مخطوطات انجمن (جلد چہارم)	افسر صدیقی، پاکستان
6	اردو مخطوطات (جامعہ عثمانیہ)	عبدالقادر سروری، ۱۹۲۹ء
7	اردو مخطوطات (جامع مسجد بمبئی)	ڈاکٹر حامد اللہ ندوی

فرہنگ

1	نوارالالفاظ (لغت)	ڈاکٹر سید عبداللہ
2	فرہنگ آصفیہ (جلد اول)	نصیرالدین ہاشمی
3	فرہنگ عامرہ	محمد عبداللہ خاں خویشگی
4	فیروزالغات (جامع)	الحاج مولوی فیروزالدین
5	نیو 21 سنچری	ڈاکٹر بشیر احمد قریشی

☆☆☆

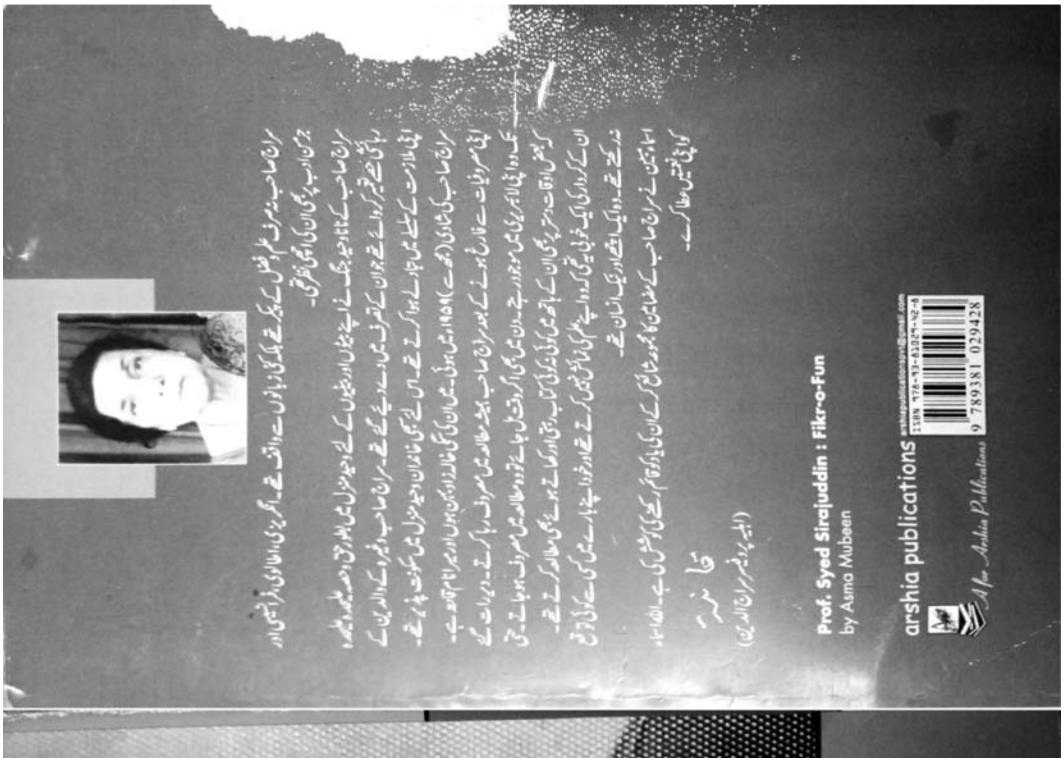

پروفیسر سید سراج الدین: فکر و فن
اسماء مبین
Prof. Syed Sirajuddin : Fikr-o-Fun
by Asma Mubeen
arshia publications
9 789381 029428

9
روزنامہ منصف حیدرآباد
جمعرات۔ 2/ فروردی 2012
ہ ادب

یادِ رفتگاں

اٹھاسویں سال گرہ پر خراجِ عقیدت

پروفیسر سید سراج الدین احباب کی نظر میں

پیدائش:30جنوری1924　پروفیسر سراج الدین　وفات:15جولائی2006

اسما مبین، (ایم فل، حیدرآباد یونیورسٹی)

حیدرآباد کی مردم خیز سرزمین نے علم و ادب کے میدان میں ایسے لعل و جواہر پیدا کیے کہ ان کا جواب بڑی مشکل سے مل سکے گا۔ ان ہی چنندہ ہستیوں میں ایک پروفیسر سید سراج الدین کا نام بھی شامل ہے جنھیں علمی وسعت، مہارت اور فکر کی گہرائی و گیرائی کی بنا پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان کی سیرت کی خاص بات یہ ہے کہ وہ منکسر المزاج اور ستائش و صلے کی تمنا سے بے نیاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا دامن دنیاوی حرص و آز سے پاک تھا۔

سید سراج الدین حیدرآباد کے ایک معزز گھرانے میں 30 جنوری 1924ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن اور جوانی کا غالب حصہ اپنے نانا وحید جنگ کی وسیع و عریض حویلی میں گزرا۔ وحید منزل محلہ آصف نگر میں واقع تھی۔ وحید جنگ کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا جن میں شعرا، ادبا اور ماہرین تعلیم شامل تھے۔

سراج صاحب کا بچپن اور لڑکپن بڑے ہی ناز و نعم اور آسائشوں میں گزرا۔ گھر کی ادبی فضا نے ان کے ذہن و فکر کی آبیاری ایسی کی کہ وہ حیدرآباد کی علمی دنیا کے ایک درخشندہ ستارہ بن کر ابھرے۔ انھوں نے 1940 میں نام پلی ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد گریجویشن میں امتیازی کامیابی کے بعد جامعہ عثمانیہ ہی سے انگریزی ادب سے 1946 میں ایم اے کیا۔

وہ نہ صرف اردو، انگریزی اور فارسی زبانوں کے ماہر تھے بلکہ انھوں نے 1942 میں جرمن زبان میں اور 1943 میں فرنچ میں ڈپلوما حاصل کیا۔ 1956 میں انھیں جامعہ عثمانیہ کی جانب سے حکومتِ ہند کے وظیفے پر اٹلی روانہ کیا گیا جنھوں نے اطالوی زبان سیکھی۔ وہ اٹلی کی یونیورسٹی آف فرینگس کے University of Freiguns طالب علم رہے۔ اس یونیورسٹی نے سراج صاحب کو یہ اختیار اور اعزاز دیا کہ وہ اٹلی سے باہر اطالوی زبان و ادب پڑھا سکتے ہیں۔

1948 میں جامعہ عثمانیہ میں انگریزی ادب کے استاد مقرر ہو چکے تھے۔ وظیفے سے قبل وہ ڈیونگ کالج کے پرنسپل کے عہدے پر رہے۔ کشمیر یونیورسٹی کے اقبال انسٹی ٹیوٹ میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ پروفیسر رحمت یوسف زئی نے ایک نشست میں یہ بتایا کہ: میں نے سراج صاحب سے رومن ڈیڈ روز سبقاً سبقاً پڑھی۔ جب وہ اس کی تشریح کرتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علم کا ایک دریا ہے جو بہہ رہا ہے۔" وہ ایک وسیع المطالعہ شخص تھے۔

ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ انھیں نہ صرف اردو ادب اور اردو شاعری پر گہرا عبور حاصل تھا بلکہ فارسی ادب اور شاعری پر بھی ان کی نظر بہت گہری تھی۔ ان زبانوں کے بے شمار اشعار ان کو ازبر تھے جنھیں وہ اپنے دوستوں کی

پڑھائی تھی۔ ان کا ہر لیکچر جین آسٹن کی زبان بیان، کردار نگاری اور مکالموں پر ایک مبسوط تبصرہ ہوتا تھا۔ دراز انگلیوں اور ہاتھوں کی حرکات و سکنات کے ساتھ بڑے موثر انداز میں مختلف کرداروں کے مکالموں کی شستہ انگریزی میں ادائیگی کلاس کو ایک ڈرامے میں بدل دیتی تھی۔ اب ہندوستان کی جامعات میں ایسے Committed استاد ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گے۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید بیان کرتے ہیں کہ سراج صاحب انگریزی، اطالوی، فرانسیسی اور جرمن زبان سے صرف یہی نہیں کہ واقف تھے، ان زبانوں کے ادب پر بھی

سے انھوں نے اپنی آخری عمر تک دوستی نبھائی پروفیسر وحید الدین، پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر علی احمد خسرو، ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب، پروفیسر ایزک سیکویرا اور پروفیسر شیو کے کمار شامل تھے۔

علمی و فکری کارناموں کے علاوہ ان کی اصل شہرت ماہر اقبال کی حیثیت سے ہوئی اور وہ اپنے دور کے ماہر اقبالیات کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے رہے۔ انھیں اقبال کے کلام سے فطری لگاؤ تھا۔ بچپن ہی سے انھیں ایسا ماحول ملا کہ اقبال کے کلام کی جاذبیت، اثر پذیری اور عظمت ان کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ اقبال کے کلام سے ابتدائی تعارف کے بارے میں سراج صاحب اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اقبال کی شاعری سے میرا سابقہ اس وقت ہوا جب میں لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا۔ بہت بچپن میں میری امی شام کے وقت اپنی نرم اور دل کش آواز میں مجھے اقبال کی نظمیں سنایا کرتی تھیں۔ جگنو، بچے کی دعا، پرندے کی فریاد، ابر کوہسار اور کیا کیا۔ کسی شاعر کو بچپن سے جاننا کوئی تنقیدی اہمیت تو نہیں رکھتا لیکن جب بھی ایسا ہوتا ہے تو قاری اور شاعر کے درمیان ایک خاص رشتہ قائم ہو جاتا ہے جو آگے چل کر خاص کردار ادا کرتا ہے۔ ان ابتدائی اور فطری تاثرات میں ایسی تازگی اور شگفتگی ہوتی ہے جو بعد کی تنقیدی موشگافیوں اور عالمانہ تجزیوں میں بھی برقرار رہتی ہے۔ میں کبھی ان اشعار کو بھول نہیں سکتا جن میں بچپن کے کیف آور تجربات اس قدر خوب صورتی کا منظر پیش کرتے ہیں۔"

سراج صاحب کا حسب ذیل خوب صورت اقتباس اپنے اندر عجیب انفرادیت رکھتا ہے:

"اقبال کی شاعری میں ایک ایسا تموج ہے جو اس کو پڑھتے پڑھتے خون کی گردش میں در آتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ ایک ایسی قوت کے نرغے میں ہیں جس سے نہ آپ نکل سکتے ہیں اور نہ نکلنا چاہتے ہیں۔ اس کی شاعری قوت و نشاط کا ایک ایسا مربوط تاثر پیدا کرتی ہے جو کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتا۔ اس لحاظ سے اقبال بے حد منفرد ہے۔ نہ اس سے پہلے اس کا اندازہ کہیں ہے نہ اس کے بعد۔"

SATURDAY 28 APRIL 2012 ③

جامعہ حراء علی نگر ایک تاثرایک تعارف

ازـ اسماء مبین ایم فل اردو

جب میں چھوٹی تھی اوراسکول میں زیر تعلیم تھی اپنا یونیفارم پہن کر اسکول جانے کیلئے تیار ہوتی اور باہر قدم نکالتی تو ٹھیک اسی وقت ہمارے گھر کے سامنے مدرسہ میں مناجات کی آواز بلند ہوتی۔ میرے پاؤں وہیں رک جاتے اور میں مناجات کے الفاظ اور اس کے ترنم میں کھو سی جاتی اور آہستہ آہستہ ان الفاظ کو خود بھی دہرانے لگتی۔ مجھے اس مدرسہ میں بہت کشش محسوس ہوتی اور دن بدن میری خواہش میں اضافہ ہونے لگا کہ میں بھی اس مدرسہ کی ایک طالبہ بن جاؤں۔ میں روزانہ اپنی امی سے ضد کرتی کہ میں بھی اس مدرسہ کو جاؤں گی اور تعلیم حاصل کروں گی۔ میری اس خواہش کو دیکھتے ہوئے میرے والد نے ایک دن اس مدرسہ کے ناظم جناب حافظ سید مظفر الحسن نقوی سے ملاقات کی اور میری خواہش کا ذکر کیا تو انہوں نے میرے والد کو جواب دیا کہ آپ کی بچی اپنے اسکول جاتے ہوئے بھی ہمارے یہاں مدرسہ میں چلنے والی صباحیہ کلاس جو فجر کے بعد شروع ہوتی ہیں ان میں شریک ہو سکتی ہے ان کلاسس میں تجوید کے ساتھ عربی کی تعلیم کے علاوہ بنیادی دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح مجھے صباحیہ کلاس میں داخلہ مل گیا۔ میں اور میرے دیگر بھائی بہن میرے ساتھ خوشی خوشی تجوید کی کلاس میں شرکت کے علاوہ دینی تعلیم حاصل کرنے لگے مدرسہ میں اتوار کے دن نوری محفل کے نام سے بچوں

طلباء نے سرکاری امتحانات میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کی کئی طلباء وطالبات نے اس ادارہ کے ذریعہ حفظ کی تکمیل کی۔ حفظ بھی کیا اور عصری تعلیم بھی حاصل کی۔ دیگر طلباء نے کالجس میں داخلہ حاصل کر کے مرحلہ واری ڈگری کورسس کامیاب کئے۔ اور اندرون وبیرون ملک حصول معاش کے ساتھ ساتھ اچھے روزگار سے لگے ہوئے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایسے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ دین و دنیا دونوں کی برکات سے فیضیاب ہو رہے ہیں آج کی مادی دنیا میں ان کی شرافت تہذیب اور اخلاق وکردار کو دیکھ کر اکثر لوگ تعجب سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے کہاں تعلیم حاصل کی۔ موجودہ دور کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کمپیوٹر کی تعلیم کا منصوبہ بھی بن چکا ہے۔ جامعہ کا قیام علی نگر علی آباد میں عمل میں آیا۔ میری سسرال بھی اسی محلہ میں تھی۔ چند سال کے وقفہ کے بعد میں دوبارہ اس ادارہ سے جڑ گئی اور بحیثیت لیکچر خدمت کا موقع ملا۔ اسی جامعہ میں خدمت کے دوران میری تعلیم کا سلسلہ دوبارہ جاری ہوا۔ محترم ناظم مدرسہ نے میری بے حد ہمت افزائی کی اور وقت کے معاملہ میں رعایتیں دیں اور بھرپور تعاون دیا۔ انہی کی ہمت افزائی اور ذہنی سکون کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ کی خدمت کے ساتھ ساتھ میں نے ادارہ سے رخصت حاصل کی لیکچر رشپ کی ڈگری کالج کے طلباء کو پڑھایا ایم ایل امتیاز سے کامیاب کیا اور اب پی ایچ ڈی کی تعلیم حیدرآباد یونیورسٹی سے جاری

کوئی اچھا سا واقعہ سنائیں۔ اس طرح دین کی باتیں سننے سنانے کا ذوق پنپنے لگا اور یہ مفید سلسلہ جب تک ہماری تعلیم جاری رہی چلتا رہا مدرسہ کے تمام اساتذہ بے حد بااخلاق نرم مزاج اور مشفق تھے ان کی کوشش ہوتی کے ہر طالب علم بہتر انداز سے استفادہ کرے اور اس کے ذہن وفکر اور اخلاق سے ان تعلیمات کا اثر ظاہر ہو۔ اگرچہ اس مدرسہ کی ابتداء انتہائی ناموافق حالات اور بے حد کم وسائل کے ذریعہ ہوئی لیکن اساتذہ کی لگن جستجو اور کوشش یہی رہتی کہ طالب علم تعلیم کے ساتھ ساتھ بہتر تربیت پائے اور اس کے اخلاق وکردار میں تعلیم کا اثر ظاہر ہو' اہل مدرسہ کی کوشش کا یہ اثر ہوا کہ جس کسی نے بھی تعلیم کا معیار اور بہتر نتائج دیکھے اس مدرسہ میں اپنے بچوں کو داخلہ دلایا اور طلباء کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا' اس مدرسہ کی خاص بات یہ تھی کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا نظم بھی موجود ہے جس اخلاص کے ساتھ تعلیم دی جارہی تھی لوگوں کا تاثر تھا کہ اس کا نہج اصحاب صفہ کے مدرسہ کی طرز کا ہے۔ جو اسلام کے ابتدائی ایام میں بے سروسامانی کے ساتھ مسجد نبویؐ کے ایک چبوترہ پر قائم تھا۔ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت اور مہمانوں کی تواضع میں حصہ داری میرے لئے بچپن کا ایک یادگار واقعہ بن چکا ہے اور تصور میں جب بھی یہ منظر آتا ہے بے حد مسرت کا احساس ہوتا ہے مجھے اس خدمت کا یہ صلہ ملا کہ میرے اساتذہ نے میری محنت اور خدمت کی بڑی قدر کی اور بڑی محبتوں اور دعاؤں سے نوازا۔

34 سال قبل 17 ستمبر 1979ء کو ابتدائی طور پر یہ مدرسہ قاضی پورہ کی ایک گلی میں قائم ہوا تھا۔ اس کو توسیع دینے کی کوشش کی گئی اور ایک قطعہ زمین علی آباد میں خریدی گئی ایک سوسائٹی الفرقان ایجوکیشنل سوسائٹی کے نام سے قائم کی گئی جس کو رجسٹرڈ بھی لیا گیا ہے اب یہ مدرسہ نہیں بلکہ ترقی کرتے ہوئے جامعہ کی شکل اختیار کر چکا ہے جس میں فی الوقت تین شعبے ہیں۔ شعبہ عصری علوم مدرسی تا دسویں جماعت' جس کا نصاب حکومت آندھرا پردیش کے منظورہ نصاب تعلیم کے مطابق ہے' دوسرا شعبہ حفظ قرآن مجید و قراءت ناظرہ مع تجوید بشمول درسیات دینیہ واحادیث ہے۔ تیسرا شعبہ جس میں جزوقتی تعلیم قرآن' دینیات ونیز اردو زبان دانی' عربی زبان دانی و قرآن فہمی کی استعداد کیلئے عربی کلاسس کا آغاز کیا جانے والا ہے۔ فنی تعلیم کے سلسلہ میں ٹیلرنگ سنٹر کا آغاز کیا گیا جس سے بے شمار لڑکیاں وخواتین استفادہ کر چکی ہیں جامعہ کی کامیاب کوششوں کے باعث بے شمار

لیئے حاضر ہوتی ہوں بلکہ دعاؤں کی طلبگار بھی ہوں۔ ذہنی طور سے ادارہ سے اب تک جڑی ہوئی ہوں اور ادارہ کی ممکنہ خدمت سے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ امید کرتی ہوں کہ یہ مبارک سلسلہ تادم آخر جاری رہے گا بانی وناظم جامعہ جناب سید مظفر الحسن نقوی اپنی ذات میں ایک ادارہ کی طرح کام کر رہے ہیں ان کے عزم مصمم' کاوشوں اور انتھک کوششوں کے نتیجہ میں جامعہ کی تعمیر کی ابتداء تو ہو گئی کیونکہ یہ بے حد بڑا پراجکٹ ہے اہل خیر اصحاب کے تعاون کے باوجود بلڈنگ ابھی نامکمل ہے بہت سارے تعمیری کام باقی ہیں اور بہت سارے مفید منصوبے رکے پڑے ہیں۔ اگر اہل خیر اصحاب کا مناسب تعاون مل جائے تو ملت کی ایک بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔ ایک اہم بات جس کا تذکرہ بھی ضروری ہے وہ یہ کہ چونکہ اس مدرسہ کے قیام کا اصل مقصد تعلیم کو گھر گھر پہونچانا اور دین کی اشاعت کرنا ہے اس لئے اس میں خاص طور پر ایسے طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے جو بالکل نادار ہیں اور کسی قسم کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے ایسے طلباء کو مفت داخلہ دیا جاتا ہے اور فیس بھی نہیں لی جاتی۔ محض اللہ پر توکل کرتے ہوئے ناموافق حالات اور مالی دشواریوں کے باوجود جامعہ کی جانب سے یہ خدمت جاری ہے۔ بعض مواقع تو ایسے آئے کہ ادارہ کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا تھا۔ لیکن بدترین حالات میں بھی ہمت سے کام لیا گیا اور ادارہ کے وجود کو ہونے والا خطرہ اللہ کی تائید سے ٹل گیا۔

معجزہ ہے کہ گھر میں چراغ روشن ہے
وہ طوفان تھا کہ دروازے ٹوٹ جاتے تھے

ایسے صبر آزما مراحل میں تعجب ہوتا ہے کہ یہ مرد درویش فجر سے عشاء تک مسلسل جامعہ کی ترقی اور کامیابی کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے اور بغیر کسی صلہ کی تمنا وستائش کے یہ خدمت جاری وساری ہے انشاء اللہ مجھے یقین ہے کہ ان کی آنکھیں اپنے منصوبوں کی تکمیل اور کامیابی ضرور دیکھیں گی اور ان کی تکمیل سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی کسی شاعر نے کیا خواب کہا ہے اسکے چند اشعار کچھ ترمیم کے بعد پیش ہیں جو حضرت ناظم جامعہ کی شخصیت اور ان کی خدمات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

ع:۔ ہوا ہے گو تندو تیز لیکن
چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے
دیئے ہیں انداز خسروانہ

اسماء مبین' ایم فل اردو' پی ایچ ڈی اسکالر' حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی
مکان نمبر 19-2-26/A/29/b/1
پھول باغ جہاں نما حیدرآباد۔
فون نمبر 9052253034۔

گھر آنگن
چہارشنبہ 28 ردسمبر ر 2011ء

کاش ایسا نہ ہوتا!

اسماء مبین، ایم فل (حیدرآباد)

بس میں میرے برابر بیٹھی شبانہ ایک دم سے بڑبڑائی۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یوں تو وہ بہت دھیمے لہجے میں بڑبڑا رہی تھی۔ لیکن میرے کانوں تک اس کی بے ساختہ آواز ٹکرائی تھی اور میں نے اس سے سوال کر ڈالا کیا نہیں ہوسکتا؟ پہلے تو وہ ٹالنا چاہیں پھر میرے اصرار پر ایک اونچی عمارت کی طرف اشارہ کیا جس سے میں اور الجھ گئی۔ میں نے کہا کہ یہ تو ہمارے دیش کی ترقی کی نشانی ہے۔ یہ بڑی بڑی عمارتیں یہ بڑی بڑی سڑکیں اور یہ اوور برج مجھے تو بہت اچھے لگتے ہیں۔ اچھا خیر...... لیکن آج مجھے ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو بتاؤ کبھی کبھی تم اتنی اُداس کیوں ہوجاتی ہو۔

یہ سن کر شبانہ نے ایک سرد آہ بھری اور کہا کہ کیا تم آج میرے گھر چلو گی اور میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے حامی بھر لی اور میرے اسٹاپ سے تین اسٹاپ پہلے ہم بس سے اتر گئے۔ اور کافی پیدل چلنے کے بعد ایک تنگ و تاریک گلی سے گزرتے ہوئے ہم شبانہ کے گھر تک پہنچ گئے۔

خوبصورت پھولوں والے پودے لاکر لگاتی اور ہر دن اس کی نگہداشت کرتی اور بہت زیادہ محنت سے انہیں سنوارتی تھیں۔ میں جب چھوٹی تھی شرارتاً اس طرف آتی اور پھول توڑ ڈالتی، دیدی مجھے بہت پیار سے سمجھاتی کہ اگر تم پھول توڑتی ہو تو یہ جھاڑ تم سے ناراض ہوجائینگے اور پھول نہیں کھلیں گے۔ انہیں دور سے دیکھنا یہ کتنے خوبصورت دکھائی دیتے ہیں؛ ہے ناں گڑیا۔!

وہ خیالات میں گم تھی اور میری نظریں اس اجڑے باغ کا جائزہ لے رہی تھیں کہ اچانک مجھے جھاڑیوں کے پیچھے کسی انسانی جسم کے موجود ہونے کا شبہ ہوا۔ میں الجھتی جارہی تھی مجھے یہاں آنا اب بالکل بھی پسند نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ شبانہ کی باتوں میں ادھورا پن تھا وہ کوئی بات مکمل طور سے بتا نہیں پارہی تھی۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کہاں ہے تمہاری دیدی کیا ان کی شادی ہوگئی ہے۔ یہ سن کر شبانہ نے کہا کہ ہاں شادی تو ہوگئی لیکن وداعی اسی باغ میں ہوگئی۔ دراصل شادی کے دن دلہے والوں نے ایک لاکھ روپے کی رقم کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہم دلہن کو اسی دن گھر لے جائینگے جب ان پیسوں کا بندوبست ہوجائیگا۔ یہ کہہ کر وہ دیدی کو اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ دیدی ہمیشہ سے ایک حساس طبیعت کی مالک رہی ہے۔ اسے یہ توہین برداشت نہ ہو پائی اور وہ اسی کمرے میں بند ہوگئی اس نے اپنے تمام زیور اور کپڑے اُتار پھینکے، اس کی دل دہلا

Department of Urdu
School of Humanities,
University of Hyderabad
Hyderabad.

DECLARATION

I **ASMA MUBEEN** hereby declare that this thesis entitled **MAZHAB -E- ISHQ KI TAHQEE -O- TADVEEN** (Editing of Manuscript dt 1217 written by Nehal Chand Laori) submitted by me under the guidance and supervision of **Prof. Habeeb Nisar**, is a bonafide research work which is also free from plagiarism. I also declare that it has not been submitted previously in part or full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma. I hereby agree that my thesis can be deposited in Shodhganga/ INFLIBNET.

Date: Name: **ASMA MUBEEN**

Signature of Student
Regd. No.:**11HUPH04**

Department of Urdu
School of Humanities,
University of Hyderabad
Hyderabad.

CERTIFICATE

This is to certify that thesis entitled **MAZHAB -E- ISHQ KI TAHQEE -O-TADVEEN** (Editing of Manuscript dt 1217 written by Nehal Chand Laori) submitted by **Mrs. ASMA MUBEEN** bearing Registration No. 11HUPH04 in partial fulfillment of the requirement for award of Doctor of Philosophy in the School of Humanities is a bonafide work carried out by him under my supervision and guidance.

This thesis is free from Plagiarism and has not been submitted previously in part of in full to this or any other University or Institution for award of any degree or diploma.

Parts of this thesis have been:

A. Published in the following:

1. Book published by Asma Mubeen (Prof. Syed Sirajuddin Fikr o Fun)
2. Fiction (Kash Aisa Na Hota) Munsif Daily Wednesday 2011
3. Article (Prof. Syed Sirajuddin in view of his friends)
   (Dt. 2nd Feb 2012 in Munsif Daily)
4. Article (Jamia Hira e Ali Nagar, Ek Tassur Ek Taruff)
   (Dt. 28th April 2012 in Rahnuma-e-Deccan Daily)

B. Presented in the following conferences:

1 National Seminar Bees Sala Jashan Taqreeb -o-Dastarbandi Huffaz e Karam Madarsa e Islamia Riyazul uloom.

2 National Seminar on Jamia Osmania Hyderabad Ka Sad Sala Safar.

Further, the student has passed the following courses towards fulfillment of course work requirement of Ph.D/ was exempted from doing coursework (recommended by Doctoral Committee) on the basis of the following courses passed during his M.Phil Program and the M.Phil degree was awarded:

Course Code	**Name**	**Credit**	**Pass/ Fail**
1. HU600	Research Methodology	4.00	Pass
2. HU601	Practical Criticism	4.00	Pass
3. HU602	Textual Criticism	4.00	Pass
4. HU680	Dissertation	12.00	A+

Supervisor Head Dean of School

MAZHAB -E- ISHQ KI TAHQEEQ -O- TADVEEN

THESIS

DOCTOR OF PHILOSPHY

IN URDU

Submitted by

ASMA MUBEEN

Reg. No: 11HUPH04

Under the supervision

of

Prof. HABEEB NISAR

Department of Urdu, **School of Humanities**

University of Hyderabad.

Hyderabad - 500046

2017